اہل بیتؑ حلّال مشکلات

تألیف

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

ترجمہ
سید امتیاز حیدر (جہانیاں پوری)

زیر نظر
سید احتشام عباس زیدی

اہل بیتؑ حلّال مشکلات

تالیف

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

ترجمہ

سید امتیاز حیدر (جہانیاں پوری)

زیر نظر

سید احتشام عباس زیدی

بسم الله الرحمن الرحيم

سماوی، محمد تیجانی، ۱۹۳۶ -
اهل بیت(ع) حلال مشکلات/تألیف محمد تیجانی سماوی؛ ترجمه امتیاز حیدر جهانیان پوری؛ زیر نظر احتشام عباس زیدی.- قم: انصاریان، ۲۰۰۵ = ۱۴۲۶.
۳۲۵ ص.
ISBN: 964-438-046-0
عنوان اصلی: کل الحلول عند آل الرسول.
اردو.
۱.شیعه- دفاعیه ها وردیه ها. ۲. استبصار.
الف. حیدر، امتیاز، مترجم. ب. عنوان.
BP۲۱۲/۵/س۸ک۸۰۴۶ ۲۹۷/۴۱۷

اُہل بیت ؑ حلاّل مشکلات

مؤلف: داکٹر محمد تیجانی سماوی
مترجم: سید امتیاز حیدر (جهانیان پوری)
زیر نظر: سید احتشام عباس زیدی
پبلشر: انصاریان پبلیکیشنز - قم
طبع اول ۱۳۷۸ - ۱۴۲۰ - ۱۹۹۹
دوسر طبع ۱۳۸۲ - ۱۴۲۴ - ۲۰۰۳
تیسری طبع ۱۳۸۴ - ۱۴۲۶ - ۲۰۰۵
چھاپخانہ: ثامن الأئمة(ع) - قم تعداد صفحات: ۳۲۸ ص.
تعداد: ۲۰۰۰ نسخه سایز: mm۲۱۰ x۱۴۸
ISBN:۹۶۴-۴۳۸-۰۴۶-۰

انصاریان پبلیکیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷
قم - جمهوری اسلامی ایران
ٹیلی فون نمبر ۷۷۴۱۷۴۴-۲۵۱-۰۰۹۸ فاکس ۷۷۴۲۶۴۷
Email:ansarian@noornet.net
www.ansariyan.org & www.ansariyan.net

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

عرض مترجم

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی دور حاضر میں دنیائے تشیع کی ایک جانی پہچانی شخصیت کا نام ہے۔ دینی اور دنیاوی دونوں علوم سے آراستہ اس شخصیت نے خود سے راہ حق و حقیقت کی جستجو کی خار دار وادی میں قدم رکھا اور منزل حق تک پہنچ کر دم لیا۔ آج یہ عظیم شیعہ مبلغ اور بے مثل صاحب قلم اپنی بیدریغ کاوش اور بے مثال جہاد لسان و قلم کے ذریعہ پوری دنیا کو مکتب اہل بیتؑ کی حقانیت سے روشناس کرانے میں ہمہ تن سرگرم عمل ہے۔

تیونس نام کے ایک اسلامی افریقی ملک کے باشندہ ڈاکٹر تیجانی نے اب تک دنیا کے بہت سے ملکوں کا دورہ کیا اور ہزاروں بھٹکے ہوئے افراد کو صراط مستقیم کی ہدایت کی ہے۔ ان کی کئی کتابیں ﴿پھر میں ہدایت پاگیا﴾ ﴿میں بھی سچوں کے ساتھ ہو جاؤں﴾ ﴿شیعہ ہی اہل سنت ہیں﴾ ﴿تجلی﴾ دنیا کی بہت سی اہم زبانوں میں عربی سے ترجمہ ہو کر شایع ہو چکی ہیں بلکہ ایک ایک کتاب کے دس دس اور بیس بیس ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔

قارئین! اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کا اصل نام

﴿کل الحلول عند آل الرسول﴾ ہے، اس کا فارسی ترجمہ بنیاد معارف اسلامی قم کی جانب سے ﴿اہل بیت کلید مشکلھا﴾ کے نام سے شایع ہوا جس میں فارسی مترجم نے بعض حاشیہ بھی لکھے ہیں۔ اسی کا اردو ترجمہ ﴿اہل بیتؑ حلال مشکلات﴾ کے عنوان سے پیش خدمت ہے۔ یہ کتاب اپنے اسلوب کے اعتبار سے بقیہ کتابوں سے جدا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں اغیار کے معائب پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے مسلک میں در آنے والی بعض چیزوں پر بھی اس طرح قلم چلایا ہے جیسے جراح کسی پھوڑے کا آپریشن کرتا ہے اور اس کا علاج کرتا ہے سطحی نقطۂ نظر سے ان کی بعض تحریریں سخت ہیں اور مترجم ان میں اپنی رائے محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن اس میں وہ مفید مطالب بھی ہیں جن کا گہری نظر سے مطالعہ پوری ملت اسلامیہ کو راہ ثواب سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ حقائق کتنے ہی تلخ ہوں ہمیں ان کا اعتراف کرنا ہی چاہیے۔ بہر حال مجموعی طور سے یہ کتاب مصنف کی جرأت وہمت کی پوری عکاسی کرتی ہے۔

خداوند عالم ہم کو راہ حق کی معرفت اور اس پر مضبوطی سے گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سید امتیاز حیدر

یہ سب اس لئے ہے کہ جن باتوں کا اسلام نے حکم دیا تھا انھوں نے اس پر عمل کیا اور اسے سیکھ لیا لیکن ہم نے خدا کے بہت سے احکام کو چھوڑ دیا اور ان پر توجہ نہ دی۔ اس سے زیادہ مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ عقل مندوں کیلئے اشارہ کافی ہے۔

ہاں آج ہم نیند سے اٹھ بیٹھے ہیں لیکن کیسا جاگنا! ہم نے اتحاد کے نغمہ پر تالیاں بجانا و ناچنا شروع کر دیا ہے اور ہم میں سے ہر ایک اس بات کا معتقد ہے کہ ہم ہی اتحاد کے علمبردار ہیں اور یہ سمجھ لیا کہ چند کانفرنسوں یا چند نعروں کے ذریعہ امت میں اتحاد پیدا کیا جاسکتا ہے۔

میں نے جس روز اس دنیا میں آنکھ کھولی اسی روز لفظ اتحاد میرے کانوں سے ٹکرایا اور مدرسہ کے پہلے دن سب سے پہلے اتحاد کی نظم پڑھی لہذا اس کے معنی میری رگ و پے میں رچ بس گئے تھے۔ اور جیسے جیسے میں جوان ہوتا جاتا تھا اتحاد کا خواب دیکھتا تھا لیکن آج ہماری عمر پچاس سال سے زیادہ ہو گئی اور اتحاد کی کوئی تصویر اور خیال تک نظر نہیں آتا۔

مسلمانوں کی یکجہتی واتحاد سے ناامیدی و مایوسی کے بعد میں نے اسی اتحاد پر اطمینان کر لیا تھا جو دو پڑوسی ملک مصر اور شام کے درمیان پیدا ہوا تھا۔ لیکن جس صبح میں اس اتحاد پر خوشحال ہوا اسی شب اس پر رویا بھی۔ البتہ دونوں قومیں ساتھ ہیں اور سوائے حکومتی قوانین کے کوئی بھی چیز انکو ایک دوسرے سے جدا نہ کرے گی۔ اور اسی روز ہماری سمجھ میں آیا کہ قوموں کی سرنوشت کچھ گنے چنے افراد کے ہاتھوں میں ہوا کرتی ہے۔ اور وہ جس طرح چاہتے ہیں نچاتے ہیں۔ لہذا اگر انھیں اچھا لگتا ہے تو دو قوموں کو اتحاد پر آمادہ کر دیتے ہیں ورنہ انمیں تفرقہ ڈال کر جدا کر دیتے ہیں حتی جنگ و خونریزی پر بھی تیار کر دیتے ہیں لہذا تم دیکھو

گے کہ وہی جو کل تک ایک دوسرے کے گلے ملتے تھے اور ایک دوسرے کی پیشانی چومتے تھے آج ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں اور جنگ میں مصروف ہیں۔

جب دشمنوں کے پاس اس درجہ قدرت و نفوذ ہے کہ وہ ان قوموں کے اتحاد کو اختلاف میں بدل سکتے ہیں جو سیکڑوں سال سے متحد تھیں اور ان کے اندر رنجش و تناو پیدا کر سکتے ہیں جبکہ یہ قومیں باقدرت اور متحد تھیں پھر وہ ان اسلامی قوموں کو ہرگز نہ چھوڑیں گے جو سینکڑوں سال سے اختلاف و پراکندگی کا شکار ہیں اور اب متحد ہونے کی فکر میں ہیں یہ اتحاد ان کے منافع کیلئے ایک بڑا خطرہ ہے۔ گرچہ یہ قومیں فقر، پسماندگی اور ڈھیروں قرض کے نیچے دبی ہوئی ہیں۔

خیر اگر ہم فرض کرلیں کہ اتحاد بھی پیدا ہو گیا تو ہم اس فقیری و جہالت کے ساتھ کیا کر سکتے ہیں اور اگر ہم استعمار کرنے والوں کو ترک کرنے اور چوروں کے ہاتھ کو کاٹنے کی فکر میں ہیں تو ہمیں چاہیے کہ اس طاقت سے بہرہ ور ہوں جو ستمگروں کی جڑ کاٹ دے اور مفسدوں کو نیست و نابود کر سکے لیکن یہ بھی کیسے ممکن ہے ہم تو مسلسل انھیں سے ہتھیار خریدے جا رہے ہیں جس کا استعمال ملت اسلامیہ کے زحمت کش فرزندوں اور مسلمانوں کی نابودی کی خاطر ہوتا ہے۔

اگر ہم ایک روز آگے بڑھیں تو وہ ساٹھ سال آگے بڑھ جاتے ہیں اور اگر ان سے مقابلے کیلئے کوئی ایک قوت پیدا کریں تو وہ اس طرح کی ستر (۷۰) قوتیں ہماری نابودی کیلئے استعمال کرتے ہیں اگر ہم ان کے ساتھ جنگ کرنا چاہیں تو انھیں ہمارے مقابلہ میں کوئی خاص زحمت و مشکل نہ ہوگی اس لئے کہ وہ ہمارے دیگر مسلمان اور عرب بھائیوں کو چڑھائیں گے اور ہمیں آپس میں ہی لڑا کر ایک دوسرے کا خون بہانے میں لگا دیں گے اور خود دور سے تماشا دیکھیں گے اور تالی

بجائیں گے۔

خلیج فارس کی جنگ ہمارے کانوں اور ہماری آنکھوں سے زیادہ دور نہیں۔ کل ہی تو تھا کہ اس جنگ میں کفار کے صرف کچھ فوجی قتل ہوئے لیکن دوسری طرف لاکھوں مسلمان زندہ در گور ہو گے۔ اور جو شخص یہ دعوی کرتا تھا کہ میں اسرائیل کو جلا کر راکھ کر دوں گا اور بعض نادانوں کو اس کا یقین بھی ہو گیا تھا اور جس نے خود اپنے عوام کو کیمیکل ہتھیاروں کے ذریعہ نابود کرنا شروع کر دیا اور اس کے خائن و ظالم فوجیوں سے مسجد اور مقامات مقدسہ بھی محفوظ نہ رہ سکے وہ کفار کے مقابل۔

بزدلوں اور ڈرپوکوں کی طرح پیچھے ہٹ گیا اور میدان خالی چھوڑ دیا۔ اسلامی جمہوریہ ایران اور اس کے دلاور مردوں نے پوری طاقت و توانائی، جد و جہد اور اپنے فرزندوں کے خون کی سنگین قیمت ادا کر کے اور مشرق و مغرب کی دشمنی، بین الاقوامی ناکہ بندی مول لے کر مسلمانوں کے اتحاد کیلئے قیام کیا۔ اور بالاخر اس کے رہبر اور بانی (آپ پر خدا کی رحمت ہو) نے دنیا سے رحلت فرمائی جبکہ آپ کی جانب سے اسلامی اتحاد کی دعوت پر مسلمانوں کے لبیک نہ کہنے پر آپ کو افسوس تھا۔ اسی طرح جیسے آپ کے جد امام المتقین کو رنج و ملال تھا یہ امام خمینیؒ کے جاودانی اقوال کا ایک حصہ ہے آپ نے فرمایا:

﴿اگر مسلمانوں کی ہر فرد ملکر تھوک دے تو اسرائیل ڈوب جائیگا﴾

پھر مسلمان جب تھوکنے تک سے بخل کرے تو اس سے جان و مال کی قربانی کی امید کہاں رکھی جا سکتی ہے لہذا ہم دیکھ رہے ہیں کہ انمیں سے بہت سے اسرائیل کے ساتھ دوستانہ تعلقات بر قرار کر رہے ہیں لہذا یہ حماقت ہو گی اگر کوئی ان سے اسلامی اتحاد کی امید رکھے۔

کیا آپ بھول گئے ہر روز ۵۰ ہزار ، اسرائیلی رحم و کرم کے منتظر رہتے ہیں اور ہر روز صبح سویرے ذلت و رسوائی کے سایہ میں کام پر جاتے ہیں۔ تا کہ اپنے اور اپنے بچوں کے لئے روٹی فراہم کر سکیں۔ اور اگر کسی روز اسرائیل ان پر اپنے دروازے بند کر دے تو وہ بھوک سے مر جائیں گے جیسا کہ اخیر اُ ہوا بھی یہی ہے۔

پھر وہ مسلمان بھائی کہاں ہیں جنھیں اللہ نے دولت سے نوازا ہے اور اپنی رحمت کے ذریعہ انھیں بے نیاز کیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک شاہزادہ کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ ان بیچاروں سے کئی گنا زیادہ لوگوں کو مستغنی کر سکتا ہے جو اسرائیل سے نہیں لڑتے اور اسکو اپنا ولی نعمت اور روزی دینے والا سمجھتے ہیں۔

خدا کا درود و سلام ہو امام علیؑ پر آپ فرماتے ہیں :

نزدیک ہے کہ فقر، کفر پر تمام ہو اگر فقر کوئی شخص ہوتا تو میں اسے قتل کر ڈالتا۔

یہ سچ ہے کہ اتحاد میں طاقت ہے لیکن اتحاد کے ہر عنصر میں طاقت ہونی چاہیے اور اگر تمام عناصر بیمار و کمزور ہوں تو انکا اتحاد سوائے مرض و شدت اور بد بختی کے کچھ اور نہ ہو گا۔ وہ کس طرح اتحاد کیلئے تیار ہو گا جو بیماری و بھوک میں مبتلا ہے ؟

کن کن باتوں کے متعلق آپ سے گفتگو کروں ؟ ان جوانوں کے متعلق جن کے پاس مقابلہ کیلئے پتھر کے علاوہ اور کوئی ہتھیار نہیں ہے اور پتھر بھی ٹوٹ چکے ہیں اس لئے کہ اس وقت بعض لوگ ایسے پتھر کی تلاش میں ہیں جنھیں باندھکر بھوک سے کچھ نجات حاصل کریں۔ اور عالم یہ ہے کہ اگر ایک اسرائیلی فوجی بچوں کے پتھر مارنے کی وجہ سے زخمی ہو جائے تو دسیوں بچوں اور نوجوانوں کو

مشین گن اور بم کے ذریعہ حملہ کر کے ختم کر ڈالتے ہیں۔
پس عرب ممالک کہاں ہیں جو دسیوں سال سے فلسطین کی آزادی کا وعدہ دہرا رہے ہیں؟
اور وہ اسلامی ممالک کہاں ہیں جو اسلامی ممالک کی سربراہی کانفرنس کے زیر سایہ جمع ہوئے ہیں اور بیت المقدس کی آزادی کا نعرہ لگاتے ہیں کیا آپ نے ان ممالک میں سے کسی ایک کو دیکھا جس نے ان جہاد کرنے والے بچوں کی معنوی یا مادی مدد کی ہو جن کے پاس سوائے پتھر کے کوئی ہتھیار نہیں۔ لیکن ہم اس بات کے شاہد ہیں کہ ان ہی ممالک نے خلیج فارس کی جنگ میں پناہ گاہوں سے کس طرح ہتھیار نکالے اور اربوں ڈالر خرچ کیا اور شور مچایا کہ عراق کو نابود کر دیں گے لیکن در حقیقت انھوں نے سازش کی تھی کہ عراق کے شیعی انقلاب کو کچل دیں۔ اس وقت عراقی اور اسرائیلی حکومت اور دوسری کٹر حکومتیں اپنی جگہ پر قائم ہیں لیکن شیعہ زندہ در گور ہو گئے اور جو زندہ بچے وہ بیابانوں میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ لاکھوں بیچارے عراقی، سعودی کیمپوں میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ اور وہابیت کی ذلت ورسوائی اور اہانت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔
مجھے افغانستان کے مسلمانوں کے انجام کے متعلق بھی کہہ لینے دیجئے اور دل بھر اس نکال لینے دیجئے کہ خدا نے ان پر رحم کیا اور انھیں کفار پر کامیابی بخشی لیکن بعد میں یہ خود ایک دوسرے کی جان کے درپے ہو گئے۔ گھروں کو ویران کرنے لگے، عورتوں اور بچوں کو قتل کر ڈالا اور یہ سارے مظالم کفار کے ہتھکنڈوں کے ذریعہ انجام دئے گئے اور اس وقت بھی جاری ہیں۔
رکیئے! ہم آپ کو یوگسلاویہ (بوسنیا) کے مسلمانوں کے متعلق بتاتے ہیں کافر قوتوں نے ان پر حملہ کیا اور مشرقی یورپ سے انکی مکمل صفائی کے درپے ہو

گئیں۔

مجھے ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت پر بھی گریہ کرلینے دیجئے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ انکی ناموس کی کس طرح بے حرمتی کی جاتی ہے اور کس طرح ان پر حملہ کیا جاتا ہے حتی بعض مسلمان عورتیں حیوانوں کی طرح بازاروں میں خریدی اور بیچی جاتی ہیں!

اتھیوپیا، سومالیا، سوڈان اور افریقی مسلمانوں کے متعلق ہم کیا کہیں کہ روزانہ ہزاروں مسلمان بھوک سے مر رہے ہیں جبکہ مغربی کتے اور بلیاں لذیذ کھانوں سے سیراب ہیں!!

مسلمانوں کی آبرو پامال ہو رہی ہے اور پیروں تلے روندی جارہی ہے جبکہ جانوروں کے حقوق کا دفاع کرنے والی گھاس کی طرح اگ رہی ہیں۔

بہت ہو چکا جھوٹ! بہت ہو چکا فریب! بہت ہو چکا نفاق! بہت ہو چکی دورنگی! اگر ایک وطن کے جوانوں میں پراگندگی اس طرح پائی جاتی ہو تو پھر تمام مسلمانوں کے اتحاد کے خواہاں ہم کیسے ہو سکتے ہیں؟ بات زیادہ ہے اور کام کم!

۱۹۴۸ء سے لیکر خلیج فارس کی جنگ تک، ایک مختصر نگاہ ہی کافی ہے ہمیں صاف نظر آجائیگا کہ ہمیشہ کامیابی کفار کی رہی ہے اور مسلمانوں کو ناکامی، شکست، نقصان اور ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ پس اے عقلمندو! خدا کے غضب سے ہوشیار رہو!

کیا یہ کل ہی کی بات نہیں ہے جب ہم کہتے تھے کہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات پیدا نہ کریں گے۔ اور جو کچھ زور اور طاقت کی بنیاد پر لیا گیا اسے زور اور طاقت کی بنیاد پر واپس لیں گے۔ پھر آج کیوں ہم فقیروں کی طرح ان کے پیچھے پھر رہے ہیں اور ان سے گڑگڑا کر التجا کر رہے ہیں کہ ہم سے زبردستی چھینی ہوئی

زمین کا کچھ حصہ ہمیں واپس کردو، اور اس میں واسطہ اس کے نزدیکی دوست امریکا کو بناتے ہیں ؟!

ہمارے دل تھک گئے اور ہماری عقلیں خبط ہو گئیں اور ہمارے قلوب پراگندہ ہو چکے ہیں۔ نہ اب ہم تمہارے اتحاد کا یقین کریں گے اور نہ ہی اس کامیابی کا جو تمہارے ذریعہ حاصل ہو! اور کیا یہ معقول بھی ہے کہ خلیج کے بادشاہ و امراء اور دیگر مسلمان بادشاہ سلاطین فقیروں، کمزوروں، بے کسوں اور ناداروں کے ساتھ اتحاد کریں ؟!

ہاں! انکا اتحاد صرف کلمہ شہادتین کہنے میں ہے وہ بھی صرف زبان سے۔ حتی انکی نماز، روزہ، زکات، حج بھی زبان سے آگے نہیں بڑھتے پھر مشکل کیا ہے ؟بس خطیب نماز جمعہ نے آواز لگادی کہ اے لوگو! ہمارا خدا ایک ہے ہمارا رسول ایک ہے، ہمارا قبلہ ایک ہے، پس مسلمانو تم میں اتحاد ہونا چاہیے! کتنا آسان ہے یہ نعرہ بلند کرنا کہ ﴿نہ شیعہ، نہ سنی، بس اسلامی اتحاد﴾ لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ موجودہ صورت حال کا ٹھیک حساب کرنا چاہیے اور بغیر کسی فریب ودھوکے کے حقیقت سے روبرو ہونا چاہیے۔

ادھر چند برسوں سے ایک نیا نظریہ پیش کیا جانے لگا ہے اور ایک نئی بات کہی جارہی ہے جو گویا ائمہ معصومؑ اور بزرگوں کی نظروں سے پوشیدہ تھی۔ کہتے ہیں کہ : ان احادیث کو بیان نہ کرنا چاہیے جسمیں تاریخ کا تذکرہ ہے اس لئے کہ اس سے بعض مسلمانوں کے جذبات بھڑکتے ہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے اور کہنے لگے ہیں کہ شیعہ و سنی میں سوائے فروع دین کے اور کوئی اختلاف ہی نہیں ہے اور یہ بھی ایسا ہی اختلاف ہے جیسا سنی فقہوں میں آپس میں اختلاف ہے اس طرح انھوں نے امامت جو اصول دین کی ایک اصل ہے اس سے ہاتھ اٹھالیا۔

جو نتیجہ اس جدید صورت حال سے حاصل ہوا یہ تھا کہ ہمارے دماغ آزاد ہونے کے بعد خشک ہو گئے اور انھیں اب بحث کر کے حق تک پہنچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی اور اس کے بعد ہمیں ایک ساتھ رہنا چاہیے دشمن کے سامنے ایک ہو کر کھڑے ہونا چاہیے۔ گویا اس بات سے غافل ہیں کہ ہمارا دشمن خود ہمارے اندر ہے اس نے ہمارے گھروں کو اپنا مسکن بنالیا ہے اور خود ہمارے زیر سایہ پرورش پا رہا ہے۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک سے مارکس اور لینن کے متعلق بحث کریں تو خوش ہوتے ہیں اور ان کے سینے پھیل جاتے ہیں اور آپ کو روشن خیال کہنے لگتے ہیں لیکن اگر ابو الحسن، علیؑ اور ائمہ معصومینؑ کے پاک فرزندوں کے نام لیں تو یکا یک دل تنگ اور افسردہ ہو جاتے ہیں کہ تم نے خلفائے راشدین کی توہین کی ہے اور اس سے بھی عجیب و مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ اگر دلیل و برہان کے ذریعہ انکو زیر کر دیا اور ان کے لئے سوائے تسلیم کے کوئی راہ نہ چھوڑی تو فوراً اسلامی اتحاد کا نعرہ لگائیں گے اور آپ پر الزام لگائیں گے کہ آپ مسلمانوں میں اختلاف و افتراق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

کیا اس پر لعنت بھیجنا چاہیے جو کتاب خدا، سنت رسولؐ، اور ثقلین کی طرف رجوع کرنے کی بنیاد پر عقیدہ میں اتحاد پیدا کرنا چاہتا ہے. اور کیا اس پر مسلمانوں میں اختلاف و افتراق ڈالنے کا الزام لگایا جا سکتا ہے؟

بعض علماء حق کو جانتے ہیں لیکن اسے پوشیدہ کرتے ہیں اور اگر ان سے سوال جواب کریئے تو اس خوف کی بنیاد پر جواب نہ دیں گے کہ کہیں اسلامی اتحاد کے مخالف قرار نہ دیدیئے جائیں۔

لیکن میرا خیال تو یہ ہے کہ حق تک پہنچنے کیلئے صحیح بحث میں کوئی ایسا خطرہ

نہیں ہوتا جو اسلامی اتحاد کو نقصان پہنچائے۔ اس لئے کہ جذبات واحساسات کو بھڑکانے سے بڑھ کر تو اور کچھ نہیں ہو سکتا اور یہ صورت بھی بحث کے آخر میں حق کے واضح ہو جانے کے بعد آتی ہے۔

لیکن وہ خطرہ کہ جس سے بڑا خطرہ کوئی اور نہیں ہو سکتا یہ ہے کہ ہم منہ پر لگام لگا دیں اور لوگوں کو بحث و جستجو سے روک دیں اپنی عقلوں کو معطل کر دیں اور حق تک پہنچنے سے روک دیں صرف اس لئے کہ اتحاد کے خواہاں ہیں! یہ وہی کام ہو گا جو عراق کی بعث پارٹی نے سنی وشیعہ میں تفرقہ ڈالنے کیلئے کیا تھا پس اس سلسلہ میں کوئی گفتگو منع ہے تا کہ اہل سنت حضرات کی حقیقت کو نہ پہنچ سکیں۔

اور یہ بھی وہی کام ہے جسے سب سے پہلے خلفائے راشدین نے انجام دیا اور لوگوں کو نیزہ کی نوک پر رسول اسلامؐ کی احادیث نقل کرنے سے روکا لذا حقیقت بہت سے مسلمانوں پر پوشیدہ ہو گئی۔ انھوں نے عید غدیر کو نہ پہچانا انھیں نہیں معلوم کہ عید غدیر کیا ہے؟ وہ نہیں جانتے کہ اس روز کیا ہوا؟ چنانچہ یہود و نصاریٰ نے ان پر ملامت کی اور کہا اگر آیت ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ ہمارے متعلق نازل ہوئی ہوتی تو اس روز ہم سبھی عید مناتے اور اسمیں ایک آدمی بھی اختلاف نہ کرتا۔ اور صحابہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

اور ایک گروہ پیدا ہوا ہے جو امیر المؤمنینؑ کے کلام سے استدلال کرتا ہے کہ حضرت نے فرمایا:

جب تک مسلمانوں کے امور ٹھیک ہیں میں بھی خاموش رہوں گا، رہنے دو صرف مجھ پر ستم ہوتا ہے (نہج البلاغہ رخ ۷۴)۔

لیکن یہ بھول گئے ہیں کہ خود حضرت نے غدیر کے واقعہ کو زندہ کیا جبکہ

لوگوں نے اسے مکمل طور پر بھلا دیا تھا۔ اور تیس افراد جو اس واقعہ کے شاہد تھے انکو گواہ بنایا اور جن لوگوں نے اسکو چھپایا ان پر نفرین کی۔ اسی طرح ان کے دونوں فرزندوں نے بھی حج کے موقع پر زائران خانۂ خدا کے سامنے اس اہم تاریخی واقعہ کو بیان کیا اور جشن منایا۔ کیا امیر المؤمنینؑ نے نہیں فرمایا:

نفرین نہ کرو اور ناسزا بھی نہ کہو لیکن یہ یاد دلاؤ کہ انھوں نے کیا کیا کیا، تاکہ حجت مکمل ہو جائے اور استدلال پوری طرح واضح و روشن ہو جائے (بحار ج ۳۲، ص ۳۹۹)۔

لذا ہمیں امیر المؤمنینؑ کی اقتدا کرنی چاہیے اور انکی پیروی کرنی چاہیے نہ کہ صرف تسلیم ہو جانے کا تذکرہ کریں جیسا کہ بنی اسرائیل کہتے تھے کہ:

ہم آسمانی کتاب کی بعض آیتوں کو تو قبول کریں گے لیکن بعض کو قبول نہ کریں گے (نساء/۱۵۰)۔

لذا جو نہج البلاغہ کو دلیل بنا کر ہم پر اعتراض کرنا چاہتے ہیں انھیں پوری کتاب اور جو کچھ اسمیں ہے سب کچھ قبول کرنا چاہیے۔ نہ کہ صرف کچھ جملے جو انکی نفسانی خواہشات کے ساتھ سازگار ہوں اسے دلیل بنا کر اعتراض کریں۔ مثلاً نہج البلاغہ میں جس جگہ بھی کسی مجہول شخص کی تعریف ہوئی ہے فوراً کہنے لگتے ہیں کہ حضرت کا یہ کلام حضرت فاروق کے متعلق ہے اور آپ نے انکی تعریف و مدح کی ہے!

لیکن انھیں سے جب کہیے کہ ﴿خطبۂ شقشقیہ﴾ جسمیں امامؑ نے خلفا پر شدید اعتراض کیا ہے اس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟ تو کہیں گے یہ شریف رضی کا جھوٹ ہے جس کا حضرت علیؑ سے کوئی ربط نہیں! البتہ یہ حضرت علیؑ کو دوست رکھتے ہیں اور اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ آنجناب نے خلفاء کی

مقدمہ

حمد و ثناء خدا کیلئے سزاوار ہے اور وہی سارے عالم کا پروردگار ہے۔ اور اعلیٰ ترین دورد و سلام پروردگار عالم کی جانب سے منتخب حضرت ابو القاسم محمدؐ بن عبداللہ پر ہو جو عالمین کیلئے رحمت، ہمارے سید و سردار آخری پیغمبر اور اللہ کے رسولؐ ہین اور آنحضرتؐ کی عترت طاہرہؑ جو ہدایت کی نشانی، گمراہی سے نجات کی مشعل، امت کا سہارا اور ملت کے نجات دہندہ ہیں۔

خداوند عالم نے محمدؐ و آل محمدؑ کی برکت سے ہم پر احسان کیا اور حق کی شناخت کیلئے ہدایت فرمائی۔ ایسا حق کہ جس کے بعد کوئی گمراہی نہیں ہے اور مجھے ان میووں کا مزہ چکھایا جو میری چھ کتابوں کا ثمرہ تھے۔

حق کو بیان کرنے کی وجہ سے میری کتابوں پر پردہ ڈال دیا گیا تھا لیکن خدا کے فضل و کرم سے شائع ہوئیں اور انکی وجہ سے بہت سے سچے اور حق کے جویا پاکیزہ طینت مؤمنین عترت طاہرہؑ کے گرویدہ ہو گئے اور کا جزبن گئے جنکی تعداد سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔

﴿ و مایعلم جنود ربك الا هو﴾ (مدثر/۳۱)

اطاعت میں کوتاہی نہیں کی! یہ ان کے لئے دعا بھی کرتے ہیں۔ لیکن انھیں یہ یاد نہیں کہ علیؑ نفس رسولؐ ہیں اور قلب علیؑ قلب محمدؐ ہے پروردگار عالم نے ان سے رجس و کثافت کو دور کیا ہے اور انھیں طاہر و مطہر قرار دیا ہے انھوں نے یہ بھلا دیا ہے کہ علیؑ اصل کے عین مطابق ایک نسخہ ہیں وہی اصل جسے پروردگار عالم نے خلق عظیم سے تعبیر کیا ہے اور اس کی توصیف کی ہے اور اسی طرح اہل بیتؑ کے قلوب حسد و جلن سے خالی ہیں اور ان کے یہاں بغض و کینہ کا گذر نہیں ہے (۴۴)

لذا یہ رسولؐ تھے اور وہ رسولؐ کے وصی بلفظ دیگر محمدؐ نذیر و بشیر تھے تو علیؑ ہادی اور راستہ دکھانے والے محمدؐ نے تنزیل پر جنگ کی تو علیؑ نے تاویل و تفسیر پر جنگ کی۔

یہی سبب تھا کہ اللہ نے علیؑ کو چنا اور اپنی امامت کیلئے علیؑ کو منتخب کیا ایسی امامت جس پر اپنے دین کو مکمل کیا اور نعمت کو تمام کر دیا اور اس عظیم ہستی کے اکرام و احترام کیلئے تاج پوشی امامت کے دن کو عید اکبر قرار دیا۔

ہاں! علیؑ نے صبر و خیر خواہی کے ساتھ ایک روز بھی اپنے حق پر سکوت اختیار نہ کیا خود آپ لوگ اپنی صحیح میں تحریر فرماتے ہیں۔ علیؑ چھ ماہ تک بیعت کیلئے تیار نہ ہوئے اور اس مدت میں واضح اور روشن دلیلوں کے ساتھ (غاصبین حقوق) پر احتجاج کرتے رہے اور اپنے حق کا دفاع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر سے کہا:

> ایسا دودھ دوہو کہ اس کا آدھا تمہارا ہو۔ آج اس (ابو بکر) کیلئے زیادہ محنت کرو تا کہ وہ خلافت کل تمہارے حوالہ کر دیں (الامامۃ والسیاسۃ ج۱، ص۱۸۔ انساب الاشراف ج۱، ص ۵۸۷)

خود آپ لوگوں نے روایت کی ہے کہ وہ اپنی زوجہ حضرت فاطمہ زہراءؑ

کے ساتھ باہر جاتے اور انصار سے ملاقات کرتے لیکن وہ معذرت کے ساتھ کہتے :

اے رسول خداؐ کی نور چشم اگر آپ کے شوہر اور (آنحضرتؐ) کے چچازاد بھائی ہمارے پاس پہلے آتے (اور ہم سے مدد چاہتے) تو ہم سوائے ان کے کسی اور کو خلافت کیلئے منتخب نہ کرتے۔

اور ان کے جواب میں حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں :

کیا یہ صحیح ہوتا کہ میں رسول خداؐ کے جسم کو بدون غسل و کفن چھوڑ دیتا اور (سقیفہ چلا جاتا) اور خلافت کے مسئلہ میں لوگوں سے جھگڑا کرتا؟

اور جناب فاطمہؑ فرماتی ہیں :

ابوالحسنؑ نے جو کچھ کیا وہ ان کا فریضہ تھا لیکن جو کچھ ان لوگوں نے کیا اس کا حساب انھیں خدا کے یہاں دینا ہوگا (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱، ص ۱۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶، ص ۱۳)۔

وہ علیؑ ہی تو تھے جنھوں نے دلسوز آہ و نالہ کے ساتھ اپنی زوجہؑ کو رات کے وقت سپرد خاک کیا اور رسول خداؐ کو مخاطب کر کے فرمایا :

اے خدا کے رسولؐ آپ پر سلام ہو اور آپ کی بیٹی پر بھی جو آپ کے بغل میں محو آرام ہیں۔ وہ آپ کو بتائیں گی کہ آپ کی امت نے کس طرح ہمارے خلاف شورش کی اور ان کے حق کو غصب کیا۔ اے رسول خداؐ آپ ان (فاطمہؑ) سے کچھ نہ پوچھئے فقط انکی حالت دیکھئے (آپ خود سمجھ جائیں گے کہ ان پر کیا گذری ہے) (نہج البلاغہ رخ ۲۰۵)۔

وہ علی ہی تو تھے جنھوں نے خلافت کے لئے دو خلیفہ (ابوبکر و عمر) کی سنت کو قبول کرنے کی شرط سے انکار کر دیا اور قبول نہ کیا۔ یہ سب کیا ان لوگوں

اور انکی حرکتوں سے حضرتؑ کی رضامندی کی دلیل ہے ؟!

وہ علیؑ ہی تو تھے جنھوں نے خلافت سے انکار کر دیا اور جب انکو مجبور کیا گیا تو بھی قبول نہ کیا یہاں تک کہ ۳۰ آدمیوں نے غدیر کے واقعہ کی گواہی دی اور اعتراف کیا کہ علیؑ رسول خداؐ کی جانب سے تمام مسلمانوں کیلئے خلیفہ معین ہوئے تھے اور آنحضرتؐ نے فرمایا تھا :

جس کے مولا علیؑ نہیں ہیں وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اس طرح علیؑ نے غدیر کے واقعہ کی یاد اس وقت تازہ کی جب اسے پوری طرح فراموشی کے سپرد کر دیا گیا تھا لیکن افسوس کہ اس کے باوجود بہت سے مسلمان اس واقعہ سے بے خبر ہیں۔ اور اس واقعہ پر یقین نہیں کرتے۔ علیؑ کا یہ کردار صرف اس بنیاد پر تھا کہ امام علیؑ کی شجاعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ حق کے اوپر خاموشی اختیار کی جائے۔

میں ان لوگوں سے عرض کرتا ہوں کہ امام علیؑ کی شجاعت رسول خداؐ کی شجاعت سے بڑھکر نہیں ہے، علیؑ خود فرماتے ہیں :

جب بھی آتش جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور لڑائی شدت اختیار کر لیتی میں رسول خداؐ کی پناہ میں آجاتا تھا (نہج البلاغہ)۔

لیکن اس کے باوجود آنحضرت نے اپنے حق کے متعلق سکوت اختیار کیا اور مشرکین کے سامنے اسلام کی مصلحت کے لئے نرمی اختیار کی اور انکی شرطوں کو قبول کیا حتی بعض اصحاب نے آنحضرتؐ پر ذلت قبول کرنے کا الزام لگایا۔ اور اس شخص نے تو یہاں تک کہا :

کیا واقعا تم رسول خداؐ ہو ؟! (مسند احمد ج ۴ رص ۳۳۰۔ صحیح بخاری ج ۳ رص ۲۰۶)۔

امام حسنؑ نے مسلمانوں کے خون کی حفاظت کیلئے جس وقت معاویہ سے صلح کی تو اس وقت آپ پر بھی یہی تہمت لگائی گئی اور ﴿یا مذل المؤمنین﴾ (اے مؤمنین کو ذلیل کرنے والے) کہا گیا۔

لذا عید غدیر حق و باطل کے درمیان ایک مرکز ہے۔ عید غدیر نے دین کے کمال کو نمایاں کیا عید غدیر نے شورش کرنے والوں کے خلاف خدا کے غضب کو ظاہر کیا، عید غدیر نے خدا کی اس امامت کو ظاہر کیا جسے اس نے اپنے برگزیدہ بندوں میں قرار دیا تھا۔

عید غدیر نے اس غصب کی ہوئی خلافت کو واضح کیا جسے رہا ہونے والوں (طلقاء) اور مفسدوں نے لباس کی طرح پہن لیا تھا۔

میں جب بھی شہید سعید آیت اللہ باقر الصدرؒ کی بات کو یاد کرتا ہوں تو ایک لحظہ بھی تردید نہیں کرتا کہ اہل بیتؑ کے حق سے دنیا کو روشناس کرانا چاہیے۔

وہ اپنے قریبوں سے ملاقات کے وقت فرماتے تھے :

جس وقت تیجانی کا خط مجھے ملا انھوں نے مجھے خوشخبری دی کہ ہمارے بھائیوں نے اس خطہ میں پہلی مرتبہ عید غدیر کا جشن منایا ہے تو میں نے گریہ کیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ انھوں نے اس خطہ میں شیعیت کا بیج بو دیا۔

حاضرین نے اس وقت یہ سمجھا کہ آیت اللہ شہید کا گریہ خوشحالی کی وجہ سے ہے اس لئے کہ مؤمنین کے ایک گروہ نے ہدایت پائی۔ لیکن برسوں بعد میری سمجھ میں آیا کہ آنجناب کا گریہ اس ظلم و ستم کی وجہ سے تھا جو امیر المؤمنینؑ اور عترت پاک علیھم السلام پر روا رکھا گیا۔ اس لئے کہ ان پر ظلم اسلام اور تمام مسلمین پر ظلم ہے۔ گویا آیت اللہ شہید اس پر رو رہے ہیں کہ اکثر مسلمان عید غدیر سے ناواقف ہیں اور ان کے کانوں تک یہ بات نہیں پہنچی ہے اور وہ خداوند

عالم کے نزدیک اسکی قدر و قیمت کے متعلق لاعلم ہیں۔

عید غدیر کے متعلق اس مختصر بحث کے بعد ضروری ہے کہ اس پر میں اپنی رائے بیان کروں، البتہ یہ خود میری رائے نہیں ہے بلکہ خود کتاب و سنت کا اتباع ہے، ورنہ ہماری اور لوگوں کی رائے کتاب و سنت کی رائے کے بعد گمراہی کے سوااور کیا ہو سکتی ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ اتحاد اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک ایک محکم اور معقول اساس نہ ہو! اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب لوگ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلیں۔ اس لئے کہ رسول خداؐ فرماتے ہیں: اگر (مسلمانوں نے) دین میں اختلاف کیا تو ابلیس کے گروہ کا حصہ بن جائیں گے۔ اور رسول خداؐ نے ہی اتحاد کی بنیادوں کو واضح کیا اور فرمایا:

میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں اگر ان دونوں سے تمسک کروگے تو میرے بعد ہر گز گمراہ نہ ہوگے۔ (وہ دو چیزیں) کتاب خدا اور میری عترت، میرے اہل بیتؑ ہیں اور اس لطف کرنے والے اور خبر رکھنے والے خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ہر گز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔

پس جو بھی ان دونوں سے تمسک کریگا وہ ایسے اتحاد کا خواہاں ہے جسکو خدا و رسولؐ چاہتے ہیں اور اگر کوئی اس سے دوری اختیار کرے تو وہ دانستہ یا ندانستہ طور پر لوگوں کو تفرقہ کی دعوت دینے والا ہے۔ حتی اگر کوئی دعویٰ کرے کہ وہ اتحاد و توحید کا رہبر ہے، تو سمجھ لو کہ ایسے شخص کا دعویٰ غلط اور باطل ہے۔ ہاں! صرف اس صورت میں صحت کا امکان ہے جب وہ ﴿ثقلین﴾ کی طرف واپس آجائے۔

شاید وہ بات جو اہل سنت حضرات میں سے کسی عالم نے مجھ سے کہی اتحاد

کی دعوت کرنے والوں کی صدق نیت پر دلالت کرتی ہے، وہی کہ جنکی آل محمدؐ علیھم السلام سے محبت ودوستی میں کسی بھی مسلمان کو شک نہیں ہے۔

اس عالم نے مجھ سے کہا:

ہم ہرگز تم سے اتحاد نہ کریں گے۔ہاں!مگراس وقت کہ جب تمہاری آیت اور معجزہ ظاہر ہو جائے۔ ہم نے کہا: کیسی آیت؟جواب دیا: مہدیؑ، وہی جن کے متعلق تم دعویٰ کرتے ہو کہ زندہ ہیں اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اگر وہ آجائیں تو ہم تم سے اتحاد کریں گے اور تمہارے عقیدہ کا یقین کریں گے۔

یہ ایک دردناک نتیجہ ہے لیکن بہر حال ایک ایسا حق ہے کہ جس سے راہ فرار نہیں۔ کیونکہ حقیقت بھی یہی ہے یہ امت ہرگز متحد نہ ہو گی مگر اس وقت جب حضرت مہدیؑ ظہور فرمائیں۔ اور اگر ہم یہ خیال کریں کہ ظہور امامؑ کے وقت اکثر اہل سنت، اہل بیتؑ کی طرف آجائیں گے تو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ امت کے درمیان ہمیشہ کچھ ایسے افراد ہوں گے جو تادم مرگ دشمنی و انکار کرتے رہیں گے۔ یہ حضرت مہدیؑ کے اجداد اور شیعوں کے دشمنوں کے ساتھ رہیں گے۔ اور جو ظلم ان مقدس ہستیوں پر ہوئے ہیں یہ اس پر خاموش رہیں گے۔ یاان کے قاتلوں کے ساتھ ہم آواز ہو جائیں گے۔ اور جو کچھ انھیں ورثہ میں ملا ہے، اسکی پیروی کرتے رہیں گے۔ ابن عمر کے مانند جو یزید کے خلاف حسین بن علیؑ کے انقلاب اور ان کی تحریک پر معترض رہتے تھے (البدایہ والنھایہ ج۸ / ص ۱۶۳)۔

جس وقت اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تو یہ ان سے جدا ہو گئے اور اپنے بچوں اور گھر والوں کو حکم دیا کہ یزید کی بیعت پر باقی رہیں اور اہل مدینہ کی پیروی کریں (البدایہ والنھایہ ج۸ / ص ۲۱۸)۔

گویا انکے دین کی بقا و سلامتی یزید، حجاج، صدام جیسے ظالم حاکموں کی نسبت جہاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نہیں ہے بلکہ ان کے لئے اہم یہ ہے کہ اطاعت حاکم میں ذرہ برابر فرق نہیں آنا چاہیے اور جماعت مسلمین سے کٹنا نہیں چاہیے۔ بھلے ہی ایسے ظالم حکومت کرتے ہیں۔

اور آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ سعودی دربار کا مفتی (بن باز) یہ اعلان کرتا ہے کہ شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ مفسد اور مشرک ہیں اور انکے یہاں شادی بھی نہیں کی جا سکتی لیکن یہی مفتی (بن باز) غیر ملکی اور غیر مسلم فوجوں کا سعودی عرب میں استقبال کرتا ہے اور انھیں خیر مقدم کہتا ہے۔

اور امریکی فوجی عورتوں کے دریا میں نہانے اور (سن باتھ) کرنے کی برہنہ تصویروں پر کوئی عکس العمل پیش نہیں کرتا۔ بلکہ اسلامی ملک میں انکی پوری آزادی کا خیال رکھا جاتا ہے یہی مفتی اسرائیل کے ساتھ صلح کو کار خیر کہتا ہے۔ والیان آل سعود کی اطاعت کا نتیجہ یہی تو ہے!!

پھر ہم کس طرح امام مہدی کا آمد کے منتظر نہ رہیں۔ اور کیونکر آپ کے ظہور میں تعجیل کی خدا سے دعا نہ کریں کہ آپ آکر عدل کو عام کریں اور زمین سے ظلم و ستم کو مٹا ڈالیں۔

اس بحث کے آخر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ جمہوری اسلامی ایران کی بنیاد رکھنے والے امام خمینیؒ کے خط کا ایک حصہ یاد دلاؤں اور اس کے ذریعہ ان لوگوں کے راستے بند کر دوں جو اتحاد کی خاطر سنی و شیعہ کی بحث کی حرمت کے قائل اور مدعی ہیں۔

اس بزرگ ہستی نے اپنی وصیت کا آغاز حدیث ثقلین سے کیا اور حدیث

کی شرح و تفسیر کے بعد اس طرح فرمایا:

یہ مسلّم ہے کہ رسول اکرم کی ان دو امانتوں پر سرکشوں کی جانب سے جو ظلم ہوا ہے وہ صرف امت مسلمہ پر نہیں بلکہ بشریت پر ہے جسے قلم بیان کرنے سے عاجز ہے اور اس نکتہ کا ذکر ضروری ہے کہ حدیث ثقلین تمام مسلمانوں کے درمیان تواتر کے ساتھ موجود ہے اور اسے اہل سنت کی صحاح ستہ سے لیکر دوسری کتابوں نے الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ مختلف جگہوں پر پیغمبر اسلامؐ سے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ حدیث شریف تمام بشریت اور خصوصاً مسلمانوں کے تمام فرقوں پر قطعی حجت ہے۔ اور تمام مسلمان، جن پر حجت تمام ہو گئی ہے جولد ہی کیلئے تیار ہو جائیں۔ جاہل عوام کیلئے عذر ہو سکتا ہے لیکن علماء مذاہب کیلئے کوئی عذر نہیں ہے۔

اس کے بعد امام خمینیؒ ان سازشوں کے مختلف حصوں کو بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ قرآن و عترت کو نشانہ بنایا گیا اور سرکشوں نے قرآن کو قرآن کی دشمن حکومتیں قائم کرنے کا وسیلہ بنایا گرچہ رسول خدا کی ﴿انی تارک فیکم الثقلین﴾ کی آواز گونجتی رہی اور کانوں تک برابر پہنچتی رہی۔ لیکن مختلف بہانوں اور پہلے ہی سے تیار سازشوں سے انھوں نے کوشش کی کہ قرآن کے حقیقی مفسرین، اسکے حقائق سے آگاہ افراد اور رسول اکرمؐ سے مکمل قرآن حاصل کرنے والوں کو راہ سے ہٹا دیں۔

اور پھر امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

ہمیں اس بات پر فخر ہے اور سر تاپا قرآن و اسلام کی پابند عزیز ملت بھی افتخار کرتی ہے کہ وہ ایسے مذہب کی پیرو ہے جو ان حقائق قرآنی کو جو صرف مسلمانوں کے اتحاد ہی نہیں بلکہ پوری بشریت کا دم بھرتا ہے..... نجات دینا چاہتا ہے۔

ہمیں افتخار ہے کہ ہم ایسے دین کے پیرو ہیں جس کی بنیاد حکم خدا سے رسولؐ نے ڈالی اور امیر المؤمنین علی بن ابیطالبؑ، جیسا بندہ جو تمام قیدوں سے آزاد تھے بشر کو ہر طرح کی غلامی اور اسیری (غلامی) سے نجات دلانے کیلیئے مامور کئے گئے۔

ہمیں فخر ہے کہ قرآن مجید کے بعد نہج البلاغہ معنوی اور مادی زندگی کیلیئے سب سے بڑا دستور العمل اور بشر کی رہائی کیلیئے عالی ترین کتاب ہے اور اس کے معنوی و حکومتی احکام ہماری نجات کا سب سے بڑا راستہ ہیں ہمارے معصوم اماموں کا سرمایہ ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ معصوم ائمہ، علی بن ابیطالبؑ سے لیکر بشریت کے نجات دہندہ حضرت مہدی صاحب الزمان (آپ پر ہزاروں درود و سلام) جو خداوند قادر کی قدرت سے زندہ اور امور کے نگراں ہیں ہمارے امام ہیں۔

اور پھر اپنی وصیت کے آخر میں فرماتے ہیں:

میں پورے عجز و انکسار کے ساتھ پوری ملت اسلامیہ سے چاہتا ہوں کہ وہ ائمہ اطہارؑ کی پیروی کریں۔ اور حق و مذہب کے دشمن خناسوں کی بات پر کان نہ دھریں اور یہ جان لیں کہ گمراہی کا ایک قدم، مذہب، احکام اسلامی اور حکومت عدل الٰہی کے سقوط کا مقدمہ ہے۔ من جملہ نماز جمعہ اور جماعت سے غفلت نہ کریں۔ اور ائمہ اطہارؑ کے مراسم عزاداری خصوصاً مظلوموں کے سردار سید الشہداء، حضرت ابی عبداللہ الحسین (آپ کی شجاعانہ روح پر خدا، انبیاء، ملائکہ اور صلحاء کی بے شمار صلوات) کی عزاداری میں کوتاہی نہ کریں۔ اور یہ جان لیں کہ اسلام کی تاریخ کی اس بے مثال روداد کی تکریم و تجلیل اور اہل بیتؑ کے اوپر ستم کرنے والوں پر لعنت و نفرین سے متعلق ائمہ اطہارؑ کا جو حکم ہے یہ ابد تک

کی تاریخ میں ظالم و ستمگر حکام کے سروں پر تمام ملتوں کے سوریاؤں کی آواز ہے
۔اور یہ جان لو کہ بنی امیہ (لعنۃ اللہ علیھم) کے ظلم پر لعنت و نفرین کی
آواز (گرچہ انکی نسل ختم ہوئی اور وہ جہنم واصل ہو گئے) دنیا کے تمام ستمگروں
کے خلاف ظلم شکن آواز ہے۔

اور ضروری ہے کہ اپنے نوحہ، اشعار، مرثیہ، مدح، جو ائمہ اطہارؑ کی شان میں
پڑھتے ہیں اسمیں ہر عصر و ہر زمانہ کے ستمگروں کے ستم و ظلم کو رسوا کن انداز
میں نظم کیا جائے۔ یہ زمانہ جو کہ جہان اسلام کی مظلومیت کا زمانہ ہے امریکا اور
روس اور ان کے حاشیہ نشینوں، من جملہ آل سعود، حرم الٰہی کے خائن (ان پر
خدا، رسولؐ اور ملائکہ کی لعنت ہو) ان کا رسوا کن انداز میں تذکرہ ہو اور ان پر
لعنت و نفرین ہو۔ اور ہم سبھی کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو چیز مسلمانوں کے
اتحاد کا باعث ہے یہی سیاسی مراسم عزا ہیں اور یہی مسلمانوں خصوصاً شیعوں کی
ملیت و اتحاد کے محافظ ہیں۔

اور ایک نکتہ جسکی یاد آوری ضروری ہے یہ ہے کہ میری یہ سیاسی والٰہی وصیت
ملت ایران سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ وصیت دنیا کی تمام اسلامی ملتوں اور
ہر مذہب و قوم کے مظلوموں کیلئے ہے۔

اے میرے بھائیو! یہ امت کے رہبر کی وصیت ہے جو ظالموں کے ظلم و
ستم کو یاد کرنے کے ساتھ ان پر لعنت و نفرین کو واجب قرار دیتا ہے۔ پس اگر کوئی
ادعا کرتا ہے کہ امامؒ نے اسے حرام جانا ہے تو اس کا دعویٰ باطل ہے جسکی کسی بھی
عقلی و نقلی دلیل سے توجیہ نہیں کی جاسکتی۔

آخر میں تمام مسلمانوں کیلئے اعلان کرتا ہوں کہ اگر وہ واقعی اتحاد کے
قائل ہیں تو کشتی نجات پر سوار ہو جائیں۔

خدا کی فوج کو سوائے اسکے کوئی نہیں جانتا۔

جو خطوط دنیا کے کونے کونے سے یہاں پیرس اور ٹیونس میں ہمیں مل رہے ہیں وہ ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور ہمیں اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ فرج الٰہی نزدیک ہے اور اس کا وعدہ سچا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں میں اسکی اس آیت کو ورد کرنے لگتا ہوں کہ۔

﴿ام حسبتم ان تدخلوا الجنة و لمایأ تکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستهم الباساء و الضراء و زلزلوا حتی یقول الرسول و الذین آمنوا معه متیٰ نصرالله الا نصرالله قریب﴾ (بقرہ/۲۱۴)

کیا تم خیال کرتے ہو کہ جن آزمائشوں سے بزرگوں کو گذرنا پڑا ان کے بغیر جنت میں داخل ہو جاؤ گے، وہ رنج و مصیبت میں گرفتار ہوئے سختیاں برداشت کیں اور اس طرح انمیں لرزہ پیدا ہوا کہ انبیاء اور انکی پیروی کرنے والے مؤمنین بارگاہ پروردگار میں گڑگڑاتے ہوئے کہنے لگے کہ خدا کی جانب سے نصرت کب پہنچے گی؟ بیشک (مؤمنین کو بشارت دیدو) کہ خدا کی نصرت قریب ہے۔

ان ڈھیر سارے خطوط کے پڑھنے کے بعد احساس کرتا ہوں کہ بھلائی کبھی بھی بند نہ ہو گی۔ اور حق ہمیشہ کامیاب ہے۔

﴿بل نقذف باالحق علیٰ الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق﴾

(انبیاء/۱۸)

ہم ہمیشہ باطل پر حق کو غالب رکھیں گے تاکہ وہ باطل کو سرنگوں کر کے نابود کردے۔

اور جب خود خداوند عالم نے باطل کو مٹانے کا عہد کر لیا ہے تو میں جس

اسی لئے حضرت نوحؑ نے خدا کے حکم سے ایک چھوٹی کشتی بنائی جو صرف حقیقی مؤمنوں کیلئے گنجائش رکھتی تھی۔

پیغمبر اسلامؐ نے بھی خدا کے حکم سے ایک بڑی کشتی بنائی جو تمام امتوں کیلئے گنجائش رکھتی ہے اور تمام مؤمنین اس پر سوار ہو سکتے ہیں۔

اہل بیتؑ صرف شیعوں سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ خدا نے انھیں تمام انسانوں کی ہدایت کیلئے منتخب فرمایا ہے۔

خدا ہمیں اسلام و مسلمین کی خدمت کی توفیق دے نیز امیر المؤمنینؑ اور ان کے معصوم فرزندوں کی ولایت کا دم بھرنے والوں میں قرار دے۔

﴿و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین و الصلوة و السلام علیٰ اشرف المرسلین سیدنا و مولانا محمدؐ و آله الطیبین الطاهرین﴾

ہدایت کے لئے جدوجہد

خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے:

البتہ اس شخص کیلیے میری مغفرت اور بخشش زیادہ ہے جو توبہ کرے، مجھ پر ایمان لائے اور نیک بن جائے (طہ / ۸۲)۔

یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ توبہ، ایمان اور نیک عمل خدا کی خوشنودی و مغفرت کیلیے کافی نہیں ہے بلکہ ہدایت بھی ساتھ ہونا چاہیے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں خداوند عالم کسی کی مغفرت نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ توبہ کرے، ایمان لائے، نیک بن جائے، اور ہم اہل بیتؑ کی ولایت سے ہدایت پائے (بحار / ج ۲۷ / ص ۱۶۷ / ح ۲۲)۔

اس بنا پر ہدایت تکوینی اور ہدایت تشریعی دو مترادف خط ہیں اور ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔ تکوینی ہدایت اللہ کی جانب سے ایک احسان ہے جو اس نے اپنی تمام مخلوقات پر کیا ہے اور تمام بندوں کے شامل حال ہے وہ خود قرآن میں فرماتاہ:

قسم ہے جان کی اور جس نے اسے درست کیا اور پھر اسے اس کے اچھے، برے

کی تمیز سمجھادی (شمس / ۷)۔

دوسری جگہ فرماتا ہے :

اور ہم نے اسے (یعنی انسان کو) راہ دکھادی اب چاہے وہ شکر گزار ہو یا سرکش بن جائے (انسان / ۳)۔

لیکن تشریعی ہدایت سے مراد وہ تلاش و کوشش ہے جو خود انسان انجام دیتا ہے اور بحث و تجربہ کے بعد عقلی دلائل کی بنیاد پر حق و باطل میں تشخیص دے لیتا ہے اور اس سیدھی راہ کو اختیار کر لیتا ہے جس سے دور تھا۔ خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے :

ان بندوں کو بشارت دو جو باتوں کو سنتے ہیں اور سب میں اچھی بات کو اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکی خدا نے ہدایت کی اور یہی عقل مند ہیں (زمر / ۱۷۔۱۸)۔

مذکورہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو بندہ سوچتا ہے باتوں پر کان دھرتا ہے، تمام آراء اور نظریوں میں سے بہترین کو اختیار کر کے حق کی پیروی کرتا ہے وہ خود اپنے اختیار سے اصل ہدایت تکوینی کی طرف پلٹ آیا ہے اور اس بات کا مستحق بنا ہے کہ خدا اسے عقل مند کہے۔

ہدایت تکوینی اور ہدایت تشریعی کی تفسیر کیلئے سب سے بڑی مثال وہ واقعات ہیں جو امت مسلمہ کے درمیان رونما ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ امت جس کی خدا نے ہدایت فرمائی اسے تاریکی سے روشنی میں لایا اور سیدھے راستے کی ہدایت فرمائی تاکہ اسپر گامزن ہو۔ اور جب اس کے دین کو کامل کر دیا اور ان پر اپنی نعمت تمام کر دی ان کیلئے دین اسلام کو پسند فرمایا، تو انھیں ایک روشن اور وسیع آئین کی ہدایت فرمائی۔

لیکن یہی امت رسول اسلامؐ کے بعد بٹ گئی اس میں مختلف گروہ، فرقے اور مذہب وجود میں آگئے۔ جبکہ یہ بہترین امت تھی۔

سب سے پہلے اختلاف اور جدا جدا ہونے کا سبب صحابہ ہیں۔ ایک مختصر گروہ جو مشعل رسالت کو اٹھائے ہوئے تھا۔ تاکہ اسے آنے والی نسلوں تک منتقل کرے۔ لیکن رسولؐ کے بعد اس گروہ کے افراد نہ صرف متفرق ہو گئے بلکہ آپس میں لڑے، ایک دوسرے کا خون بہایا، ایک نے دوسرے کو کافر قرار دیا اور علیحدہ ہو گئے۔ ان کے بعد تابعین تھے۔ انھوں نے مشکل کو اور بڑھا دیا۔ انھوں نے نئے افکار کو دین خدا میں داخل کر کے اختلاف کے دائرہ کو مزید وسیع کر دیا۔ لذا مختلف گروہ، اقوام اور مذاہب وجود میں آگئے۔ اور مسلمان ایک ایسے انسان میں تبدیل ہو گیا جو تاریکی میں سرگرداں ہو اور اسے معلوم نہ ہو کہ حق کہاں ملے گا۔ اس لئے کہ ہر فرقہ قرآن وسنت اور راہ رسولؐ کی پیروی کا دعویٰ کرتا ہے۔

اگر جذبات اور نری اندھی تقلید سے آزاد ہوں، تعصب کو پس پشت ڈال دیں اور بصیرت کی نگاہ سے حالات پر نظر ڈالیں تو خود سے یہ سوال کریں گے کہ ان تمام فرقوں کے درمیان اہل بیتؑ کا کیا مقام ہے؟ اور خصوصاً اس وقت جب ہمیں اہل بیتؑ کے متعلق رسولؐ کی احادیث بھی دکھائی دیں کہ جسمیں آنحضرتؐ امت کو تمام دینی و دنیوی مسائل میں اہل بیتؑ کی طرف رجوع کرنے کی تاکید فرمائیں۔ تاکہ انکی ہدایت کی ضمانت ہو جائے اور وہ انھیں گناہ سے محفوظ رکھیں۔ ایسی حدیثیں بہت ہیں اور تمام مذاہب کے درمیان صحیح اور تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں جیسے رسول خدا کا یہ قول:

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں، کتاب خدا اور اپنی عترت (اہل بیتؑ) جب تک ان دونوں سے متمسک رہو گے، میرے بعد ہرگز گمراہ نہ

ہو گے۔ تمہیں خدا کا واسطہ ہمارے اہل بیتؑ کو بھولنا مت! (آپؐ نے یہ قول تین مرتبہ دہرایا) (صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۷۳، ذخائر العقبیٰ ۱۶)۔

وہ محقق جو آج امت کے درمیان اہل بیتؑ کی حیثیت کے بارے میں تحقیق کرتا ہے اسے تمام مسلمانوں کے درمیان اہل بیتؑ کے متعلق سوائے احترام کے کچھ اور نہیں ملتا۔ لیکن رسول خداؐ کی اہل بیتؑ کے متعلق وصیت صرف احترام و تعظیم میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ آپؐ نے حکم فرمایا ہے کہ لوگ اپنے امور میں اہل بیتؑ کی پیروی و تقلید کریں اور انھیں کی طرف رجوع کریں۔ آپ نے یہاں تک فرمایا: ان پر سبقت نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور انکو چھوڑ کر، پیچھے نہ رہ جانا اس میں بھی ہلاکت ہے۔ انھیں سکھانے نہ لگنا وہ تم سے زیادہ عقل رکھتے ہیں (المعجم الکبیر ج ۵/ ۱۸۶)

لذا اگر ایسا ہے تو ہم صرف ایک گروہ کو پاتے ہیں جس نے رسول کی وصیت پر عمل کیا اور امیر المؤمنین، علی بن ابی طالبؑ کے زمانہ سے اب تک اہل بیتؑ کی راہ پر قائم ہے اس گروہ کو شیعہ علیؑ کہا گیا اور دھیرے دھیرے لفظ شیعہ ان تمام لوگوں کے لئے استعمال ہونے لگا جو علیؑ اور ائمہ طاہرینؑ کی ولایت اور رہبری کو قبول کرتے ہیں۔

لیکن اگر تاریخ کے اوراق کو پلٹیں تو پتہ چلے گا کہ اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں پر ظلم و ستم ہی ہوتا رہا ہے انھیں زندگی کے میدان سے دور کر دیا گیا اور وہ اسلام کے اوائل کی تین صدیوں میں مسلمانوں پر حکومت کرنے والے حکام اور امراء کے ظلم و ستم کا شکار رہے۔ یہ ظالم حکمران امت کو اہل بیتؑ کی واقعی قیادت سے محروم رکھنے میں کامیاب رہے۔ اسی طرح ان کی سیدھی راہ و روش سے بھی دور رکھا اور وہ محبت و احترام جو اہل بیتؑ کی نسبت امت میں پایا جاتا تھا اسے ختم

کردیا۔ گرچہ ان حکمرانوں نے منبروں سے لعنت و نفرین میں فروگذاشت نہ کی اور کسی دشنام کو باقی نہ چھوڑا، لیکن اس غیر معمولی فشار کے باوجود یہ حکمراں مؤمنین کے دلوں سے اہل بیتؑ رسولؐ کی مودت والفت کو نکال نہ سے۔

اس طرح آج اکثر مسلمانوں کے درمیان جو تناقض و تضاد موجود ہے اس کا معنی و مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مسلمان اہل بیتؑ کو دوست رکھتے ہیں، علم، فضیلت اور انسانی واخلاقی تکامل کے لحاظ سے انکی برتری کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود پیروی دوسروں کی کرتے ہیں۔ اور اپنے شرعی احکام میں دوسروں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کی طرف کہ جنھوں نے نہ پیغمبر اکرمؐ کو پہچانا، نہ ہی آنحضرتؐ کے زمانہ میں موجود تھے۔ بلکہ وہ تواس عظیم فتنہ (کربلا) کے بعد پیدا ہوئے جس نے دین کی نشانیوں کو بدل ڈالا اور صالحین کا خاتمہ کر دیا۔ اہل بیتؑ اور ان کی پیروی کرنے والے شیعہ گویا اسلامی سماج سے دور کر دئے گئے۔

یہی سبب تھا کہ ائمہ اہل بیتؑ سے اکثر مسلمان ناآشنارہ گئے۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ اہل بیتؑ کون لوگ ہیں؟ تو کہتے ہیں: رسولؐ کی بیویاں!! لیکن ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ نے امت کو اہل بیتؑ کی پیروی کا حکم دیا ہے جس سے مراد بیویاں نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد بارہ امامؑ ہیں جنکے متعلق صریحاً اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

میرے بعد بارہ خلیفہ ہیں جو سب کے سب قریش سے ہیں (صحیح مسلم ج ۳ر ص ۱۴۵۲)۔

محققین اچھی طرح جانتے ہیں کہ اہل بیتؑ نے ہمیشہ پوری کوشش کی کہ لوگ ان سے آشنا ہو جائیں اور ان کے پاس آئیں۔ لیکن افسوس کہ:

عوام دنیا کے غلام ہیں اور ان کا دین سوائے زبانی لقلقہ کے کچھ نہیں۔ تا کہ اس طرح انکی زندگی چلتی رہے اور اگر کسی دن انھیں آزمایا گیا تو دیندار بہت کم ہوں گے (از اقوال امام حسینؑ)۔

یہی وجہ تھی کہ امام صادقؑ یہ آیت پڑھا کرتے تھے :

میں اس کے لئے مغفرت کرنے والا ہوں جو توبہ کرے۔ ایمان لائے۔ عمل صالح انجام دے۔ اور پھر ہدایت پائے (طہٰ ر ۸۲)۔

پھر فرماتے ہیں :

ہم اہل بیتؑ کی ولایت سے ہدایت پائے۔

آیت کریمہ سے بھی کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ جن مسلمانوں کے دلوں میں عقیدہ مستحکم ہو گیا، وہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ اچھے اعمال انجام دئے۔ اور برے عمل سے دور رہے لیکن صرف اتنا کافی نہیں ہے اور صرف ان ہی چیزوں کے ذریعہ خدا کی مغفرت کے مستحق نہیں بن سکتے۔ مگر یہ کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کے جانشین ائمہؑ ہدیٰ کی پیروی بھی کی ہو۔ صرف یہ ائمہؑ ہیں جو امت کو قرآنی مقاصد اور سنت رسولؐ کی تعلیم دے سکتے ہیں اور اسی صورت میں امت کے ایمان و اعمال، واجبات الٰہی سے بغیر کسی تاویل و نقص کے مطابقت کر سکتے ہیں۔

مگر جب کتاب الٰہی کی تاویل کر لی گئی اور حدیث نبوی میں تحریف ہونے لگی تو ہر فرقہ نے اپنی تاویل کے مطابق کتاب خدا سے استدلال کرنا شروع کر دیا اور جو احادیث خود اس کے نزدیک صحیح تھیں انھیں بطور دلیل پیش کیا۔ اس طرح اختلافات پیدا ہوئے۔ سر گردانی وجود میں آئی اور شک و تردید میں اضافہ

ہوا۔

لذا اگر کوئی مسلمان اس ہنگامہ میں حق کو پہچاننا چاہے اور گمراہی سے دور ہو کر آخرت کی نجات کا خواہاں ہو اور بہشت و نعمت الٰہی تک پہنچنا چاہے تو اس کیلئے کشتی نجات پر سوار ہونے اور اہل بیتؑ کی طرف پلٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہی امت کے امام ہیں۔ خداوند عالم کسی بھی بندے کے اعمال کو قبول نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ عمل ان کے ذریعہ ہو۔ اور کوئی بھی رجحان اہل بیتؑ کے بغیر قبول نہیں ہے۔

اسکو خود رسول خداؐ نے فرمایا ہے، امت کو حکم دیا ہے۔ اور اس کا ابلاغ خدا کے حکم پر کیا ہے۔ اور اگر پیغمبرؐ کے بعد اصحاب کے اختلاف پر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ انھوں نے مسئلہ خلافت پر اختلاف کیا اور دیگر تمام اختلافات اسی کے بعد وجود میں آئے بلا شبہ یہ سب خلافت کی خاطر تھے اس لئے کہ جس کے پاس قیادت کی صلاحیت نہ ہو وہ امت کی رہبری ہاتھ میں لے لے اور نچلی سطح والا خلافت رسولؐ غصب کر لے تو یقیناً امت کو گمراہی کی طرف لے جائے گا اس لئے کہ جہالت و خواہش نفس کی بنیاد پر عمل کریگا (نہ کہ علم و فہم کی بنیاد پر)۔

اور آج جبکہ خلافت کا کہیں پتہ نہیں ہے تو کیا مسلمان فکری بالیدگی پا لیں گے۔ رسولؐ کی وصیت پر عمل پیرا ہو جائیں گے؟ قرآن و عترت رسولؐ سے متمسک ہو جائیں گے؟ تا کہ ان کے درمیان دوبارہ صلح و صفا، بھائی چارگی اور محبت پلٹ آئے اور امت کے درمیان اتحاد و پائیداری پیدا ہو جائے؟ یہ ہے ایک

مہربان دوست اور دلسوز بھائی کی فریاد!!!

گذشتہ بحث سے ہمیں پتہ چلا کہ ہدایت ایسی عظیم نعمت ہے جو خداوند عالم نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے۔ اور اہل بیتؑ کی ولایت کی طرف رجوع اور انکی پیروی گنہگار بندوں کے لئے ایک بڑی نعمت ہے جو خداوند عالم کی بخشش کی باعث ہے۔ اب ہم کس طرح جہاد کریں کہ اس راہ پر گامزن رہ سکیں؟

اسلام میں دو جہاد ہے، دشمن سے جہاد جسے جہاد اصغر کہتے ہیں اور دوسرا نفس سے جہاد جسے جہاد اکبر کہا جاتا ہے۔ جسکی ہمارے نزدیک زیادہ اہمیت ہے وہ جہاد اکبر ہے یہ جہاد خود انسان اور نفس امارہ سے متعلق ہے اس کے ذریعہ عقیدہ کی گمراہی سے نجات ملتی ہے۔

کبھی انسان اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے اور کبھی دوسروں سے جہاد کرتا ہے۔ نفس سے جہاد یعنی کار خیر میں استمرار، نیک لوگوں کی ہمراہی اہل بیتؑ کے حکم کے مطابق عبادات و معاملات کو بجالانا ہے۔ لیکن غیر کے ساتھ جہاد یعنی امر بہ معروف و نہی از منکر اور لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف حکمت و نصیحت کے ساتھ تبلیغ ودعوت دینا ہے۔

یہ جہاد کبھی گفتار کے ذریعہ ہے اور کبھی قلم کے ذریعہ ہے لیکن خدا کے نزدیک قلم کا جہاد تلوار کے جہاد سے اولیٰ ہے رسول خداؐ فرماتے ہیں:

خدا کے نزدیک ظالموں اور دانشوروں کے قلم کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے (کشف الخارج ۲ ر ص ۲۶۲ ۔الاسرار المرفوعہ ص ۲۰۷ ر ح ۸۱)۔

اس لئے کہ علماء کی تحریر مسائل حق کو بیان اور ان کی وضاحت کرتی ہے۔ یہ بلا شبہ لوگوں کو حجت کامل اور واضح دلیل کے ساتھ سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور خدا کے نزدیک یہ عمل قطعاً شہدا کے خون سے برتر ہے۔ اگرچہ شہدا کا خون بھی نہایت مقدس ہے۔

لذا علماء و دانشوروں کیلئے ضروری ہے کہ حقیقی اسلام کی تبلیغ کیلئے کوشاں ہیں۔ ائمہ اہل بیتؑ سے لوگوں کو آشنا کریں اس راہ میں مال اور وقت قربان کرنے میں گریز نہ کریں۔ ممکن ہے کفر والحاد اور تباہی کے مراکز کی بے حساب مال سے پشت پناہی کی جارہی ہو۔ لیکن مسلمان دولتمند خدا کی راہ میں سوائے مختصر خیرات کے اور کچھ نہ دیتے ہوں۔

ہم خود اس بات کے شاہد ہیں کہ کفار لوگوں کو بھوک سے نجات دینے کے بہانے سومالی پہنچ گئے لیکن ہمارے مسلمان بھائی اس سے غافل ہیں۔

اور اس بات کے بھی شاہد تھے کہ ان مسیحی گروپوں نے افریقا کے مشرق و مغرب، سوڈان، مصر، انڈونیشیا اور دیگر اسلامی ملکوں میں مختصر کھانے کی اشیاء دوائیں خیرات کیں اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر کے دھیرے دھیرے مسیحیت کی طرف لے جاتے رہے لیکن مسلمانوں کا وہ گروہ جس کے پاس کثرت سے مال ہے اور اللہ نے انھیں اپنی یہ نعمت اس لئے بخشی ہے کہ اس کے دوسرے بندوں کو بھی اس سے کچھ نفع پہنچے۔ لیکن آپ انھیں ۲۰ مرتبہ حج سے مشرف ہوتے دیکھتے ہیں اور ہر سال کافی پیسہ خرچ کرڈالتے ہیں

چیز کے حق ہونے کا معتقد ہوں اس کے اظہار میں لیت و لعل نہ کروں گا یہاں تک کہ خداوند عالم میرے اور کج فکروں کے درمیان فیصلہ کر دے۔ یہ حق سے دور بھاگتے ہیں۔ اور جس کے عادی بن گئے ہیں بھلے ہی وہ سو فیصد غلط ہو اس کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کرتے، باطل سے پرہیز نہیں کرتے۔

میں پھر خداوند عالم سے ان کیلئے ہدایت کی آرزو رکھتا ہوں اس لئے کہ صرف وہی ہے کہ جسکو چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔

اور چونکہ بہت سے قارئین اور حق کے جویا افراد کے ساتھ خطوط کے ذریعہ یا ان سے ملاقات کے وقت، یا اپنی تقریر و مختلف موقعوں پر تند و ترش ہو جاتا ہوں۔ لیکن مجھے اس بات کا احساس ہے کہ بعض گرچہ ہماری باتوں کو حق سمجھتے ہیں پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ اس وقت جب کہ اسلام کی نابودی کی خاطر مشرق و مغرب متحد ہو چکے ہیں ہم کو ایسی مشکلات کھڑی نہیں کرنا چاہتے۔ جو مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان پہنچائیں۔

ہم نے انکی اس بات کو ایک حد تک معقول سمجھا اور ان کے نظریہ کو پسند کیا کیوں کہ انکی کوشش یہ ہے کہ اختلافات کم کیے جائیں اور مسلمانوں کی صف کو منظّم کیا جائے لہٰذا ان کے نظریوں کو ماننا چاہئے اور انکی نصیحتوں کو قبول کرنا چاہئے اور ان کا ممنون ہونا چاہئے اس جگہ پر امیر المؤمنینؑ کا ارشاد یاد آتا ہے، آپ فرماتے ہیں :

> اور تم کو چاہئے کہ اپنے امور میں اس عمل کو زیادہ دوست رکھو کہ نہ حق سے غفلت ہو اور نہ اسے کنارے چھوڑا جائے۔ عدالت کی ہمہ گیری رکھتا ہو اور رعیت کو پسند آئے۔ چونکہ زیادہ افراد کی ناراضگی بعض کی خوشنودی کو بے اثر بنا دیتی ہے اور اپنوں کی ناخوشی لوگوں کی خوشنودی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔

لیکن انھیں کے پڑوس میں بھوکوں کی تعداد بڑھتی رہتی ہے۔ جو بھوک کی شدت سے بد حواس ہوتے ہیں اور ان کے پاس بدن ڈھانکنے کیلئے لباس بھی نہیں ہوتا۔ کیا رسول خداؐ نے نہیں فرمایا: تم میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک وہ ہے جو خدا کے بندوں کی زیادہ مدد کرتا ہے (بحار ج ۷۷ ص ۱۵۲ ح ۱۱۰)۔

پھر کیا ہو گیا ہے کہ بعض کئی مرتبہ خانۂ خدا حج کیلئے جاتے ہیں جب کہ ان کے ہی خاندان میں مجبور و بے سہارا لوگ موجود ہیں اور وہ انکی ضرورت کو بر طرف نہیں کرتے، ان پر رحم نہیں کھاتے؟

اس سے بھی بڑھکر وہ اسراف ہے جسے مسلمان سگریٹ پی کر کرتے ہیں مسلمان جو پیسہ سگریٹ نوشی میں خرچ کرتے ہیں اگر ہم اس کا مختصر جائزہ لیں تو اسکی شرح ہمیں مبہوت کر دیگی۔ بطور مثال اگر مسلمانوں کی تعداد ایک ملیارد سے زیادہ ہو اور ہر پانچواں مسلمان سگریٹ پیتا ہو۔ تو (۲۰۰) دو سو ملین سگریٹ پینے والے ہر روز (۲۰۰) دو سو ملین ڈالر سگریٹ نوشی میں خرچ کرتے ہیں اور ایک ماہ میں ۶۰ ارب ڈالر خرچ کر ڈالتے ہیں اور پورے سال میں کم از کم ۷۲۰ ارب ڈالر اس لئے خرچ کر ڈالتے ہیں کہ بمشکل علاج ہونے والی بیماری مفت خرید سکیں!!

اے مسلمانو! بیدار ہو۔ اور اس قدر اپنا مال فالتو خرچ نہ کرو۔ اگر ہم ان پیسوں کو ۱۰ سال جمع کریں تو ہمارے پاس ۷۲۰۰ ارب ڈالر جمع ہو جائے گا جو بلا شبہ دنیا کے مشرق و مغرب کے تمام فقیر مسلمانوں کو دولت مند بنا دیگا۔ کیا اسے آپ بے اہمیت سمجھتے ہیں جبکہ یہ خدا کے نزدیک عظیم ہے بحث کے آخر میں اپنے شیعہ بھائی جو اہل بیتؑ کے پیرو ہیں ان کیلئے کچھ یاد دہانی ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ اپنے اہل سنت بھائیوں کے ساتھ گفتگو و بحث میں مجادلہ کی بہترین

روش اختیار کریں اور فحش، گالی اور ایسی باتوں سے گریز کریں جس سے دل آزردہ ہوں اور وہ دور ہو جائیں اس لئے کہ خود امیر المؤمنینؑ نے فرمایا ہے:

تم گالی دینے والے نہ بنو۔ نفرین نہ کرو لیکن کہو: ان کا رویہ ایسا اور ویسا تھا تاکہ تمہاری دلیل اور واضح ہو جائے (بحار ج ۳۲، ص ۳۹۹)۔

۲۔ اپنی عبادتوں اور اپنے معاملات میں ایسی باتوں سے پرہیز کریں جو رسولؐ اور ائمہ اطہارؑ کے زمانہ میں رائج نہ تھے ممکن ہے ہم ان کے ذریعہ لوگوں کو مذہب کا گرویدہ کرنے کے بجائے انھیں اپنے دین اور اہل بیتؑ سے دور کر دیں۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

تم ہمارے لئے اپنے اعمال سے تبلیغ کرو نہ کہ زبان سے۔ ایسا کام کرو کہ لوگ ہماری طرف آئیں نہ کہ ہم سے دور اور متنفر ہو جائیں (بحار ج ۸۵، ص ۱۳۶)۔

۳۔ اپنی گفتگو و تقریر میں علمی باتوں کو اہمیت دینے کی کوشش کریں اور صحاح ستہ سے استدلال کرتے ہوئے بحث کریں۔ ان ضعیف حدیثوں کو ترک کر دیں جو احساسات کو بھڑکاتی ہیں اور عقل سے ٹکراتی ہیں۔

۴۔ پوری طاقت کے ساتھ استقامت اور تقویٰ کو شعار بنائیں اس لئے کہ خود ائمہؑ نے بھی یہی کیا ہے اور صرف اس قول پر تکیہ نہ کریں کہ علیؑ اپنے دوستوں اور پیروؤں کی شفاعت کر دیں کیوں کہ خود علیؑ فرماتے ہیں:

ایمان آرزو سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ایمان وہ ہے جو دلوں میں مستحکم ہوتا ہے اور اقوال و اعمال اسکی تصدیق کرتے ہیں۔ (یعنی انسان کے قول و فعل میں مطابقت ہوتی ہے)۔ (بحار، ج ۶۹، ص ۷۲)

۵۔ ائمہ اطہارؑ کی نصیحتوں اور موعظوں سے فائدہ اٹھائیں جو ہمارے لئے ایک بڑا سرمایہ ہیں۔ صرف نہج البلاغہ میں سینکڑوں بیماری کا علاج موجود ہے

اب وہ موقع آچکا ہے کہ ہم جہل و نادانی کے غبار کو دور کر دیں اور امت کو تہذیب کے بلند ترین درجات تک لے جائیں۔

پس اگر شیعوں کے امام شہر علم کے باب ہیں تو ان کے پیروؤں کو چاہئے کہ دوسروں سے زیادہ علوم میں ترقی کریں سب پر سبقت لے جائیں۔

شیعوں اور اہل بیتؑ کے پیروؤں کو چاہئے کہ اپنی صفوف کو مضبوط بنائیں۔ سیاسی پارٹیوں سے دور ہوں اور ایک مرجعیت کیلئے کوشش کریں اور اسکی اطاعت کریں اور پھر تمام مسلمانوں کے اتحاد کی کوشش کریں۔

اگر شیعہ میری ان باتوں پر عمل کریں جنھیں میں نے کتاب خدا، سنت رسولؐ اور مکتب اہل بیتؑ سے نکال کر پیش کیا ہے تو بلا شبہ ان کے درمیان صلح و آشتی برقرار رہے گی اگر اپنے درمیان سے جہل، باطل عقیدوں، اور نقائص کو دور کر دیں تو یقیناً خداوند عالم ہم پر احسان کریگا اور ہماری تہی دستی ذلت و رسوائی کو بے نیازی اور عزت میں تبدیل کر دے گا اور ہمارے امام زمانہؑ کو ظاہر کر دیگا تا کہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں جبکہ وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہو گی۔

﴿و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين﴾۔

شیعہ ہی اہل سنت ہیں لیکن......

اب جبکہ ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ امامیہ شیعہ ہی در حقیقت اہل سنت پیغمبرؐ ہیں اور یہ حقیقت ہر اس شخص پر واضح ہے جو عقیدہ اور عمل میں احکام اسلام کا خیال رکھتا ہے اسمیں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے لیکن اہل سنت والجماعت کے وہ مخالف افراد (جن کے وجود میں آنے کی علت سے ہم گذشتہ بحث میں با خبر ہوئے)۔ شیعوں کے بعض عقائد و اعمال پر تنقید کرتے ہیں اور شبہات پیش کرتے ہیں تا کہ ان کے دین میں شک پیدا کر سکیں۔ اور کبھی خیالی داستانوں کو گڑھ کر انکی آبروریزی کی کوشش کرتے ہیں اور شیعوں کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ سننے یا پڑھنے والا انکی نسبت بد گمان ہو جائے اور ان سے نفرت کرنے لگے۔ اور پھر اسکی نظر میں انکی کوئی قدر و قیمت نہ رہ جائے۔

وہ جن خرافات کو شیعوں کی طرف منسوب کرتے ہیں انہیں سے بطور مثال ایک یہ ہے۔

وہ شیعوں کو اس بات کا معتقد سمجھتے ہیں کہ جبرئیل نے امانت الٰہی میں خیانت کی اور نبوت علیؑ کے بجائے محمدؐ کے سپرد کر دی! (نعوذ باللہ)۔

یا پھر یہ بے ربط مطلب کہ عبداللہ بن سبا مذہب تشیع کا بانی ہے یا شیعوں کے پاس موجودہ قرآن کے علاوہ ایک دوسرا قرآن ہے جو ﴿مصحف فاطمہؑ﴾ کے نام سے معروف ہے۔ یا ہر شب سامرا کے دروازے پر ایک گھوڑا تیار کر کے مہدیؑ کے منتظر رہتے ہیں کہ آپ آئیں اور اس گھوڑے پر سوار ہوں۔ یا کہتے ہیں کہ شیعہ قبر کی پرستش کرتے ہیں۔ اور ائمہؑ کو خدا کی طرح سمجھتے ہیں یا پتھر پر سجدہ کرتے ہیں یا زنا کو جائز سمجھتے ہیں یا پھر ایسے ہی دوسرے جھوٹ کہ تھوڑی سی بحث و تحقیق کے بعد ان کی قلعی کھل جاتی ہے۔

لیکن موجودہ زمانہ میں اہل سنت کے بعض اعتراضات علمی بحث میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور حقیقت تک پہنچنے کیلئے ایک بند کی طرح رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔

ان لوگوں نے ان شبہات کو نہ کسی (شیعہ) کتاب میں پڑھا ہے نہ ہی کسی حدیث بیان کرنے والے مقرر سے سنا ہے لیکن قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے خود انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

یہ مطلب بہت ہی اہم اور حساسیت پیدا کرنے والا ہے اور شاید محققین پر منفی اثر ڈالے اور انھیں حقیقت تک پہنچنے سے روک دے۔ جیسا کہ میں نے قارئین سے وعدہ کیا ہے کہ غیر جانبداری سے کام کروں گا اور حق گوئی سے دریغ نہ کرونگا اور نفسانی خواہش کی وجہ سے کسی مذہب کی نسبت جذبات سے کام نہ لوں گا اور رسولؐ کے اس قول پر عمل کرونگا کہ: حق کہو بھلے ہی وہ تمہارے خلاف ہو (کنز العمال رج ۳ رص ۳۵۹)۔

اور چونکہ خداوند عالم حق بات کہنے میں شرم محسوس نہیں کرتا لہذا اس موضوع میں ضروری ہے کہ میں صراحت کے ساتھ عرض کرنے کو اپنا وطیرہ

بتادوں۔ جیسے ہم شیعوں میں نیک وصالح افراد پر درود بھیجتے ہیں اور انکی تعریف کرتے ہیں ویسے ہی ان شیعوں کی غلطیوں کو بیان کرتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں جو گمراہی کا شکار ہوئے اور غلط راستہ پر چلے اور اس مسئلہ میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور سوائے رضائے خدا کے کچھ نہیں چاہتے۔

ضروری ہے کہ ان چیزوں کے درمیان فرق قائم کریں جو دین اسلام کی طرف سے ہم تک پہنچی ہیں اور جو اندھی تقلید، عادت اور غلط اجتہاد کے ذریعہ ہم تک آئی ہیں جیسا کہ میں نے بعض اصحاب کی بدعت گذاری پر صراحت کے ساتھ تنقید کی اسی طرح ضروری ہے کہ بعض شیعوں پر بھی تنقید کروں اور ان کے اشتباہات پر سکوت اختیار نہ کروں۔ البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اصحاب کی بدعت اور جدت دین کا جزو بن گئی اور اس نے احکام خدا اور رسولؐ کو بدل ڈالا۔ لیکن بعض شیعوں کے اشتباہات کا کوئی اثر نہ ہوا نہ ہی کسی حکم خدا میں تغیر کا سبب بنا اور نہ ہی کوئی اس کے وجوب کا قائل ہوا لیکن بہر حال اس پر تنقید ضروری ہے۔

قارئین محترم! جن اہم مسائل کی وجہ سے شیعوں پر تنقید ہوتی ہے انھیں ہم بیان کریں گے۔ کیوں کہ شاید خود آپ بھی ان مسائل کی وجہ سے تکلیف میں ہوں اور ان کا آپ کے پاس ایسا جواب نہ ہو جس کو آپ مد مقابل سے بحث میں پیش کر سکیں اور خود بھی مطمئن ہو سکیں۔

یہ جدتیں بھی بدعتیں ہیں جو دین تشیع میں داخل ہو گئیں۔ اہل بیتؑ تمام بدعتوں کے مخالف ہیں بھلے ہی انھیں رنگین لباس پہنا دیا جائے اور ﴿بدعت حسنہ﴾ کہا جائے۔

یہ بزرگ ہستیاں (ان پر خدا کی رحمت ہو) ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتی

تھیں کہ وہ کوئی بات نہیں کہتے اور کوئی عمل بجا نہیں لاتے مگر وہ قول و عمل رسولؐ ہوتا ہے۔

لذا ائمہؑ کے بعد مذہب میں جو کچھ آیا بدعت ہے، فاسد دوا کا نقصان پہنچاتا ہے نہ کہ خوشخبری و بشارت بلکہ کام بھی مشکل کر دیتا ہے اس لئے کہ ان کی وجہ سے روشن فکر جوان مذہب امامیہ کو تنقید کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی صحت و نقص میں مشکل سے دوچار ہوتے ہیں۔ بعض بدعتیں جن پر اہل سنت معترض ہیں بہ عنوان مثال یہ ہیں :

☆ روز عاشورا افراط سے کام لینا نیز زنجیر اور قمہ کے ذریعہ خون بہانا۔ اور جذبات کو بے مہار چھوڑ دینا۔

☆ نماز کے وقت بے نظمی۔ نمازیوں کی نسبت بے احترامی کا اظہار کرنا۔

☆ مسجدوں میں سگریٹ پینا۔

☆ نماز جمعہ ترک کرنا۔ اور......

کل یوم عاشورا کل ارض کربلا

اے کاش لوگ اس کلام کی حقیقت کو سمجھ لیتے اور جس سر زمین پر پہنچتے اور جو دن بھی دیکھتے اس اسلامی حق کو ادا کرتے جس کے لئے امام حسینؑ نے اپنی شہادت دی اور اگر ایسا کرتے تو بلا شبہ دنیا میں مسلمانوں کی حالت بالکل بدلی ہوئی ہوتی اور غلام ہونے کے بجائے آقا ہوتے لیکن افسوس کہ بہت سے لوگوں نے امام حسینؑ کی شہادت اور ان کے انقلاب کو صرف سال کے چند دنوں میں فقط رونے رلانے زنجیر و قمہ و شبیہ وغیرہ میں منحصر سمجھ لیا ہے کہ چند دن اس واقعہ کی یاد تازہ کی جائے اور باقی سال میں تمام چیز فراموش کردی جائے۔

بہت سے اہل سنت شیعوں کے ان اعمال پر تنقید کرتے ہیں اور افسوس یہ کہ بعض عربی و مغربی پروپگنڈہ ایجنسیاں اس زمانہ میں ایام عاشورا میں ایران کے شیعوں کو اس طرح پیش کرتی ہیں گویا وہ ایسے درندے ہیں جو شدت و بربیت میں ایسے ہیں جو بس لوگوں کا خون بہانا جانتے ہیں۔ اگرچہ زنجیر و قمہ ہندوستان و پاکستان میں شدت سے ہوتی ہے لیکن اغیار کے ریڈیو ٹیلیویزن صرف ایرانی شیعوں پر اپنے کیمرہ کو مرکوز کئے ہوئے ہیں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق

تحقیق کرنے والا ہر انسان اس کے اسباب سے باخوبی آگاہ ہے۔

یہ پروپگنڈہ ایجنسیاں آخر تہران کی نماز جمعہ کو منعکس کیوں نہیں کرتیں جس میں بیس لاکھ سے زیادہ نمازی شرکت کرتے ہیں؟ یہ ایجنسیاں ایران میں شب جمعہ منعقد ہونے والی دعائے کمیل کا منظر کیوں نہیں پیش کرتیں جن میں سڑکوں پر ٹریفک جام ہو جاتا ہے اور عورتیں، مرد، بچے اور بوڑھے شب کی تاریکی اور سکوت میں اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر اپنے پروردگار سے رورو کر گناہوں کی بخشش کے لئے دعائیں کرتے ہیں؟

کیوں صرف مراسم عاشورا پر ہی توجہ دیتے ہیں اور چند قمہ لگانے والوں پر ہی زیادہ نگاہ رکھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ بعض شیعہ ان اعمال کو انجام دیتے ہیں جن کا اصل دین سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ بعض افراد کے جذبات کا اظہار تھا جو بلا تحقیق مرور ایام سے وراثت میں منتقل ہو گیا اور رائج ہو گیا یہاں تک کہ بعض عوام یہ خیال کرتے ہیں کہ قمہ وزنجیر سے خون بہانا خدا سے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور بعض تو اس سے آگے بڑھکر یہ بھی سو ہیں کہ جو شخص یہ اعمال انجام نہ دے وہ امام حسینؑ کو دوست نہیں رکھتا!!

میں جب بھی ان امور پر غور کرتا ہوں اگرچہ حقیقی شیعہ ہوں تو اس منظر سے مطمئن نہیں ہو پاتا جو ایک عام انسان کو متنفر اور بد دل کر دیتا ہے۔ آخر اس کے کیا معنی ہیں کہ ایک نیم برہنہ انسان تلوار لے کر حسینؑ حسینؑ کرتا ہوا اپنے ہاتھ سے خود کو مارے اور اپنے خون میں نہائے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ ان اعمال اور مراسم عزاداری کے تھوڑی دیر بعد بجائے اس کے کہ غمزدہ نظر آئیں ہنستے کھیلتے مٹھائیاں اور پھل کھاتے نظر آتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھکر بعض افراد (بلکہ زیادہ تر افراد) کو دین سے کوئی لگاو نہیں

ہوتا لہٰذا میں نے خود کئی موقعوں پر براہ راست ان پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ تمہارا عمل اندھی تقلید سے بڑھکر کچھ بھی نہیں ہے۔

ہاں! یہ کچھ نا سمجھ شیعوں کا عمل ہے لیکن بہر حال امام حسینؑ سے محبت کے اظہار کا ذریعہ ہے جیسا کہ یہ لوگ سو ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص نے ایک عالم دین سے کہا تھا میں نے حضرت عباس کی عزاداری کے لئے کھانا تیار کیا اور اس دوران ایک منٹ کے لئے بھی جوتا نہیں اتارا تو اس عالم نے اس سے پوچھا کہ اس دوران تم نے وضو کیسے کیا اور نماز کیسے پڑھی؟ اس نے سرے سے عالم کی بات پر توجہ نہیں دی کیونکہ وہ معتقد تھا کہ مجھے حضرت عباس سے اس کی جزا مل جائے گی۔

بہر حال میں یاد دہانی کراتا ہوں کہ یہ تمام امور وہ ہیں جن کو استعمار ہی نے رائج کیا اور ان کا پروپگنڈہ کرتا رہتا ہے کہ خوش قسمتی سے یہ بات ہم شیعوں کے یہاں کم ہوتی جارہی ہے خدا بخشے حضرت آیۃ اللہ شہید سید باقر الصدرؒ کو کہ جب میں نے ان سے (شیعہ ہونے سے پہلے) ان اعمال کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا تھا﴿ یہ عوام کے اعمال ہیں تم ہم میں سے کسی بھی عالم کو انھیں انجام دیتے نہ دیکھو گے بلکہ علماء ہمیشہ اس سے لوگوں کو روکتے ہیں﴾۔

سب سے بڑھکر رسول خداؐ کا کردار ہمارے لئے نمونہ عمل ہے۔ کیونکہ جب انکے حامی و مددگار چچا حضرت ابو طالبؑ دنیا سے اٹھے تو آپ بہت غمزدہ ہوئے۔ آپ کی عزیز زوجہ نے وفات پائی، آپ کے چچا حضرت حمزہؑ شہید ہوئے اور آپ نے شہادت کے بعد ان کا پارہ پارہ جگر دیکھا۔ حضرت اپنے بیٹے ابراہیم کی موت پر روئے اور جب جبرئیلؑ نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر آپ کو

لذا میں اپنی کتاب ﴿اہل بیتؑ حلال مشکلات﴾ قارئین کی خدمت پیش کرتا ہوں۔ اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ وہ مسائل جو لوگوں کو مشتعل اور برانگیختہ کرتے ہیں ان سے پرہیز کروں تاکہ حق سے دور نہ ہوں اور ان میں ہدایت کی تلاش کا جذبہ ختم نہ ہو۔ گرچہ میں اس بات کا معتقد ہوں کہ جذبات کو برانگیختہ کرنے کی روش آزاد افراد کی نفسیات میں جوش وولولہ پیدا کرتی ہے اسی لئے اپنی گذشتہ کتابوں میں میں نے اس روش کا استعمال کیا ہے جس کا قیمتی و تعجب انگیز نتیجہ حاصل ہوا ہے۔

البتہ نرم اور مسالمت آمیز روش اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے چونکہ اس سے بہت سے لوگ مطمئن اور راضی ہوں گے۔ اور بلاشبہ اس کا نتیجہ شیرین ولذت بخش ہوگا۔ چنانچہ ہم نے دونوں روش کا استعمال کیا ہے اور قرآن کریم کی پیروی کی ہے اور یہ دونوں روش آزاد و خوف، بہشت کی آرزو رکھنے والوں کو روانہ بہشت کرتی ہے اور خوف کھانے والوں کو جہنم سے نجات دیتی ہے۔ اور مجھے قطعی طمع نہیں ہے کہ پرہیزگاروں کے پیشوا، امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کے اس عظیم مقام کو حاصل کرلوں کہ جو نہ جنت کی لالچ میں عبادت کرتے تھے اور نہ ہی جہنم کے خوف سے عبادت کرتے تھے اور اگر پردے اٹھ جاتے تو ان کے یقین میں اضافہ نہ ہوتا، لذا میں پروردگار سے صمیم قلب کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی رحمت کو ہمارے شامل حال کرے اور مجھے سچوں کے ساتھ ملحق کرے۔

محمد تیجانی سماوی

دی تو بہت روئے اسی طرح اپنے بھائی علیؑ پر آئندہ نازل ہونے والی مصیبت پر روئے۔

حضرت رسول خداؐ بہت روتے تھے بلکہ مسلمانوں کو حکم دیتے تھے کہ اگر رونہ سکو تو خود کو غمزدہ بناؤاور ان آنکھوں سے پناہ مانگتے تھے جن سے آنسو نہ جاری ہوں، لیکن اس بات سے روکتے تھے کہ غم میں کوئی بے قابو ہو جائے چہ جائے کہ قمہ اور تیغ سے خود کو زخمی کرے اور بدن سے خون جاری کرے۔

ہمارے پہلے امام حضرت علیؑ نے حضرت رسول خداؐ کی وفات کا داغ اٹھایا اور اس عظیم مصیبت کے کچھ ہی عرصہ بعد اپنی مہربان زوجہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے غم میں مبتلا ہوئے اگرچہ آپ کے جسم نحیف میں ان دونوں عظیم مصیبتوں کو تحمل کرنے کی توانائی نہ تھی لیکن آپ نے ہرگز ایسے کام نہ کیے جو آج عوام الناس عزاداری میں کرتے ہیں۔

اسی طرح امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے اپنے نانا حضرت رسول خداؐ اور اپنی مادر گرامی کی وفات کے بعد حضرت علیؑ جیسے مہربان باپ کو جو پیغمبر اسلامؐ کے بعد بہترین شخص تھے محراب عبادت میں ابن ملجم ملعون کی ضربت کھاتے دیکھا لیکن ایسے اعمال انجام نہ دیئے۔

امام زین العابدینؑ نے بھی عزا میں ایسے اعمال انجام نہ دیئے جبکہ انھوں نے کربلا کا دردناک واقعہ اپنی نگاہوں سے دیکھا اور یہ دیکھا کہ کس طرح ان کے پدر بزرگوار اور ان کے چچا اور بھائی قتل کر ڈالے گئے اور اس کے بعد ان پر ایسے مصائب پڑے کہ اگر پہاڑوں پر پڑتے تو لرز جاتے۔ اور سرے سے یہ تاریخ نے لکھا ہی نہیں ہے کہ کسی بھی امام نے ایسے اعمال انجام دئے ہوں یا اپنے اصحاب کو ان کا حکم دیا ہو۔ ہاں جو باتیں ملتی ہیں وہ یہ ہیں کہ نوحہ و مرثیہ پڑھنے والے اشعار

پڑھیں اور اس پر ائمہؑ خود بھی روتے تھے اور لوگوں کو بھی اہل بیتؑ کے غم میں رونے کا حکم دیتے تھے اور یہ ایک مستحب عمل ہے اگر واجب نہ ہو۔

میں نے خود مختلف موقعوں پر دنیا کے مختلف علاقوں میں عاشورا اور عزاداری کے مراسم میں شرکت کی ہے اور کبھی یہ نہیں دیکھا کہ شیعہ علما اس طرح سے عزاداری کرتے ہوں۔ گویا شیعہ اہل علم ان کاموں کو پسند نہیں کرتے اور انھیں ختم کرنے کی کوشش میں ہیں۔

پس ہمیں اہل بیتؑ کے کردار اور ان کی معرفت سے آگاہی کے بعد عوام الناس کی پیروی نہیں کرنی چاہیے، ہمیں ہر سال عاشورائے حسینی کی یاد منانا چاہئے اور ان کے مصائب بیان کر کے گریہ وبکا اور فریاد کرنی چاہیے، حق تو یہ ہے کہ دل بھی انسان سے ہماہنگ ہو اور آنکھوں کے ساتھ گریہ کرے۔ تمام اعضاء وجوارح روئیں اور خدا کی بارگاہ میں خضوع وخشوع کے ساتھ یہ عہد کریں کہ ہم بھی امام حسینؑ کی راہ پر جو در حقیقت رسول خداؐ اور اہل بیتؑ کی راہ ہے، گامزن ہوں گے۔

اس طرح عاشورا اپنی عزا، غم واندوہ، گریہ وزاری، اپنی یاد، عظیم اقدار کی شکل میں نمونہ عمل بن کر اپنی پاکیزہ شکل میں مخلص شیعوں اور پیغمبرؐ نیز ائمہ معصومینؑ کی پیروی کرنے والوں کے لئے باقی رہے گا۔ لیکن افسوس عوام الناس کے اعمال کو ان لوگوں کی طرف سے ہوا دی جاتی ہے جو شیعوں کے عقائد کو برا ظاہر کرنا چاہتے ہیں اور انھیں اہل بیتؑ سے دور کر کے ان کی تکفیر کرنا چاہتے ہیں۔

بار الٰہا! تیری بے شمار حمد اور شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں شیعوں اور آگاہ انسانوں میں قرار دیا کہ جو بحث و تحقیق کے ذریعہ راہ حق کی طرف آئے اور

عوام اور ناواقف شیعوں میں قرار نہ پائے۔ قارئین کرام پر لازمی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی سنت جو ائمہ اہل بیتؑ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے اسے اپنے لئے نمونۂ عمل قرار دیں۔

اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ بہت سے علماء مثلاً آیۃ اللہ امینی مرحوم اور آج کل رہبر انقلاب حضرت آیۃ اللہ علی خامنہ ای اور حضرت آیۃ اللہ سید محمد حسین فضل اللہ نے قمہ لگانے کو ناجائز قرار دیا ہے اور جنھوں نے جائز بھی جانا ہے اس پر دو شرط لگائی ہے۔ ایک یہ کہ اس سے انسان کو ضرر اور نقصان نہ ہو اور دوسرے اس سے مذہب کی توہین نہ ہوتی ہو۔

گذشتہ علماء میں سے ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جو تلوار شیعہ ماضی میں اپنے دشمنوں پر بلند کرتے تھے آج خود اپنے سروں پر مار رہے ہیں۔ حد یہ ہے کہ انگریز عزاداری کے دستوں کو بڑی مقدار میں تلواریں اپنی طرف سے تقسیم کرتے تھے! اگرچہ یہ قمہ زنی ہندوستان سے یہاں آئی تھی لیکن انھوں نے کربلا میں بھی اسے رائج کر دیا اور رفتہ رفتہ یہ عزاداری کا جزو شمار ہونے لگی۔ لیکن الحمد للہ آج مسلمانوں کے افکار میں وسعت اور علماء کے فتوؤں کے ذریعہ قمہ زنی کم ہونے لگی ہے۔ اور اسلامی جمہوریہ ایران میں ۹۸٪ ختم ہوگئی ہے اسی طرح عراق اور لبنان میں بھی اس میں بہت کمی آئی ہے۔ بہر حال یہ ناواقف اور سادہ لوح افراد کی روش ہے کہ امام حسینؑ کے قضیہ کو علماو مراجع دین کے فتوؤں سے بالا تر جانتے ہیں اور اس اہم ترین قضیہ یعنی عزائے حسینؑ کو اپنی مرضی کے مطابق من مانے ڈھنگ سے انجام دیتے ہیں اور ویسے نہیں کرتے جیسے ائمہ اہل بیتؑ اور علماء و مراجع چاہتے اور بتاتے ہیں۔

شیعہ اور نماز

اہل سنت جوانوں کا شیعوں پر ایک اعتراض یہ ہے کہ شیعہ اقامہ نماز کو نہ اہمیت دیتے ہیں نہ خشوع رکھتے ہیں۔ مثلاً کسی کانفرنس یا کسی دوسری مناسبت کے وقت جب وہ شیعہ بھائیوں کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بعض شیعہ نماز گذار نماز جماعت میں صف کی ترتیب اور ایک دوسرے کے بغل کھڑے ہونے کے خاص نظم پر توجہ نہیں دیتے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ابھی صف اول کامل نہیں ہوئی لیکن امام جماعت کے پیچھے بغیر نظم و ترتیب کے دوسری صفیں بن جاتی ہیں اور کچھ شیعہ نماز گذار نماز جماعت کے وقت مسجد میں داخل یا اس سے باہر نکل رہے ہوتے ہیں۔ نماز گذاروں کے درمیان راہ چلتے ہیں اور نماز گذار اور قبلہ کے درمیان حائل بنتے ہیں اس سے برادران اہل سنت کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

حق یہ ہے کہ اہل سنت حضرات کی نماز جماعت شیعوں سے زیادہ منظّم ہوتی ہے۔ اگر آپ ان کے ساتھ نماز ادا کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا امام جماعت نماز شروع کرنے سے پہلے لوگوں کو دیکھتا اور ان سے صف منظّم کرنے کیلئے کہتا

ہے ﴿استووا رحمکم الله﴾ نمازیوں سے کہتا ہے اپنے درمیان فاصلہ نہ رکھیں اور سب ایک دوسرے کے بغل میں کھڑے ہوں اور ایک صف بنائیں۔ آپ نمازیوں کو دیکھیں گے کہ ایک دوسرے سے ملکر کھڑے ہوے ہیں اور خالی جگہ پر کرنے میں سبقت کرتے ہیں۔

یقیناً یہ کام صحیح اور اچھا ہے لیکن افسوس اگر آپ اہل سنت حضرات کی مسجدوں کو دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ وہ نقش ونگار پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور ان کے علماء بہت نصیحت کرتے ہیں لیکن وہ طہارت وپاکیزگی اور نجاست سے دوری پر کوئی خاص توجہ اور اہمیت نہیں دیتے۔ یہ ان کے مذاہب خاص کر حنبلیوں میں جائز ہے مثلاً مردوں کا سونا پہننا، ان کے غیر دیندار افراد میں اس کثرت سے نظر آتا ہے کہ میں سمجھنے لگا ان کے مذاہب نے جائز قرار دیا ہے اور سونا پہن کر نماز پڑھنا صحیح ہے۔ جبکہ تمام اہل سنت فرقوں نے مردوں کیلئے سونا حرام قرار دیا ہے ۔وہ کہتے ہیں صفوں کو پر کرو تا کہ تمہارے درمیان شیطان داخل نہ ہو۔ لیکن افسوس کہ یہ ہر اچھے اور برے کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں ممکن ہے کہ صف اول میں کوئی کافر حاکم (جو بظاہر مسلمان ہے) اپنے ساتھیوں کے ساتھ صف اول میں موجود ہو جو کہ بغیر کسی کمی بیشی کے خود شیطان ہے!!

لیکن شیعہ مسجدوں کو خدا کا گھر سمجھتے ہیں اور اسے مسلمانوں کا مورچہ سمجھتے ہیں۔ ان کی مسجد کی امارت بہت ہی سادہ ہوتی ہے۔ انکی مسجدیں عوام کے پیسہ سے بنی ہوتی ہیں نہ کہ حکومت کے پیسہ سے۔ اس کے علاوہ مسجد کی پاکیزگی وطہارت پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں اور ایک لحظہ بھی اسے نجس نہیں رہنے دیتے۔ بہر حال مسجد کے احکام زیادہ ہیں جنھیں علماء برابر بیان کیا کرتے ہیں۔

فی الوقت ایران، لبنان، شام میں شیعہ مسجدوں کی حالت بہت بہتر اور منظم ہو گئی ہے۔

کیا ہم اس بات پر مامور نہیں ہیں کہ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں؟ پھر کیوں صرف نظم کا خیال نہ رکھنے اور صفوں کے درمیان چلنے پر اس درجہ سختی سے کام لیتے ہیں۔ حتی انہی سختیوں کی وجہ سے بعض اہل سنت نوجوان اپنی مسجدوں میں جانے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔

ہمارے لئے یہ بات کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ نوجوان مسجدوں میں آئیں اور وہاں تربیت پائیں۔ یہ نہ ہونا چاہیے کہ جیسے ہی کوئی (نماز میں سامنے آئے) اور صفوں کے درمیان راہ چلے۔ چلانا شروع کر دیں اور اسے مسجد سے باہر کر دیں۔ بلکہ اس کے ساتھ اسلامی اخلاق سے پیش آنا چاہیے اور صحرائی و جنگلی رویہ کے بجائے اسلامی رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

بہر حال اہل سنت حضرات اس بات پر بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ نماز کے وقت کوئی صفوں کے درمیان راہ نہ چلے اس لئے کہ وہ اپنی روایات کے مطابق معتقد ہیں کہ اگر نماز گذار کے سامنے کوئی راہ چلے تو اسکی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

اور انکی بعض روایات میں آیا ہے کہ اگر کوئی نماز گذار کے سامنے سے گذرے تو وہ شیطان ہے اسے بھگانا چاہیے!!

دوسری طرف شیعہ ان مسائل پر زیادہ توجہ نہیں دیتے، میں نے بہت سے علماء و مراجع کے پیچھے مختلف ممالک میں نماز پڑھی ہے لیکن کہیں پر نہیں دیکھا کہ امام جماعت لوگوں سے مخاطب ہو اور کہے صفوں کو مرتب و منظم کریئے۔ اور اسی طرح کسی کو بھی صفوں کے درمیان راہ چلنے سے منع کرتے نہیں دیکھا۔ (۴۵)

البتہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ مذہب اہل بیتؑ میں نماز گذار کے سامنے راہ چلنے یا کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور عقلی و نقلی لحاظ سے بھی یہی ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ مطلات نماز شیعہ اور اہل سنت کے یہاں واضح ہیں۔ اور ان میں کبھی یہ نہیں کیا گیا کہ نمازی کے سامنے راہ چلنے سے اسکی نماز باطل ہو جائیگی۔

بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ سے یوں بیان کیا گیا:

نماز قطع نہیں ہوتی مگر کتا، گدھا یا عورت نماز گذار اور قبلہ کے درمیان حائل بن جانے سے۔ حضرت عائشہ بہت ناراض ہوئیں اور کہنے لگیں: ہمیں کتوں اور گدھوں سے تشبیہ دیتے ہو، خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں رسول خدا نماز پڑھ رہے تھے اور میں تخت پر آنحضرت اور قبلہ کے درمیان حائل بنی ہوئی تھی

(بخاری ج ۱ ص ۱۳۷ کتاب الصلوۃ باب من قال لا یقطع الصلوۃ شیء)۔

اب اہل سنت حضرات کیلئے مذکورہ روایت قانع کنندہ دلیل اور قوی برہان ہے کہ نماز اور قبلہ کے درمیان فاصلہ ڈالنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ لیکن ہر جائز عمل پسندیدہ نہیں ہوتا؟ اگر مسلمان احتیاط کرے اور نمازیوں کی گردنوں پر پاؤں رکھنے سے پرہیز کرے اور اپنے قدموں سے انکی اہانت نہ کرے کیونکہ اس وقت وہ اپنے رب کی بارگاہ میں سر بسجود ہوتے ہیں۔ تو یہ ایک مستحب اور پسندیدہ عمل ہے اور اخلاقی تربیت کے لحاظ سے سبھی کے یہاں قابل قبول ہے اور اسلام بھی اسے صحیح سمجھتا ہے۔ دراصل اس عمل میں نمازیوں کا احترام پوشیدہ ہے۔ بہر حال انسان کیلئے یہ امر تکلیف دہ ہے کہ وہ خشوع و خضوع میں مشغول ہو اور اپنے رب سے مناجات کر رہا ہو اور کوئی سامنے سے گذر کر اس حالت کو ختم کر

دے۔

کیا رسول خداؐ نے راستہ میں بیٹھنے سے منع نہیں کیا ہے؟ اس لئے کہ اس سے راستہ چلنے والوں کو مشکل ہوتی ہے اور خصوصاً عورتوں کو اس وقت یقیناً تکلیف ہوتی ہے جب راستہ کے دونوں طرف مرد بیٹھے ہوں۔

اس وقت جب کہ حق کی بات سامنے آگئی ہے اور ہم نے اپنی بحثوں میں اسی پر تکیہ کیا ہے اور قرآن کریم نے بھی یہی درس دیا ہے کہ : خدا حق کہنے میں شرم محسوس نہیں کرتا۔ لذا حق یہ ہے کہ اس مسئلہ میں شیعہ حضرات کو برادران اہل سنت سے استفادہ کرنا چاہئے وہ اس اخلاقی تربیت کو ان سے حاصل کریں اور جب نماز گذار اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہو، یا رکوع و سجدہ کررہا ہو تو اس کیلئے خاص احترام و تقدس کے قائل ہوں۔

ہم نے اس بات کو اہل تشیع کے بزرگوں اور رہبروں کے سامنے رکھا انھوں نے اس بابت کوتاہی کا اعتراف کیا۔ لیکن انمیں سے ایک نے ہم پر اعتراض کیا کہ یہ مسائل سطحی اور بے ارزش ہیں اور اصل تو نماز ہے۔

ہم نے کہا: اس درجہ بھی سطحی نہی ہے اس لئے کہ یہ ایک طرح کا نظم و ضبط ہے جسمیں ہیبت و وقار پایا جاتا ہے اور یہ دوسروں کو احترام پر آمادہ کرتا ہے۔ ہمارا دین نظم و ترتیب کا دین ہے جو ہرج و مرج کو پسند نہیں کرتا اور نظم و ترتیب کو دوست رکھتا ہے۔ کیا خداوند عالم نے نہیں فرمایا ہے:

اور (مسلمانو!) تم تمام نمازوں کی اور (خصوصا) بیچ والی نماز کی پابندی کرو اور خضوع و خشوع کے ساتھ خدا کے سامنے نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ (بقرہ/۲۳۸)۔

اور کیا یہ نہیں فرمایا ہے کہ :

خدا ان لوگوں سے الفت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کے
لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں (صف ر ۴)۔

اس سورہ کو سورہ ٔ صف کہا گیا ہے اس لئے کہ اسمیں صف اور نظم پر بہت توجہ دی گئی ہے (۴۶)۔

شاید نماز جماعت کے متعلق تاریخ شیعہ کی مشکلات نے ان کے یہاں اس طرح کی لا پرواہی کو جنم دیا ہے چونکہ ان پر بڑا سخت دور گزرا ہے اور ان کے لئے بہت مشکل تھا کہ اہل سنت کی امامت میں نماز ادا کریں۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اہل سنت جب نماز کے احکام کو بخوبی بجالانا چاہتے تو انکی ایک عادت یہ بھی ہو گئی تھی کہ نماز کے دوران امام علیؑ اور اہل بیتؑ کو دشنام دیتے اور لعنت کرتے تھے۔ اور دوسری طرف شیعہ نماز جماعت علیحدہ طور پر قائم نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ فوراً ہی ان پر رافضی ہونے کا الزام لگتا تھا اور قتل کر دیئے جاتے لہذا اکثراً تقیہ کی حالت میں اہل سنت حضرات کے ساتھ نماز پڑھتے اور فوراً گھر واپس آکر بہت سی نمازوں کا اعادہ کرتے تھے۔

یہاں ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اہل بیتؑ اور انکے شیعوں کے مخالف اس وجہ سے ﴿اہل سنت والجماعت﴾ کے نام سے معروف ہوئے کہ اکثر مسلمان انکی پیروی کرتے تھے۔ اور انکے ساتھ ان ہی کی طرح نماز ادا کرتے تھے اور انکی جماعت میں حاضر ہوتے تھے۔ لیکن شیعہ اپنے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور انکی تعداد اس درجہ کم تی جیسے پورے سیاہ لباس میں ایک سفید نقطہ ہو یوں وہ ایک الگ فرقہ شمار کئے جاتے تھے۔

ایک خاص اسلامی فرقہ کے عنوان سے معروف ہونے اور اہل بیتؑ کی فقہ کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے بعد، اہل بیتؑ کی جانب سے وارد نصوص کی

رو سے شیعہ صرف عادل، زاہد اور عالم امام جماعت کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے اور ہیں لیکن اس کے بر عکس اہل سنت کے یہاں ہر مؤمن اور فاسق کے پیچھے نماز صحیح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب شیعہ کسی ایسی مسجد میں جاتے ہیں جس کے امام کے بارے میں انھیں کچھ معلوم نہیں ہوتا تو وہ مسجد کے ایک گوشہ میں فرادیٰ نماز پڑھتے ہیں اس لئے کہ امام کے بارے میں اطمینان نہیں ہوتا لیکن اہل سنت ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے وہ ہر مؤمن و فاجر کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے ہیں۔

کیا عبد اللہ بن عمر نے یزید بن معاویہ۔ حجاج بن یوسف ثقفی حتی نجدۂ خارجی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی؟ جبکہ یہ سب کے سب علانیہ فسق و فساد کرنے والے تھے۔

اور اگر شیعہ اس موضوع میں افراط سے کام لیتے ہیں اور ہر کس و ناکس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور ان دسیوں نماز گذاروں پر تکیہ نہیں کرتے جو نماز جماعت میں مشغول ہیں تو یہ اس لئے ہے کہ وہ دین میں احتیاط سے کام لیتے ہیں اور اپنی نماز کو بطور احسن انجام دینا چاہتے ہیں تاکہ مورد رضائے الٰہی قرار پائے۔ گویا ایک شیعہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر نا معلوم امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو شرعی لحاظ سے مقبول نہیں ہے۔ اور گویا خداوند عالم نے اسے دینی امور میں غور و جستجو کے لئے مجبور کیا ہے۔

مذکورہ مسائل اور امور کے علاوہ جہاں تک مجھے یاد ہے جمہوری اسلامی ایران کے ذمہ داروں میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ میری اور میرے دوستوں کی آرزو تھی کہ حکومت من جملہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ان کے ہاتھوں میں آئیں، لیکن جب اسلامی انقلاب کو کامیابی نصیب ہوئی تو ہمیں بہت زیادہ مشکلات کا

پیش لفظ

میں نے اپنی گذشتہ کتابوں میں کوشش کی کہ مسلمانوں کو ثقلین (قرآن و عترتؑ) کی طرف واپس لاؤں اور ان سے چاہا کہ گمراہی سے نجات اور ہدایت کی ضمانت کیلئے ان دونوں (قرآن و اہل بیتؑ) کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ جیسا کہ رسول خداؐ کی زبانی بیان ہوا ہے اور معتبر و مورد اعتماد راویوں نے اپنی صحاح و مسانید میں سنی و شیعہ دونوں ہی سے نقل کیا ہے۔

میں نے اس مطلب پر کافی بحث کی، حتی بعض یہ خیال کرنے لگے کہ ہماری اساس اصحاب کی تحقیر اور انکی بے عدالتی کو ثابت کرنے میں منحصر ہے۔ لیکن خداوند عالم گواہ ہے کہ میری غرض صرف یہ تھی کہ پیغمبر اکرمؐ کی حرمت کا دفاع کروں اس لیے کہ آنحضرتؐ کے وجود ہی سے پورا اسلام سامنے آتا ہے۔ اسی طرح منزلت اہل بیتؑ کا بھی دفاع کرنا چاہتا تھا اس لئے کہ وہ بھی قرآن کے ہم پلہ و ہم رتبہ ہیں۔ جس نے بھی انکو پہچانا قرآن کو پہچانا اور جس نے بھی ان کو نظر انداز کیا اس نے قرآن کو نظر انداز کیا ہے۔ پیغمبرؐ نے برابر اسکی گواہی دی اور اس پر زور دیا ہے۔

سامنا کرنا پڑا۔

شیعہ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا انھیں زبردستی سامنے نہیں آنے دیا گیا۔ لذا ان کے فتوے بہت ہی احتیاط کے ساتھ ہوتے تھے مثلاً مقدمات نماز جیسے طہارت وضو اور غسل کو بہت اہمیت دیتے ہیں یہاں تک کہ آپ کو کوئی مسجد ایسی نہ ملے گی جسمیں طہارت، قرائت اور رکعات نماز کے متعلق وسواس رکھنے والے موجود نہ ہوں!

بہر حال ہمارا یہ خیال ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت امور میں میانہ روی کا نام ہے خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے :

اور اس طرح ہم نے تم کو میانہ روامت قرار دیا (بقرہ ر ۱۴۳)۔

سب سے اچھا کام امور میں میانہ روی ہے۔ نہ افراط ہو اور نہ تفریط ہو (سنن بیہقی رج ۳ ر ص ۲۷۳)۔

پس اہل سنت جو سہل انگاری میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور ہر مؤمن اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں افراط ہے۔

اور دوسری طرف شیعوں کے سخت شرائط کہ وہ صرف اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں جو ہر جہت سے عادل ہو یہ بھی افراط ہے۔

اہل بیتؑ کا اسلام، فاسق و فاجر امام کو قبول نہیں کرتا امام جماعت کے شرائط میں بس اتنا کافی سمجھتا ہے کہ وہ علی الاعلان فسق وفجور کا مرتکب نہ ہوتا ہو۔ امام کے عادل ہونے کیلئے اتنی شرط کافی ہے (۴۷)۔

آنحضرتؐ ہمیشہ اپنے اصحاب سے سفارش کرتے تھے کہ سختی نہ کرو نرمی سے کام لو لوگوں کو خوشخبری دو اور متنفر نہ کرو (کنز العمال رج ۳ ر ص ۳۵)۔

آنحضرتؐ نے مزید فرمایا: اپنے ساتھ سختی نہ برتو تاکہ خدا بھی تمہارے

ساتھ سختی نہ کرے جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا۔

پس دین اسلام نرمی و آسانی کا دین ہے البتہ ہمارا مقصد احکام شرع میں انحطاط و سہل انگاری ہر گز نہیں ہے میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ بلکہ میں خود ان مذاہب سے متنفر ہوں جو اپنی آراء و نظریات کے مطابق عمل کرتے ہیں اور احکام الٰہی کو اپنی نفسانی خواہش کی بنیاد پر کم و زیاد کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم یہ ساری سختیاں اور شدت کو دینی اخلاص کے بجائے بشری اجتہادات کے نتیجہ میں دیکھیں تو یقیناً متاثر ہوں گے۔ آپ خود قرآن مجید میں خداوند عالم کا قول پڑھتے ہیں :

اور بلاشبہ خدا نے تمہارے لئے دین میں سختی قرار نہیں دی (حج/۷۸)۔

اور دوسری جگہ پڑھتے ہیں :

خدا تمہارے لئے راحت و آسانی چاہتا ہے نہ شدت و سختی (بقرہ/۱۸۵)۔

لذا جب ہم سختی برتنے والوں اور وسواسیوں کو دیکھتے ہیں تو دین ایک ایسا ڈراؤنا خواب نظر آتا ہے جو انسان کی طاقت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں شیطان کا دل میں راہ پانا ممکن ہو جاتا ہے۔ اور شکوک و شبہات گھر کر لیتے ہیں۔ بے شک بدترین بیماری یہی ہے کہ مسلمان شخص وسوسہ کا شکار ہو جائے۔ اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے کتنی، کب اور کیسے نماز پڑھی اور شیطان بھی اس کے ساتھ تماشا کرے اور اس کے دل کو وسوسہ سے بھر دے۔ اور ممکن ہے اس کا یہ وسوسہ عبادات سے معاملات تک پہنچ جائے اور اسکی زندگی نہ صرف اس کے لئے قابل تحمل نہ ہو بلکہ اس سے وابستہ لوگوں کیلئے بھی باعث مشکل ہو جائے۔

خداوند عالم ہمیں اور آپ کو اس سے امان میں رکھے۔

ہمارے فقہاء بھی ایسے شخص کو مریض سمجھتے ہیں اور شدت کے ساتھ

اسے وسوسہ سے روکتے ہیں۔

شیعہ اور نماز جمعہ

اہل سنت حضرات جن اہم باتوں کے متعلق شیعوں پر تنقید کرتے ہیں ان میں سے ایک نماز جمعہ کو اہمیت نہ دینا ہے، البتہ بعض افراط سے کام لیتے ہوئے نماز جمعہ کو اہمیت نہ دینے پر شیعوں کو کافر سمجھتے ہیں اور اس کی دلیل میں رسول خداؐ کی حدیث نقل کرتے ہیں: آنحضرت نے فرمایا:

جو بھی تین ہفتہ نماز جمعہ میں شرکت نہ کرے وہ اسلام سے بیزار ہے۔

یا یہ کہ: حضرت سے سوال کیا گیا جو نماز کو ترک کرتا ہے اسکا انجام کیا ہوگا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا:

وہ دوزخ میں ہے (الموطاج، ا ص،۱۱۱)۔

لیکن شیعوں کے درمیان اختلاف ہے کہ حضرت امام مھدی (عج) کی غیبت کے زمانے میں نماز جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ فقہاء دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں، ایک گروہ ہر زمانے میں نماز جمعہ کے وجوب کا قائل ہے تو دوسرا معتقد ہے کہ نماز جمعہ صرف اس صورت واجب ہے جب اس کے شرائط فراہم ہوں اور ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ عادل حاکم نماز جمعہ بر قرار کرے۔

یہاں پر یہ کہنا ضروری ہوگا کہ جناب خالصی حرم امام موسیٰ کاظمؑ (کاظمین بغداد) میں نماز جمعہ پڑھاتے تھے اور مجھے شیعہ ہونے کے پہلے سے ہی اچھے لگتے تھے چنانچہ میں کبھی کبھی نجف یا کربلا سے نماز جمعہ میں شرکت کی غرض سے بغداد جاتا تھا اور جناب خالصی کی شجاعت پر تعجب کرتا تھا کہ آپ نماز جمعہ کو واجب نہ جاننے والوں کی تنقید کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے اور نہایت ہی اچھے ڈھنگ سے نماز ادا کرتے تھے اور وہ زمانہ ۱۹۶۸ء کا تھا میں دیکھتا تھا کہ لوگ کثرت سے آپ کے ساتھ نماز جمعہ میں شرکت کرتے تھے (۴۸)

اور دوسری طرف انلوگوں پر تعجب ہوتا تھا جو آپ کے نماز جمعہ بر قرار کرنے پر تنقید کرتے تھے میں خود سے کہتا تھا کہ یہ کس طرح ایک مجتہد پر تنقید کرتے ہیں اور صرف اس بات پر کہ آپ نماز جمعہ قائم کرتے ہیں، جب کہ خداوند عالم نے قرآن میں فرمایا ہے:

یا ایھاالذین آمنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ . . . (سورہ جمعہ آیت۹)

اے مومنوں جس وقت نماز جمعہ کا اعلان ہو تیزی کے ساتھ یاد خدا کے لئے دوڑ پڑو......

میں ان دونوں اجتہاد (وجوب نماز جمعہ اور عدم وجوب نماز جمعہ کے درمیان سر گرداں تھا، یہاں تک کہ ایرانی اسلامی انقلاب کامیاب ہوا اور اسلامی جمہوریہ قائم ہوئی اور وہاں پہلے ہی روز سے نماز جمعہ قائم ہو گئی، اسلامی جمہوریہ نے مسلمانوں کے درمیان وحدت کو جامہ عمل پہنانے کے لئے پوری کوشش کی اور یہی وہ وجہ تھی جہاں میں شیخ خالصی کی قدر کو سمجھا اور یقین ہو گیا کہ آپ مخلص فرد ہیں اور امید رکھتا ہوں کہ ایک روز آپ سے ملوں اور آپکا ہم نشین ہوں۔

بہر حال شیعہ ویسے ہی اب بھی نماز جمعہ پڑھنے اور ترک کرنے والوں میں منقسم ہیں اور امام مھدی (عج) کے ظہور کے منتظر ہیں

اور میری خواہش و قلبی آرزو ہے کہ نماز جمعہ شیعوں کے ہر دیہات اور شہر میں قائم ہو جائے اس لئے کہ اس میں بہت زیادہ اجرو ثواب ہے جس کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا، ہم نے جن سر زمینوں کی زیارت کی ہے اپنی اکثر تقریروں میں وہاں کے شیعوں کے درمیان کہا ہے کہ وہ ضرور اسلامی جمہوریہ ایران اور عظیم رہبر امام خمینیؒ کی پیروی کریں۔

اور مسلمانوں کی تالیف قلوب اور دنیا کے شیعہ اور سنی مسلمانوں کے درمیان الفت و محبت بر قرار کرنے کے لئے نماز جمعہ قائم کریں اور اس کام کو ضرور انجام دیں اور اس خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنے ذکر و شکر کی قوت بخشے اور بطور احسن اپنی عبادت و پرستش کی توفیق عنایت فرمائے ہمارے دلوں کو ایک دوسرے سے نزدیک کرے تاکہ اس کی نعمت کے زیر سایہ ہم ایک دوسرے کے بھائی ہو جائیں اور کیوں نہ ہو وہ سننے والا اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

مسجدوں میں سگریٹ پینا

شیعہ حضرات پر اہل سنت کا ایک دوسرا اعتراض مسجد میں سگریٹ پینا ہے، وہ کہتے ہیں یہ برا عمل ہے اور شیاطین کے اعمال میں سے ہے،

اور حق تو یہ ہے کہ شیعوں کی مسجد میں معمولاً یہ عمل نظر بھی آتا ہے مجھے یاد ہے پہلی مرتبہ جب میں نجف اشرف مشرف ہوا تھا تو یہ صورت حال نظر آئی جسے دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اسی وقت میں نے کچھ علما کے ساتھ بحث کی لیکن انکے جواب سے قانع نہ ہوا۔

بعض نے کہا سگریٹ پینا حرام نہیں ہے حتیٰ مکروہ بھی نہیں ہے اس لئے کہ اس کے اوپر آنحضرتؐ اور ائمہ اطہارؑ کی جانب سے کوئی نص موجود نہیں ہے اور رہا قیاس تو وہ ہمارے یہاں باطل ہے، اور کچھ نے کہا ہم مسجد میں سگریٹ نہیں پیتے بلکہ صرف امام باڑوں اور نشست گاہوں میں پیتے ہیں اور امام باڑہ و مسجد میں فرق ہے۔

پہلی توجیہ کے بارے میں ہم ان سے کہیں گے کہ یہ صحیح نہیں کہ جس کی حرمت سے متعلق نص موجود نہ ہو وہ حلال اور جائز ہے اسلئے کہ بعض نصوص

عام ہیں اور تمام خبائث و محرمات کو اپنے اندر شامل کر لیتی ہیں، جیسے خداوند عالم کا ارشاد :

اے پیغمبر کہدو : ہمارے پرور دگار نے ہر طرح کے برے اعمال چاہے ظاہر ہوں یا پوشیدہ انکو حرام قرار دیا ہے (اعراف، آیت ۳۳)۔

یا رسولخداؐ کا فرمان :

مست کرنے والی تمام چیزیں حرام ہیں (صحیح بخاری، ج ۵، ص ۲۰۵)

یا یہ :

ضرر اٹھانا اور ضرر پہنچانا اسلام میں نہیں ہے (سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۴۸)

لیکن بعض نصوص خاص ہیں اور کسی ایک امر کی حرمت سے متعلق ہیں جیسے خدا کا یہ ارشاد :

-زنا کے نزدیک نہ ہو (سورۂ اسراء آیت، ۲۳)

-قتل نہ کرو (سورۂ اسراء آیت، ۳۳)

-سود نہ کھاؤ (آل عمران، ۳۰)

یا آنحضرتؐ کا فرمان :

جو بھی فریب دے وہ ہم میں سے نہیں (صحیح مسلم ج ۱، ص ۹۹)

یا جو بھی ہم پر جھوٹ باندھے اسے چاہئے کہ اپنی جگہ جہنم میں تلاش کرے (صحیح بخاری ج ۱، ص ۳۸)۔

لہذا اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ سگریٹ ائمہ اطہارؑ اور آنحضرتؐ کے زمانے میں نہیں تھا اس لئے اس متعلق خدا اور اسکے رسولؐ وائمہؑ کی جانب سے کوئی صریح حکم نہیں ملتا، جیسے بہت سے محرمات اب بھی ہیں اور انکو نصوص عام اپنے اندر شامل کئے ہوئے ہیں جیسے لاٹری، یا دوسرے کھیل جو بغیر زحمت

کے پیسے سے کھیلے جاتے ہیں یا اس قسم کے دیگر مسائل۔
لیکن سگریٹ نوشی کو بہر حال خداوند عالم کا یہ قول اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے

اسراف نہ کرو اسلئے کہ اسراف کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان

اپنے پروردگار کا منکر ہے (اسراء/۲۶)

اور رسول خداؐ نے فرمایا ہے:

اسراف یہ ہے کہ ایک درہم اس چیز میں صرف کرو جس میں ذرا بھی تمہارے

لئے فائدہ نہ ہو

اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہوگا کہ انسان اپنے مال کو ان نقصاندہ چیزوں میں صرف کرے جو اسکی صحت کیلئے خطرناک ہو اور اس کی زندگی کو ہلاکت میں ڈال دیں؟

حتیٰ (لاضرر ولاضرار) والا قائدہ بھی سگریٹ نوشی کو اپنے اندر شامل کئے ہوئے ہے کیونکہ اس سے بڑھکر اور کیا ضرر ہوگا کہ موجودہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ ہر سگریٹ پینے والے کیلئے کینسر اور تنگی نفس کا خطرہ لاحق ہے جو نکوٹین سگریٹ میں موجود ہے وہ منشیات کا ایک جزو ہے جس سے سگریٹ نوش کرنے والے کو رہائی ممکن نہیں مگر یہ کہ اسکا مستقل علاج کیا جائے۔

اسی طرح ترقی یافتہ ممالک کے ماہرین سماجیات نے سگریٹ نوشی کے خطرہ کو محسوس کر لیا ہے لہٰذا سگریٹ نوشی کو عام جگہوں، حکومتی مراکز حتیٰ ہوائی جہاز، ٹرین اور بسوں میں منع کر دیا ہے۔

اور ادھر انگلینڈ اور فرانس نے میٹرو میں بھی (سگریٹ نوشی کو ممنوع کر دیا ہے اسلئے کہ ماڈرن میڈیکل سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ سگریٹ نوشی سے صرف اسی شخص کو خطرہ لاحق نہیں ہے بلکہ اسکے اطراف کو بھی بیماری

انشاء اللہ اس کتاب میں میں ان مسلمانوں پر ثابت کروں گا۔ جو بیسویں صدی میں جی رہے ہیں، مختلف ناموں میں بٹے ہوئے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ واقعی اسلام تک رسائی پیدا کریں اور اس پر عمل کریں، ان کیلئے اہل بیتؑ کی پیروی واجب ہے۔ وہ حقیقت جس سے گریزاں ہیں۔ یہ ہے کہ قرآن و سنت دونوں ہی میں تاویل و تحریف کی گئی ہے۔ قرآن کو مختلف معنی میں تاویل کیا گیا تا کہ اسکو شریعت کے حقیقی مقاصد سے دور کردیں اور سنت میں جعلی احادیث داخل کر کے تحریف کردی گئی۔ لذا آج قرآن کی جو تفسیریں ہمارے پاس ہیں۔ وہ اسرائیلیات یا بعض مفسروں کے ذاتی اجتہاد سے خالی نہیں ہیں جو اس بات کے معتقد ہیں کہ قرآن کی بعض آیتیں منسوخ ہو گئی ہیں۔ اسی طرح کتب احادیث اس درجہ جھوٹ اور تحریف کا شکار ہوئی ہیں کہ کسی پر بھی صد در صد اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں معصوم ائمہؑ اور رہبروں کی طرف رجوع کرنا واجب ہو جاتا ہے اس لئے کہ صرف وہ ہیں جو کتاب خدا کی تفسیر اور احکام خدا کو بیان کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور صرف وہی احادیث پیغمبر اکرمؐ کو تمام تبدیلیوں، تحریفوں اور شبہات سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

اگر آج مسلمانوں کی آخری خواہش سلف صالح کی جانب واپسی ہے تاکہ ان دونوں تشریعی مآخذ کو ان سے حاصل کریں اور چونکہ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ (اہل بیتؑ) سب سے افضل ہیں، لذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان سے پوچھیں کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم ان سے بیّن و واضح دلیل و برہان طلب کریں جو انسان کیلئے بہانہ کی راہ کو بند کردینی ہے۔ اسے قانع کردیتی ہے اور قلب مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ صرف حسن ظن کافی

لاحق ہو سکتی ہے لذا ذمہ داروں نے اسے عمومی مراکز میں بالکل ممنوع قرار دیدیا ہے اور سگریٹ پینے والوں کو مجبور کر دیا ہے کہ دھواں نگلنے کے لئے لوگوں سے دور ہو جائیں، اور یہ صرف دوسروں کے احترام کے لئے نہیں بلکہ انکی سلامتی و حفاظت کے لئے بھی ضروری ہے۔

اور جو رسولخداؐ نے فرمایا: ﴿لا ضرر و لا ضرار﴾ نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسروں کو پہنچاؤ، (آنحضرت کا یہ فرمان) صرف سگریٹ پینے والوں کے اطرافیوں کو شامل نہیں کرتا بلکہ خود اس کے لئے سگریٹ نوشی کو حرام قرار دیتا ہے اسلئے کہ حضورؐ کے اس فرمان کے مطابق مسلمان شخص پر جس طرح دوسروں کو نقصان پہنچانا حرام ہے ویسے ہی خود کو بھی نقصان پہنچانا حرام ہے۔

آپ نہیں دیکھتے کہ اسلام نے خود کشی کو حرام قرار دیا ہے اور اسکو گناہ کبیرہ شمار کیا ہے، پس انسان خود اپنے بدن کے متعلق بھی آزاد نہیں ہے کہ جو چاہے کرے اور اس لئے کہ انسان کا بدن خدا کی ملک ہے نہ خود اسکی ملک لذا وہ کام نہیں کرنا چاہئے جو خدا کی ناراضی کا باعث ہو۔

اگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک نے ڈرائیونگ کے وقت شراب نوشی کو ممنوع قرار دیا ہے تو اس کا عامل مہلک اور خطرناک ایکسیڈنٹ ہے اور اسی طرح سگریٹ نوشی کو جو عمومی مراکز میں ممنوع قرار دیا ہے تو اسکی وجہ سگریت پینے والوں کے ذریعہ لوگوں کی تکلیف ہے، لیکن یہ صرف قائدۂ (لا ضرار) دوسروں کو نقصان نہ پہنچاؤ پر عمل کرتے ہیں۔

لیکن قاعدۂ (لا ضرر) خود بھی نقصان نہ اٹھاؤ کو کنارے چھوڑ دیتے ہیں اور اس خیال سے کہ انسان اپنے جسم کے متعلق آزاد ہے، صرف اس شرط کے ساتھ کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے اپنی نسبت جو چاہے کر سکتا ہے لیکن اسلام

انسان کی مطلق آزادی کا اعتراف نہیں کرتا اور انسان کو اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کیلئے آزاد نہیں چھوڑتا۔

خدلوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو (بقرہ، ۱۹۵)

رسولخداؐ فرماتے ہیں:

﴿لا ضرر و لا ضرار﴾ (نہ خود نقصان اٹھاؤ نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ)

بہر حال اگر قبول کریں کہ مسلمان سگریٹ پینے کا حق رکھتے ہیں اسلئے کہ اس کے متعلق کوئی نص موجود نہیں ہے تو قطعاً اس چیز کی اجازت نہ دینی چاہئے کہ مسجد، نماز و عبادت سے مخصوص مراکز مسلمانوں کے مجمع کے درمیان سگریٹ نوشی کریں بلکہ انکو چاہئے کہ دوسروں کے احترام کی رعایت کریں۔

لیکن ان کا دوسرا جواب جو کہتے ہیں کہ مسجد میں سگریٹ نوشی ممنوع ہے لیکن امام باڑوں میں کوئی حرج نہیں۔

ان لوگوں کیلئے جو نہیں جانتے بیان کرتا ہوں، امام باڑے وہ مراکز ہیں جنھیں شیعوں نے بنا کر امام حسینؑ کیلئے وقف کر دیا ہے ان مراکز میں ائمہ اطہارؑ کی ولادت و شہادت، عاشورہ غدیر وغیرہ کی مناسبت سے مجلس و ماتم اور جشن مناتے ہیں، یہ امام باڑے قیمتی و باارزش قالین سے مزیّن ہوتے ہیں ان میں محراب نماز بھی ہوتی ہیں (اگرچہ مسجد نہیں ہے) پس اگر کوئی شیعہ کہے کہ امام باڑہ میں سگریٹ پینا جائز ہے چونکہ مسجد نہیں ہے تو اولاً۔ اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ مسجد میں سگریٹ نوشی درست نہیں ہے۔

ثانیاً۔ امامبارگاہیں چاہے اس میں مجلس عزا ہو یا محفل مسرت، وہ نشستیں ہیں جو خدا کے نام اور رسولؐ و آل رسولؐ پر صلوات سے پُر ہیں، لہذا کیا شائستہ ہے

کہ جس جگہ خدا اور رسول وائمہ اطہارؑ کا تذکرہ ہو اور فرشتہ اپنے پروں کا سایہ کریں اور مومنین کیلئے استغفار کریں اس جگہ کو سگریٹ کی کثیف اور گندی بو (جو ملائکہ کی کیابات خود انسان کیلئے مضر ہے) سے آلودہ کیا جائے ؟۔

میں خود تعجب کرتا ہوں کہ بعض شیعہ مراجع شطرنج بازی کو تو حرام قرار دیتے ہیں لیکن سگریٹ نوشی کو جائز سمجھتے ہیں، اور ان دونوں کے درمیان کس درجہ فرق ہے میں اس حالت سے سخت متاثر تھا، اور اکثر اس مطلب کو بعض علما سے کہتا بھی تھا لیکن ان میں اس بات کی جرأت نہیں دیکھتا تھا کہ وہ اسکو منع یا حرام کر سکیں، (نہ شیعوں کے درمیان اور نہ اہل سنت کے درمیان)۔

مجھے یاد ہے کہ مرحوم شہید صدر کبھی سگریٹ نہیں پیتے تھے، اور جس وقت میں نے سگریٹ نوشی کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا (میں خود سگریٹ نہیں پیتا اور ہر مسلمان کو نصیحت کرتا ہوں کہ سگریٹ نہ پیئے) لیکن خود انھوں نے بھی صراحت کے ساتھ حرام نہ کیا، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرجع نے سگریٹ کو ابتدا سے پینے والوں پر حرام قرار دیا ہے لیکن جو پیتے رہے ہیں ان کے لیے مکروہ جانا ہے، البتہ بعض اس کو حرام قرار دیتے ہیں لیکن اس کی تصریح اس خوف سے نہیں کرتے کہ عوام ان پر قیاس کا اتہام لگائیں گے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ مراجع کی ذمہ داری ہے کہ اس کے متعلق صراحت سے اپنی رائے بیان کریں، اور کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں، اس کو حرام کرنا ان کی ذمہ داری ہے چاہے اجتہاد کے ذریعہ، چونکہ اس بات سے قطع نظر کہ یہ ایک واضح اسراف ہے خود نقصان اٹھانا اور دوسروں کو نقصان پہنچانا ہے (۵۰)

اور بالفرض اگر دھواں نگلنے کے متعلق واضح نص موجود نہ ہو اور خداوند

عالم کا قول: ﴿لاتبذر تبذیراً﴾ بھی اسے اپنے اندر شامل نہ کرے تو بھی علماو مراجع کے لئے مواقع فراہم ہیں کہ اس میں اجتہاد کریں اور اسکے ذریعہ انسان کے لئے کثرت سے نقصان وہلاکت کے باعث اس کو حرام قراردیں۔

لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ بعض مشکلات اور عوام کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے ساکت ہو جائیں، یا سگریٹ نوشی کرنے والوں کے عکس العمل سے گھبراتے ہوں اور اس کی کراہت کا بھی اعلان نہ کریں، ان توجیہ کرنے والوں میں سے ایک مجھے قانع کرنا چاہتا تھا کہ سگریٹ بڑے فوائد کا حامل ہے، خدا کی قسم یہ بڑا خطرناک کام ہے اور بڑے ہی وحشت ناک گوشے رکھتا ہے وہ شخص بعض جوانوں کو سگریٹ نوشی کو جاری رکھنے کی حوصلہ افزائی بھی کررہا تھا۔

اور یہ اس وقت ہے کہ جب عالم کفر میں چیریٹیبل فاونڈیشنس اور اجتماعی ادارے سگریٹ اور سگریٹ پینے والوں کے بر خلاف تبلیغات پر کثیر رقوم صرف کررہے ہیں، اور سگریٹ کے فوائد پر پروپگنڈے کو ممنوع کرتے ہوئے اسکی کمپنیوں پر فریضہ عائد کرتے ہیں کہ وہ اپنے سگریٹ کے اوپر لفظ (خودکشی) ضرور لکھیں، تاکہ لوگوں کو اس سے متنفر کرسکیں۔

لیکن افسوس کہ اسلامی ومذہبی سماج میں سگریٹ بڑی قبولیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے حتیٰ عورتیں بھی محافل میں سگریٹ کا پیکٹ لے جانے سے پرہیز نہیں کرتیں۔

یقیناً بچہ جب آنکھ کھولے اور اپنے ماں باپ کے منہ میں سگریٹ دیکھے تو مرجع دینی کی تقلید کرنے سے پہلے ان کی تقلید کریگا، اور اگر سگریٹ کی مستی کے ساتھ بڑا ہوا اور سگریٹ کا [illegible] بن گیا تو بہت مشکل ہے۔ کہ اس کو بڑے ہونے کے بعد سگریٹ [illegible] دکا جاسکے، اور خصوصاً اس وقت جب اس نے ابّا جان کو

مسجدوں اور عبادت گاہوں میں سگریٹ نوشی کرتے ہوئے دیکھا ہو۔

مسلمانوں کو نہیں معلوم کہ اس سگریٹ کی وجہ سے وہ کس سنگین مالی اور اقتصادی نقصان کے متحمل ہوتے ہیں اگر معلوم ہوتا تو قطعاً متاثر ہوتے، صرف ایک معمولی حساب کے ذریعہ اس بڑے خطرہ سے پردہ اٹھایا جاسکتا ہے، اس وقت دنیا میں ایک ارب مسلمان ہیں اور اگر پانچ آدمیوں پر مشتمل فیملی میں ایک سگریٹ پینے والا حساب کریں تو (۲۰۰) ملین سگریٹ پینے والے ہوں گے اور اگر فرض کریں کہ ہر روز ایک ڈالر سگریٹ پر صرف ہوتا ہے (جبکہ یہ ایک پیکٹ سگریٹ کی سب سے کم قیمت ہے) اس حساب میں وہ لوگ جو روزآنہ دو یا تین پیکٹ سگریٹ پی جاتے ہیں شامل نہیں ہیں۔

رہے وہ لوگ جو قیمتی سگریٹ پیتے ہیں انکو اس حساب میں شامل نہیں کیا گیا ہے تو نتیجہ اس طرح ہوگا (۲۰۰) ملین سگریٹ کو ایک ڈالر سے ضرب دیں ۔روزآنہ (۲۰۰) ملین ڈالر ہوگا، اور اگر اس روزآنہ کی شرح کو (۳۶۵) روز یعنی ایک سال کی مدت سے ضرب دیں تو (۷۳۰۰۰) ارب ڈالر ہوں گے، یعنی مسلمان سب سے کم حساب کرنے کی صورت میں (۷۳۰۰۰) ارب ڈالر خرچ کرتے ہیں، اور اس سے مہلک بیماریاں خریدتے ہیں۔

اگر اس کے ساتھ سگریٹ کی وجہ سے پیدا ہونے والی بیماری جیسے کینسر، دما، سانس پھولنا، برون کائیٹس Brounchitis (حلق کی سوجن)، مسوڑھے اور دانت کی خرابی وغیرہ کے علاج پر خرچ ہونے والی کثیر رقم کو اضافہ کر دیا جائے تو بلا شبہ ایک ایسی شرح حاصل ہوگی جس کو عقل باور نہیں کر سکتی، اور اگر مسلمان دس سال اس مال کو جمع کریں تو اس سرزمین پر ایک جنت تعمیر کر سکتے ہیں، اور ایک بھی فقیر مسلمان نظر نہ آئے گا۔

اور پھر انھیں کوئی ضرورت نہ ہو گی کہ وہ اپنا ہاتھ کفار کے سامنے پھیلائیں، اور یقیناً فقر و فاقہ، بیماری و پسماندگی کا خاتمہ کر سکتے ہیں وہ پیشرفت کے لئے جدید ٹیکنالوجی خرید سکتے ہیں، اور دوسروں پر سبقت حاصل کر سکتے ہیں، خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ جو چیز سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہیں رکھتی گرچہ اس کی حرمت پر نص موجود نہ ہو پھر بھی خود پر حرام قرار دیں اس لئے کہ یہ دین پاکی کا حکم دیتا ہے اور انھیں پلیدی سے روکتا ہے، خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

ان پر پاک وپاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا ہے نجس اور گندی چیزوں کو حرام کیا ہے (اعراف ر ۱۵۷)۔

اگر رسولخداؐ اپنے اصحاب کو جمعہ کے دن لسّن کھانے سے روکتے تھے تاکہ اس کی مہک سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے جبکہ لسّن کے بہت سے طبّی فائدے ہیں، اور پھر لسّن کی بو کو سگریٹ کے ساتھ قیاس نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ لسّن کھانے والے کے منہ سے کوئی ایسا دھواں نہیں نکلتا تھا جو فضا کو آلودہ کرے۔ جیسا کہ سگریٹ پینے میں ہوتا ہے مگر رسولخداؐ نے قاعدہ (لاضرار) دوسروں کو نقصاں نہ پہنچاؤ کے تحت اس سے منع فرمایا تو کیا رسولؐ کی نہی میں عقلمندوں کے لئے عبرت موجود نہیں ہے؟۔

اس کے علاوہ جو بھی لسّن کھاتا ہے اسے کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے، لیکن جمعہ کے دن کھانا مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے دوسروں کو تکلیف ہو گی، اور پھر لسّن کھانے میں مدمقابل کو صرف اس کی بو سے تکلیف ہوگی اور کسی قسم کے مرض کا خطرہ نہ ہو گا لیکن سگریٹ کے ساتھ ایسا نہیں ہے یہ دوسروں کو مریض کر کے قطعی نقصان پہنچاتا ہے۔

اور اگر مجتہدین تاش اور شطرنج کھیلنے کو حرام قرار دیتے ہیں بھلے ہی اس میں ہار جیت کا معاملہ نہ ہو، غنا، موسیقی اور دیگر لہو ولعب کے افعال کو حرام قرار دیتے ہیں کہ جس کے متعلق شاید نص صریح موجود نہ (۵۱) ہو لیکن کیوں اس امر کو حرام قرار نہیں دیتے جو مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہے اور انکو بیمار کرتا ہے اور اگر شیعہ سگریٹ پینے پر اصرار کریں تو کم از کم جو سگریٹ نہیں پیتے ان کا احترام کریں۔

خصوصاً عبادت گاہوں، مساجد و نماز خانوں کا احترام وخیال کریں جیسا کہ اہل سنت کرتے ہیں، آپ خود اس کا امتحان کر سکتے ہیں اگر آپ کے ہاتھ میں سگریٹ ہو اور کسی اہل سنت کی مسجد میں داخل ہوں تو فوراً منع کریں گے، اور آپکو سگریٹ پینے سے روکیں گے اور شاید آپکو اذیت بھی پہنچائیں۔

میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سگریٹ نوشی بہت بری چیز ہے اور حتماً خدا اور سولؐ اس سے متنفر ہیں، چونکہ عقل و فطرت اس سے متنفر ہے اور شاید یہ اس بات کا باعث ہو بعض اہل سنت جب شیعی مراکز میں داخل ہوں تو اس سے متنفر ہو جائیں، چونکہ اس برے ظاہر کے علاوہ شیعہ کے متعلق نہ انھوں نے کچھ جانا ہے اور نہ سمجھا ہے لہذا اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ امام صادقؑ کا وہ قول کس درجہ دلپذیر ہے کہ اپنے شیعوں سے فرماتے ہیں:

اپنے اعمال کے ذریعہ لوگوں کو ہماری طرف دعوت دو نہ کہ گفتار کے ذریعہ، ہمارے لئے زینت کا سبب بنو نہ کہ باعث نفرت (بحار الانوار ج ۸۵ ص ۱۳۶)

اور ممکن ہے کہ کچھ افعال دیکھنے والے کو ایسا متنفر کر دیں کہ اس کے بعد وہ کوئی بات بھی سننے کو تیار نہ ہو، بہر حال اس کے متعلق جو کچھ بھی شیعوں

کو کہا جائے وہ اہل سنت پر بھی صادق آتی ہے۔

اس بحث کے خاتمہ پر عرض کرتا ہوں کہ اصلاح کرنی چاہئے اور حق کی طرف بازگشت فضیلت ہے اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اگر غلط کام پر صدیاں گزر جائیں تو اس کی اصلاح نہیں کی جاسکتی، البتہ اس کیلئے کوشش ضروری ہے اور جذبہ ہونا چاہئے تاکہ خداوند عالم کی مدد سے اس مہلک بیماری سے ہمیں نجات حاصل ہو ولو طولانی مدت درکار ہو۔

ختم بحث

یہ ہیں امامیہ شیعہ مذہب پر ہونے والے اہم اعتراض اور تنقیدیں لذا بہتر ہوگا کہ ہر محقق جو حقیقت کا متلاشی ہے اس پر تحقیق کرے اور کسی بھی ملامت کرنے والے سے نہ ڈرے اور حق کہے ولو بہت ہی تلخ اور اس کے حق میں نقصان دہ کیوں نہ ہو۔

آج کے روشن فکر و سمجھدار جوان ان زہریلے اور جھوٹے پروپگنڈوں پر یقین نہیں رکھتے جسے پروپگنڈہ کرنے والے ادارے تشیع کے خلاف ہر طرف کرتے رہتے ہیں اور شیعوں کو شدت پسند، دہشت گرد گروہ یا خدا کے دیوانے کہتے ہیں۔

روشن خیال افراد ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے لیکن ممکن ہے کہ بعض مسائل جو شیعہ محافل میں پیش آتے رہتے ہیں ان سے متاثر ہوں یا بعض مطالب شیعہ کتابوں میں پڑھیں اور حیرت زدہ ہوں اور اس کے لئے انھیں تفسیر و توضیح کی ضرورت ہو۔

بعض اشتباہات جو کچھ شیعہ عوام کے ذریعہ عمل میں آئے کہ جو نہ دین

نہیں ہے حتی استقامت اور نیک رویہ بھی فہم کے صحیح ہونے اور غلطی سے محفوظ رہنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

نبیؐ کے شہر علم کا در، جناب امیر المؤمنینؑ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

لوگوں کے ہاتھ میں حق وباطل ہے سچ و جھوٹ، ناسخ و منسوخ، عام اور خاص، محکم اور متشابہ ہے۔ جو چیز لوگوں کے ذہن میں محفوظ ہے، جس پر حدیث بیان کرنے والے نے گمان کیا ہے اور رسول خداؐ کے زمانے میں ہی جھوٹ باندھا، یہاں تک کہ آنحضرتؐ خطبہ دینے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا جس نے بھی عمداً ہماری طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں اس نے اپنے لئے جہنم میں جگہ تیار کرلی۔

اور تمہارے لئے جو حدیث بیان کرتے ہیں وہ صرف اور صرف چار ہیں۔ دو چہرے رکھنے والا جو کہ اظہار ایمان کرے لیکن بظاہر مسلمان ہو گناہ سے نہ ڈرے اور دل میں خوف نہ رکھتا ہو، عمداً رسول خداؐ پر جھوٹ باندھے اور خوف نہ کرے اور اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ وہ منافق اور جھوٹا ہے تو اسکی (بیان کی ہوئی) حدیث کو قبول نہ کریں۔ اور اسکی باتوں کو سچ نہ سمجھیں۔ لیکن اگر رسول خداؐ کے دوستوں میں سے ہو تو اسکو دیکھنا اور سننا چاہئے۔ اور اسکی باتوں کو محفوظ کرنا چاہیے۔ اس کے کہے ہوئے کو قبول کرنا چاہیے۔ خدا نے تمکو منافقوں کے متعلق بتلایا ہے اور جس طرح انکی قلعی کھلنی چاہیے خدا نے بیان فرمادیا ہے۔

یہ رسول خدا اور (اہل بیتؑ) جن پر خدا کی رحمت ہو اپنی جگہ رہ گئے اور لوگ جھوٹ و تہمت کے ذریعہ گمراہوں کے سرغنہ اور جہنم کی طرف دعوت

میں سے تھے اور نہ ان ضرورتوں میں سے جو محرمات کو جائز کر دیتی ہیں لیکن ان کے ذریعہ ایسا نقصان پہنچا کہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑ گیا ان کے متعلق ہم نے ان کی جگہ پر توضیح دی ہے۔

گذشتہ بحثوں میں محکم و شائستہ استدلال جسے ہم نے اپنی کتابوں میں پیش کیا اور مسلمانوں کے درمیان نشر کیا اس میں ثابت کیا کہ امامیہ شیعہ تمام عقیدوں اور شریعتوں میں سب سے شائستہ فرقہ ہے اور تمام گروہوں اور فرقوں کے درمیان کامیاب اور نجات یافتہ یہی فرقہ ہے اور یہ صرف اور صرف ثقلین (کتاب خدا اور عترت رسولؐ) سے تمسک اور وابستگی کی وجہ سے ہے۔

البتہ یہ دلیل نہ ہوگی کہ اگر میں ان میں کوئی اشتباہ دیکھوں تو ان کی تنقید نہ کروں اور اگر بعض میں برائی دیکھوں تو ان پر اعتراض نہ کروں میرا ہمیشہ کا یہی شعار ہے کہ حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔

یہ ممکن ہے کہ معروف (اچھائی) اپنی حد معمول سے گزرنے کے بعد منکر (برائی) میں تبدیل ہو جائے مثلاً: میں ایک مرتبہ اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لئے امریکا مدعو ہوا تھا مجھے ایک دوست نے اپنے گھر مدعو کیا، ناچار میں نے قبول کیا اس لئے کہ میری خاطر اور بہت سے لوگوں کو دعوت دی گئی تھی۔

بہر حال وہاں اس قدر کھانے اور پینے کی اشیاء تھیں جس میں ہزاروں ڈالر سے زیادہ خرچ ہوئے ہوں گے دوسرے روز یا اسی روز ایک دوسری جگہ اسی طرح ہوئی ضیافت کی تکرار ہوئی ایک دستر خوان پر دسیوں قسم کی غذائیں موجود تھیں اور جس قدر بھی حاضرین کھاتے نصف غذا بھی تمام نہ ہوتی اور یقیناً باقی غذا کو کچڑے کی بالٹی میں ڈال دیں گے۔

یہ طبیعت یا عادت ان کی زندگی کی ضرورت میں شامل ہو گئی ہے، لذا جس درجہ بھی مہمان نوازی یا میزبان کے احترام کے متعلق کہا جائے میں مطمئن نہیں ہو سکتا، اور پوری قوت کے ساتھ کوشش کروں گا کہ مسلمانوں کو اس کے بر خلاف دعوت دوں جو لوگ روزی کے پاک و حلال ہونے پر استدلال کرتے ہیں کیا وہ خدا کے اس پیغام کو بھول گئے ہیں کہ وہ فرماتا ہے:

کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو کہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (سورۂ اعراف ر ۱۳)

رسول خداؐ کا ارشاد ہے کہ:

ہم نہیں کھاتے مگر جب بھوکے ہوتے ہیں اور اگر کھاتے ہیں تو سیر ہو کر نہیں کھاتے

نان جو وہ بھی خشک پر قناعت کرنے والے امیر المؤمنین علیؑ سے ہمارا کس قدر فاصلہ ہے مکتوب ہے کہ حضرت روٹی کی تھیلی اس خوف سے بند رکھتے تھے کہ کہیں حسنینؑ اس پر روغن نہ مل دیں۔

کیا مسلمان اپنے خدا سے شرمندہ نہیں ہوتے کہ ریشمی بستر پر سوتے ہیں اور اپنے شکموں کو مختلف غذاؤں سے پر کرتے ہیں جبکہ اس وقت عراق میں شیعہ بھوک سے سعودی کیمپوں میں مر رہے ہیں اور معمولی سے معمولی وسائل زندگی بھی نہیں رکھتے۔

میں جس درجہ اپنے گھر دعوت دینے والے میزبان کا شکریہ ادا کروں لیکن میرا فریضہ ہے کہ انھیں نصیحت کروں کیوں کہ مؤمن کے لئے نصیحت و یاد دہانی مفید و لازم ہے مجھے ان کو شہرت و دکھاوے کے بجائے کار خیر اور خدا کی طرف دعوت دینی چاہیے؛ اس لئے کہ بہت سے مسلمان ثروت مند ہیں جو

بادشاہوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اگر ان سے فقراء و مساکین کے لئے مدد چاہیں تو وہ بخل سے کام لیں گے اور ایک پیسہ کا بھی حساب کریں گے لیکن جس وقت ان کے منافع سامنے ہوں یا نفسانی خواہشات کو پورا کرنا ہو تو وہ کروڑوں اور اربوں ڈالر خرچ کر ڈالیں گے۔

اور قابل توجہ تو یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اپنے دین کی خاطر ظالم اور ستمگر حاکموں کے ہاتھوں سے تنگ آکر امریکا اور انگلینڈ مہاجرت کی ، جبکہ ان کے پاس ایک ہفتہ کا بھی خرچ نہ تھا آج خدا کے فضل و کرم سے دولت مند و صاحب ثروت لوگوں میں شمار ہوتے ہیں اور زمین دکان اور ملیونوں ڈالر کے مالک ہیں۔

یہ دراصل ثعلبہ کا کردار ادا کر رہے ہیں ثعلبہ ایک فقیر شخص تھا وہ رسولخداؐ کے پاس آیا اور اپنی بے نیازی کے لئے آنحضرتؐ سے خدا کی بارگاہ میں دعا کرنے کے لئے کہا تاکہ فقراء اور حاجتمندوں کے درمیان خیرات کرے اور اس کا اجر وثواب خدا سے حاصل کرے حضور نے اس کے لئے دعا فرمائی اور وہ بڑے ثروتمندوں میں ہو گیا، لیکن جب آنحضرتؐ نے اس سے کہا کہ کم از کم تم اپنے اموال کی زکات تو ادا کر دو تو اس نے گریز کیا اور کچھ بھی ادا نہ کیا۔

خداوند عالم نے اس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی :

ان میں سے بعض نے خدا کے ساتھ عہد کیا کہ اگر خدا اپنے فضل و کرم سے بخش دے تو ہم اچھے اور صالح ہو جائیں گے اور جس وقت خداوند عالم نے اپنا فضل کیا تو بخل سے کام لیا مکر گئے اور گریز کیا﴿(سورۂ توبہ ۷۵، ۷۶)

البتہ اس میں شک نہیں کہ بعض ثروتمند مسلمان ہیں جو شب و روز آشکار اور پوشیدہ طور پر اپنا مال راہ خدا میں انفاق کرتے ہیں اور سوائے رحمت خدا کے اور

کچھ نہیں چاہتے لیکن ان کو انگلیوں پر شمار کیا جاسکتا ہے اور اکثر ثروتمند انفاق نہیں کرتے اور اگر تھوڑا بہت ادا بھی کریں تو دکھاوے اور شہرت کی غرض سے ہے۔

ان میں بعض ایسے ہیں جن پر خدا نے احسان کیا ہے اور کثیر دولت انھیں نصیب ہوئی ہے تاکہ وہ راہ خدامیں خیرات کریں ان کے اموال میں مجبور اور حاجتمندوں کا حق موجود ہے ؛لیکن آپ انکو دیکھیں گے کہ وہ ہر سال خانہ ٔ خدا کی زیارت کو جاتے ہیں دو یا تین مرتبہ عمرہ کرتے ہیں اور اگر میں افراط سے کام نہ لوں اور کہوں کہ اس میں سے کچھ بیس سے زیادہ حج اور چالیس سے زیادہ عمرہ کر چکے ہیں اور اس فعل کے ذریعہ لوگوں کے درمیان مباحات کرتے ہیں تو بجا ہوگا کہ اس طرح کے افراد شیعوں کے درمیان بہت سے ہیں کہ جب مسافرت کرتے ہیں تو بہترین ہوٹل میں ٹھرتے ہیں بہترین غذا نوش فرماتے ہیں اور مقدس مقامات کی زیارت بھی کرتے ہیں۔

عجیب تو یہ ہے کہ جب انھیں آپ دیکھیں کہ یہ کیا کھاتے ہیں اور کس درجہ کوڑے دان میں ڈالتے ہیں تو بلاشبہ کہیں گے کہ یہ اسلامی اخلاق سے سب سے زیادہ دور افراد ہیں یہ صحیح ہے کہ واجب حج کے بعد پھر حج کی غرض سے جانا مستحب اور پسندیدہ ہے لیکن انھیں نہیں معلوم کہ ہر چیز سے پہلے خدا نے حکم دیا ہے کہ یتیم، مسکین، مجبور اور حاجتمندوں کی مدد کرو۔

کیا خداوند عالم نے ان سے نہیں کہا گویا یہ خود اس آیت کے مقصود ہیں :

نیکی صرف یہی نہیں ہے کہ (نماز میں) اپنے منہ پورب یا پچھم کی طرف کرو

بلکہ نیکی کرنے والا تو وہ ہے جو خدا، روز آخرت فرشتوں، کتاب خدا اور انبیاءؑ پر

ایمان لائے مانگنے والوں اور غلاموں (کی آزادی) میں انفاق کرتے ہیں

......(سورہ بقرہ آیت ۱۷۷)

ہاں اے مسلمان بھائیو! نیکی یہ نہیں ہے کہ ہم ہر سال حج اور مقدس مقامات کے لئے زیارت کو جائیں، ہر گز خداوند عالم اس چیز سے راضی نہ ہو گا کہ آپ ہر سال حج کرنے جائیں اور سال میں کئی مرتبہ عمرہ کرنے جائیں اور آپ کے مسلمان بھائی بھوک سے ہلاک ہوں۔

کیا رسول خداؐ نے نہیں فرمایا ہے:

تم میں خدا سے زیادہ نزدیک وہ ہے جو اس کے بندوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے؟ (بحار ج ۷۷ ص ۱۵۲)

کیا آنحضرتؐ نے نہیں فرمایا ہے:

جو بھی سیر ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو وہ اسلام سے خارج ہے (بحار ج ۷۵ ص ۳۶۲)

کیا آپ فخر نہیں کرتے کہ آپ کے پہلے امام علی بن ابی طالبؑ ہیں اور آپ چونکہ ان کے پیرو ہیں اس لئے آپ کو شیعہ کہتے ہیں۔

کیا یہ آپ کے امام نہیں ہیں جنھوں نے فرمایا ہے:

آگاہ ہو جاؤ ہر ماموم کیلئے ایک امام ہوتا ہے جس کی ماموم پیروی کرتا ہے اور اس کے نور علم سے نمو پاتا ہے

یہ بھی جان لو کہ تمہارا یہ امام تمہاری دنیا سے صرف دو پرانے لباس اور دو عدد نان پر تکیہ کرتا ہے

خدا کی قسم تمہاری دنیا سے ہم نے کوئی سونا جمع نہیں کیا اور اس کے خزانوں سے فائدہ نہیں اٹھایا اور اگر چاہوں تو شفاف شہد، مغز گندم، اور ریشم کے بنے لباس حاصل کر سکتا ہوں لیکن اس وقت پر افسوس جب نفسانی خواہش مجھ پر غلبہ پالے اور طمع مجھے کھانوں کے انتخاب کی طرف گھسیٹے جبکہ یہ ممکن ہے کہ حجاز یا یمامہ میں کوئی ہو جو ایک روٹی کی بھی طمع نہ رکھتا ہو اور کبھی سیر نہ ہوا ہو یا یہ کہ

میں سیر ہو کر سوؤں اور میری بغل میں بھو کے پیٹ اور جلے ہوئے دل موجود ہوں ؟

میں اس لئے پیدا نہیں ہوا ہوں کہ اچھی غذاؤں کا کھانا مجھے میرے خدا سے دور کردے ،اس بندھے ہوئے حیوان کی طرح جو گھاس پر ٹوٹ پڑتا ہے یا اس وحشی جانور کی طرح جس کا کام چرنا ہے

اے دنیا مجھ سے دور ہو جا میں تیرے پنجہ کے آزار سے آزاد ہو گیا اور تیرے پھندے سے رہائی نصیب ہوئی وہ لوگ کہاں ہیں جن کو تونے اپنے کھلونوں سے مغرور بنادیا ؟ کہاں ہیں وہ امتیں جن کو تیرے زیور و زینت نے فریب دیا ؟ ؛ بے شک وہ اپنی قبروں میں محصور ہیں اور لحدوں کے بیچ سوئے ہوئے ہیں۔

مجھ سے دور ہو جا اور اپنا رخ ہم سے موڑ لے خدا کی قسم میں اپنے آپ کو تیرے لئے چھوٹا نہیں کروں گا کہ تو مجھے ذلیل اور خوار کرے اور ہر گز تیرے لئے رام نہیں ہو سکتا کہ تو مجھ پر سوار ہو......پس اے حنیف کے بیٹے !اپنے ان روٹی کے ٹکڑوں پر اکتفا کر تا کہ دوزخ کی آگ سے آزاد ہو سکو(نہج البلاغہ ،خط نمبر ۴۵ ،عثمان بن حنیف کے نام)

امیر المؤمنین کا یہ ارشاد ان تمام لوگوں کو مخاطب کرتا ہے جو خود کو پیرو علیؑ کہتے ہیں، آپ کے شیعہ ہیں اور رسولؐ کے بعد آپ کو امام سمجھتے ہیں۔

اگر ہم نے اپنی گذشتہ بحث میں اس بات پر اصرار کیا کہ صرف شیعہ ہی قرآن و عترت طاہرہؑ سے متمسک ہیں پس کون ہے جو قرآن و عترت طاہرہؑ کی پیروی کا ہم سے زیادہ مستحق ہے۔

اور یہی قرآن و عترت ہم کو حکم دیتے ہیں کہ شعائر الٰہی کا اکرام کریں

اس لئے کہ یہ عمل دلوں کے تقوے کی علامت ہے اور بلاشبہ مسجد و غیر مسجد میں نماز جماعت کا احترام، انھیں منظّم رکھنا، پاک رکھنا یعنی اسے سگریٹ کی بو سے آلودہ نہ کرنا، بلکہ عطر کے ذریعہ اس کو معطر کرنا شعائر الٰہی ہے۔

ان باتوں میں ہم سے زیادہ شائستہ اور کون ہوگا کہ زہد اختیار کریں اور اپنے اموال کو ان چیزوں میں صرف نہ کریں جن کا ہمیں کوئی فائدہ نہ ہو، اس وقت جبکہ ہمارے کچھ بھائی بھوک سے ہلاک ہو رہے ہیں، کھانے پینے اور لذت بخش چیزوں میں اسراف نہ کریں۔

ہم سے زیادہ مستحق کون ہوگا، کہ ہم بندگان خدا کا خیال رکھیں اور ان کو گمراہی سے نجات دیں، اور بجائے چالیس مرتبہ حج جانے اور اسی مرتبہ عمرہ کرنے کے یہ سوچیں کہ اگر اس مال کو گرانقدر کتابوں کی طباعت میں صرف کریں اور اسلامی ممالک میں پھیلے ہوئے مسلمان جو اہل بیت کو نہیں پہچانتے اور شیعوں کے متعلق سوائے بیہودہ باتوں اور تہمت کے کچھ نہیں جانتے ان کو بطور ہدیہ پیش کریں۔

تاکہ کروڑوں بھٹکے ہوئے اور حق کے جویا افراد ہدایت پالیں اور مکتب اہل بیتؑ کی طرف راغب ہو جائیں بلاشک خداوند عالم اس کا ثواب ہر اس مستحبی حج سے زیادہ ہے جس کو گذشتہ سال کی بخشش کے لئے انجام دیتے ہیں اس لئے کہ رسولخداؐ نے فرمایا ہے:

خداوند عالم کے نزدیک شہیدوں کے خون سے علماء کے قلم کی روشنائی افضل ہے (کشف الخفاء ج۲، ص ۲۶۲، الاسرار المرفوعہ ص ۱۶۰)

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

تمھیں خدا کی قسم ہے کہ صلۂ رحم کرو کہ یہ خدا کے نزدیک سنتی نماز و روزہ

حضرات کواس کے بر عکس (کہ تمام صحابہ عادل نہیں ہیں) بحث کرنے سے روک لیتے۔

اگر شیعہ اذان میں تیسری شہادت (شہادت ولایت) پر اصرار نہ کرتے جو کہ جزء اذان بھی نہیں ہے اور پیغمبر کے زمانے میں بھی نہیں تھی تو اہل سنت بھائیوں کو شیعوں پر ناجائز تہمتوں اور مبالغہ و غلو کے اتہام کا موقع نہ ملتا۔

اگر کوئی کہے کہ علیؑ ولی خدا ہیں اور یہ حق ہے تو ہم اس سے کیوں کر دست بردار ہو جائیں جبکہ جو حق کے بر خلاف سکوت کرے وہ شیطان اور بہرا ہے؟

تو ہم یہ جواب دیں گے کہ جس طرح حضرت محمد بن عبداللہؐ نے مشرکین کے مقابل صفت رسول اللہؐ سے تنازل کیا تاکہ یہ چیز ان کے اور آنحضرتؐ کے درمیان دیوار نہ بنے اور ان کو ہدایت کی طرف جذب کرسکیں حالانکہ وہ رسولخداؐ تھے چاہے لوگ قبول کریں یا نہ کریں چاہے وہ گواہی دیں یا نہ دیں، اس پر بس خدا کی گواہی کافی ہے (نساء/۱۶۶)

اسی طرح علیؑ بحق خدا کے ولی ہیں چاہے لوگ اس کی گواہی دیں یا نہ دیں اس سے نہ ان کی ولایت میں کچھ اضافہ ہو جائے گا اور نہ ہی ان کے انکار سے علیؑ کے فضل میں کمی آجائے گی۔

اور بالآخر رسولخداؐ کے اس نرم رویہ کا نتیجہ صلح حدیبیہ تھی جس کا کوئی صحابی تصور نہیں کر سکتا تھا، اس لئے کہ ایک سال بعد اہم فتح (فتح مکہ) پیش آئی اور لوگ دین خدا میں فوج در فوج داخل ہو گئے۔

پس اے شیعہ اور سنی بھائیو! آپ لوگ رسولخداؐ کو نمونۂ عمل سمجھتے ہیں اور کتاب خدا اور اس کے رسولؐ کی سنت پر عمل کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے کردار کی بھی پیروی کریں اور اسے نمونۂ عمل قرار دیں۔

حضرات کو اس کے بر عکس (کہ تمام صحابہ عادل نہیں ہیں) بحث کرنے سے روک لیتے۔

اگر شیعہ اذان میں تیسری شہادت (شہادت ولایت) پر اصرار نہ کرتے جو کہ جزء اذان بھی نہیں ہے اور پیغمبر کے زمانے میں بھی نہیں تھی تو اہل سنت بھائیوں کو شیعوں پر ناجائز تہمتوں اور مبالغہ و غلو کے اتہام کا موقع نہ ملتا۔

اگر کوئی کہے کہ علیؑ ولی خدا ہیں اور یہ حق ہے تو ہم اس سے کیوں کر دست بردار ہو جائیں جبکہ جو حق کے بر خلاف سکوت کرے وہ شیطان اور بہرا ہے؟

تو ہم یہ جواب دیں گے کہ جس طرح حضرت محمد بن عبد اللہؐ نے مشرکین کے مقابل صفت رسول اللہؐ سے تنازل کیا تا کہ یہ چیز ان کے اور آنحضرتؐ کے درمیان دیوار نہ بنے اور ان کو ہدایت کی طرف جذب کر سکیں حالانکہ وہ رسولخداؐ تھے چاہے لوگ قبول کریں یا نہ کریں چاہے وہ گواہی دیں یا نہ دیں، اس پر بس خدا کی گواہی کافی ہے (نساء/۱۶۶)

اسی طرح علیؑ بحق خدا کے ولی ہیں چاہے لوگ اس کی گواہی دیں یا نہ دیں اس سے نہ ان کی ولایت میں کچھ اضافہ ہو جائے گا اور نہ ہی ان کے انکار سے علیؑ کے فضل میں کمی آجائے گی۔

اور بالآخر رسولخداؐ کے اس نرم رویہ کا نتیجہ صلح حدیبیہ تھی جس کا کوئی صحابی تصور نہیں کر سکتا تھا، اس لئے کہ ایک سال بعد اہم فتح (فتح مکہ) پیش آئی اور لوگ دین خدا میں فوج در فوج داخل ہو گئے۔

پس اے شیعہ اور سنی بھائیو! آپ لوگ رسولخداؐ کو نمونہ عمل سمجھتے ہیں اور کتاب خدا اور اس کے رسولؐ کی سنت پر عمل کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے کردار کی بھی پیروی کریں اور اسے نمونہ عمل قرار دیں۔

شیعہ اور سنی
بر خلاف وہابیت

اہل بیت کے محبوں پر اعتراض اور ان کی تکفیر کے متعلق وہابیوں نے شور و غوغا مچا رکھا ہے اور ان کو رسولؐ و آل رسولؐ سے توسل کرنے، ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنے اور ان کے مرقدوں کی زیارت کرنے کی وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جسے شیعہ اور سنی بھائیوں نے نہ دیکھا ہو۔

رسولخداؐ کے زمانہ سے لیکر آج تک تمام اسلامی ملکوں میں مسلمانوں نے ان پاکیزہ ہستیوں سے تبرک حاصل کرنے انھیں وسیلہ بنانے اور جشن منانے کی عادت کرلی ہے اور سوائے جدید مذہب وہابیت کے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا چونکہ خود چودہویں ہجری میں وجود میں آیا۔

طبیعی ہے کہ اس عقیدہ میں وہابیت تمام مسلمانوں کی مخالفت کرتی ہے تاکہ سب سے پہلے خود کو مجدد کی صورت میں پیش کرے، پھر بزعم خویش ان کی بدعت پر مسلمانوں سے اپنی نفرت کا اظہار کریں۔

دینے والوں سے نزدیک ہو گئے۔ انھوں نے ان منافقوں کو عہدوں پر مامور کیا اور لوگوں کے امور کو ان کے حوالہ کر دیا۔ اور انہیں کے ہاتھوں دنیا کو ہتھیایا۔ اور لوگ تو وہاں جاتے ہیں جہاں بادشاہ اور دنیا رخ کرتی ہے۔ مگر یہ کہ خدا محفوظ رکھے۔ ان چار میں سے یہ ایک ہے۔

کچھ حدیث نقل کرنے والے ایسے ہیں جو حدیث کو رسول خداؐ سے سنتے ہین لیکن جس توجہ سے سننا چاہیے نہیں سنتے اور غلط بیان کرتے ہیں لیکن ان کا یہ عمل عمداً نہیں ہوتا۔ جو حدیث اس کے پاس ہے اسکو بیان کرتا ہے اور اسپر عمل کرتا ہے اور کہتا ہے ہم نے اسے رسول خداؐ سے سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کو پتہ ہوتا کہ اس نے حدیث سننے میں غلطی کی ہے تو ہر گز اسکو قبول نہ کرتے اور اگر خود اسے معلوم ہوتا کہ یہ حدیث غلط ہے تو اسکو بیان کرنے سے گریز کرتا۔

اور تیسرا وہ ہے جس نے سنا کہ رسول خداؐ نے کسی چیز کا حکم فرمایا اور پھر اسکی نفی کر دی لیکن اس نفی کرنے کا علم اسے نہ ہو سکا یا حضرتؐ نے کسی چیز کی نفی کی اور بعد میں اس کا حکم فرمایا۔ لیکن وہ اس حکم سے بے خبر ہے لہذا جو حکم ہوا اسکی تو اسے خبر ہے لیکن اس کے منسوخ ہونے کی اسے خبر نہیں ہے چونکہ اگر اسے پتہ ہوتا کہ وہ روایت منسوخ ہو چکی ہے تو وہ اسے ترک کر دیتا اور جس وقت مسلمانوں نے اس سے حدیث سنی اگر جانتے کہ منسوخ ہو چکی ہے تو اسے ترک کر دیتے۔

اور چوتھا شخص وہ ہے جو خدا اور رسولؐ کی طرف جھوٹی نسبت نہیں دیتا، خدا سے ڈرتا ہے اور رسول خداؐ کی حرمت کا خیال رکھتا ہے۔ غلطی کا بھی مرتکب نہیں ہوتا جو کچھ اسے یاد ہے وہی ہے جسے اس نے سنا ہے۔ اور جو کچھ سنا ہے

حق تو یہ ہے کہ ابھی تک مسلمان وہابیت سے بڑی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے تھے اس لئے کہ:

ا۔ دعوت وہابیت باطل دعوت ہے لیکن اس پر حق کا لباس پہنا کر پیش کیا گیا ہے لہذا یہ سب سے پہلے توسل کو حرام سمجھتے ہیں اور جو بھی توسل کرے اسے سزا دیتے ہیں اس لئے کہ اسے خدا کے ساتھ شرک سمجھتے ہیں، اور یہ وہی خوارج کی دعوت ہے جنھوں نے امام علیؑ کو (نعوذباللہ) کافر قرار دیا اور کہا تھا کہ: حکم تمہارے لئے نہیں ہے بلکہ حکم صرف خدا کے لئے ہے؟۔

حضرتؑ نے فرمایا:

یہ کلمہ حق ہے لیکن اس سے مراد باطل لیا گیا ہے

حضرتؑ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ہاں: حکم تو بس خدا کا ہے اور یہ بات حق ہے لیکن انھوں نے اس سے باطل مراد لیا ہے، اس لئے کہ اس کے بعد کہتے ہیں کہ: (اے علیؑ حکومت تمہارے لئے نہیں ہے البتہ یہ بات تو طے ہے کہ حکومت صرف خدا کے لئے ہے لیکن خدا نے حکمومت کو اپنے رسولؐ کے سپرد کیا جو ہرگز ہوا وہوس کی بنیاد پر گفتگو نہیں کرتا اور پھر اس نے اپنے اولیاء کے حوالے کر دیا ہے جنھیں رسول خداؐ نے معین فرمایا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان شرعی حق کے ساتھ حکم فرمائیں اور قضاوت کریں۔

بیشک! تشریعی حکم وقدرت سوائے خدا کے اور کسی کے لئے نہیں ہے لیکن اجرائے حکم لوگوں کے لئے ہے جسے خدا کے حضور میں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کے حوالہ کرتے ہیں، میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس بات کو سبھی عقلاء جانتے ہیں پس کیوں کر صحابہ نے اس روز کہا کہ: (اے علیؑ

حکومت تمہارے لئے نہیں ہے) امیر المؤمنینؑ نے ثابت کر دیا کہ وہ حق کو پہچانتے تھے لیکن شبہ پیدا کر کے باطل کی کوشش میں تھے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

اگر تم نے حکم کیا تو ان کے درمیان عدالت کے ساتھ حکم کرو(مائدہ/۴۲)

خداوند عالم تمہیں حکم دیتا ہے کے لمانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالے کر دو اور اگر لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدالت وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو(نساء،۵۸)

ہم نے بر حق کتاب تم پر نازل کی تاکہ جس طرح خدا نے تمہاری ہدایت کی ہے اسی طرح لوگوں کے درمیان حکم کرو(نساء،۱۰۵)

اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ قرار دیا تاکہ لوگوں کے درمیان حق کی بنیاد پر فیصلہ کرو(ص/۲۶)

تاکہ ان کے درمیان اس چیز کی بنیاد پر فیصلہ کرو جسے خدا نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرو(مائدہ/۴۹)

نہیں! تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تاوقتیکہ اپنے تمام باہمی جھگڑوں میں تمہیں اپنا حاکم نہ بنائیں، اور جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے دل تنگ بھی نہ ہو اور اسے خوشی خوشی مان لیں(نساء/۶۵)

ہم نے توریت کو نازل کیا اور اس میں ہدایت ونور کو قرار دیا تاکہ انبیاء اس کے ذریعہ حکومت وفیصلہ کریں(مائدہ/۴۴)

قرآن مجید کی مذکورہ واضح آیتوں کے ذریعہ پتا چلتا ہے خوارج کا دعویٰ صحیح تھا لیکن وہ سوائے فتنہ انگیزی اور لوگوں کو فریب دینے کے اور کچھ مقصد نہ

رکھتے تھے، دعوت وہابیت بھی دعوت حق ہے لیکن وہ سوائے باطل کے کوئی غرض نہیں رکھتے یہ چاہتے ہیں کہ وہ سادہ فکر افراد جو شریعت کے مقاصد سے ناواقف ہیں ان پر ثابت کریں کہ صرف وہی ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں ؛بقیہ سبھی مشرک ہیں اس لئے کہ خدا کے ساتھ بندگان خدا کو بھی مدد کے لئے پکارتے ہیں یہ دعوت حق ہے جو کہتے ہیں کہ خدا نے فرمایا:

مسجدیں خدا کے لئے ہیں لذا خدا کے ہمراہ کسی اور کو نہ پکارو (جن ر ۱۸)

اے رسول کہ دیجئے کہ میں صرف خدا کو پکارتا ہوں اور اس کا کسی کو شریک قرار نہیں دیتا (جن ر ۲۰)

لیکن یہ لوگ رسول خداؐ اور ائمہ ء اطہارؑ سے خدا کے لئے توسل کو حرام قرار دیتے ہیں اور دھوکہ وفریب کے ذریعہ عوام کو سمجھاتے ہیں کہ یہ خدا کے ساتھ شرک ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ یہ چیز ان لوگوں سے قطعی مختلف ہے جو خدا کے لئے ایسے شرکا کے قائل ہیں جو نفع و نقصان پہنچاتے ہیں یا ہر چیز کے لئے الگ خدا ہے مثلاً: خدائے خیر، خدائے شر، خدائے شب، خدائے روز، خدائے صلح، خدائے جنگ، اور خدائے شراب وجوا وغیرہ۔

توسل کرنے والے معتقد ہیں کہ خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اگر خدا کسی کے لئے بھلائی چاہے تو نہ اسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ اس کے حکم کے اوپر کوئی حکم چلا سکتا ہے اور خود خداوند عالم نے لوگوں کو اپنے انبیاء واولیاء کے ذریعہ توسل کرنے کی اجازت فرمائی ہے۔

یہ ہے ان دونوں عقیدوں (شرک و توسل) کے درمیان فرق اور یہی دو گروہ خوارج ووہابیت کے درمیان اتحاد کا عامل بھی ہے۔

خوارج نے کہا: (حکومت سوائے خدا کے کوئی اور نہیں کر سکتا اور وہابیت کہتی ہے

خدا کے سوا کسی اور سے توسل جائز نہیں ہے۔

خوارج کہتے ہیں : اے علیؑ تم حکومت نہیں کر سکتے، اور وہابیت کہتی ہے اے محمدؐ توسل تمہارا حق نہیں ہے۔

ہر دو قول باطل ہیں گرچہ دونوں نے حق کا لبادہ اڑھ رکھا ہے اس لئے کہ حکم و قضاوت صرف خدا کے لئے ہے لیکن خدا نے اسے اپنے بندوں کے لیے جائز قرار دیا ہے تا کہ آپس میں عدل و انصاف کیساتھ فیصلہ کریں۔

اسی طرح وسیلہ صرف خدا ہے لیکن خدا ے تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے جائز قرار دیا ہے کہ وہ اس کے انبیاء و اولیاء کو اس کی بارگاہ میں وسیلہ قرار دیں اور یہ موضوع گذشتہ شریعتوں اور اسلامی شریعت میں موجود تھا، اس لئے کہ سب ایک منبع اور مصدر سے ہی ہیں اور خدا کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

اہل سنت و شیعہ کے یہاں کثرت سے احادیث موجود ہیں جو پیغمبر و غیر پیغمبر سے دنیا و آخرت کی شفاعت کی درخواست کو جائز قرار دیتی ہیں بعنوان مثال عبد اللہ ابن عباس نے رسول خداؐ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

> جو بھی مرے اس کے جنازہ پر ایسے چالیس لوگ کھڑے ہوں (اور نماز پڑھیں) جنھوں نے شرک نہ کیا ہو تو خدا میت کی نسبت ان کی دعا کو قبول فرمائیگا (۵۲)

صحیح مسلم میں عائشہ سے نقل ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

> کوئی بھی ایسا مسلمان نہیں جو مر جائے اور سو (۱۰۰) لوگوں کے قریب ایک جماعت اس پر نماز پڑھے اور اس کی شفاعت کرے اور خدا ان کی شفاعت قبول نہ کرے (۵۳)

البتہ یہ وہابیت کے مدعی کے مطابق شرک ہے اور اس کے مخالف ہے

اس لئے کہ خدا فرماتا ہے:

خدا کے ساتھ کسی کو نہ پکارو

آنحضرتؐ کے اعلیٰ مقام کی نسبت ایسی بوی تہمت والزام سے خدا کی بارگاہ میں پناہ چاہتا ہوں۔

شفاعت کے جواز میں اور بھی احادیث موجود ہیں اور علماء نے کہا ہے کہ مردہ وزندہ کے درمیان فرق نہیں ہے مثلاً سمہودی شافعی نے اپنی کتاب (الوفا باخبار المصطفیٰ) میں حاکم سے نقل کیا ہے اور اس کی اسناد کو عمر بن خطاب سے تصحیح کرایا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

جس وقت آدمؑ ترک اولیٰ کے مرتکب ہوئے تو کہا پروردگارا میں تجھے بحق محمدؐ قسم دیتا ہوں مجھے بخش دے خدا نے فرمایا اے آدمؑ: تم نے محمدؐ کو کس طرح پہچانا جبکہ ہم نے ان کو ابھی پیدا نہیں کیا ہے۔

آدمؑ نے عرض کیا! اے میرے پروردگار جس وقت تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے خلق کیا اور اپنی روح کو مجھ میں داخل کیا میں نے اپنے سر کو بلند کیا اور دیکھا ستون عرش پر تحریر ہے لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ ۔...... خداوند عالم نے فرمایا: تم نے سچ کہا اے آدمؑ وہ میرے نزدیک مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب ہے اور چونکہ تم نے اس کے حق کی قسم دی ہے (اور اسے اپنا شفیع قرار دیا ہے) لہذا میں نے تمکو بخش دیا اور اگر محمدؐ نہ ہوتے تم کو خلق نہیں کرتا (۵۴)

امام مالک نے بھی اسی توسل کی طرف اشارہ کیا ہے لذا منصور عباسی سے کہتے ہیں: (ان سے اپنے رخ کو نہ موڑو اس لئے کہ وہ خدا کے نزدیک ہیں اور تیرے باپ (آدمؑ) کے شفیع ہیں۔

چنانچہ سامری حنبلی کرمانی حنفی اور علماء شافعی حضرت رسول خداؐ کی وفات کے بعد انکو وسیلہ قرار دینے کے قائل ہیں امام شافعی نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد آپ کو وسیلہ قرار دیا۔

اور ابو حنیفہ سے ان کی وفات کے بعد شفاعت مانگی اور اہل مغرب نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امام مالک کی وفات کے بعد ان سے متوسل ہوئے اور احمد بن حنبل نے شافعی کو شفیع بنایا؛ یہ علماء وفقہائے اسلام ہیں پس وہ کون تند خو بدخو ہے جو توسل کو قبول نہیں کرتا؟۔

بہر حال خدا کے حضور میں، توسل، دعا، مناجات اور اسکے مقرب بندوں کو شفیع قرار دینے کی حرمت پر وہابیت جو بھی استدلال پیش کرے عوام کو فریب دینا ہے، اور یہ تمام آیات ان جن وانس کی رد میں ہے جو رنگ برنگ خداؤں کی اس خیال سے پرستش کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ان کے شفیع ہوں گے۔

وہابیت کا یہ قول امت محمدؐ پر منطبق نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ ایک خدا کے والی اور توحید واخلاص کی امت ہے یہی ہیں جو صبح وشام سورہء توحید کی تلاوت کرتے ہیں:۔

﴿قل ھواللہ احد اللہ الصمد، لم یلد ولم یولد، ولم یکن لہ کفواً احد﴾

(اے پیغمبر کہہ دیجئے اللہ ایک ہے وہ سب سے بے نیاز ہے (اور سبھی اس کے نیاز مند ہیں) نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ ہی اسے کسی نے جنا اور نہ اس کا کوئی ہم پلہ ہے)

اس حقیقت کی طرف رسولخداؐ اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خدا کی قسم میں ہر گز نہیں ڈرتا کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے بلکہ اس بات پر خائف ہوں کہ دنیا (خلافت) کے لئے جھگڑا کرو (۵۵)

اور یہ امت محمدؐ کے مشرک نہ ہونے پر واضح و روشن دلیل ہے اسی طرح اس بات پر بھی دلیل ہے کہ امت محمدؐ آپ کے بعد دنیا اور قدرت طلبی کے متعلق نزاع کرے گی اور اپنے ماضی کی طرف پلٹ جائے گی اور وہ حکم دی گے جس کو خدا نے نازل نہیں کیا اور یہ وہی چیز ہے جو ظلم، تباہی، اور حتیٰ کفر کا باعث ہو گی لیکن ہر گز شرک کا باعث نہ ہو گی اور خداوند عالم نے بھی اس حقیقت کا اعلان قرآن کریم میں کیا ہے:

جو اس چیز کی بنیاد پر حکم نہ کرے جسے خدا نے نازل کیا ہے تو وہ کافر ہے (مائدہ ر ۴۴)

جو بھی اس چیز کی بنیاد پر حکم نہ کرے جسے خدا نے نازل کیا ہے تو ایسے لوگ ستمگر ہیں (مائدہ ر ۴۵)

جو بھی اس چیز کی بنیاد پر حکم نہ کرے جسے خدا نے نازل فرمایا ہے تو ایسے لوگ فاسق وبد کار ہیں (مائدہ ر ۴۷)

اور یہ وہی مصیبت ہے جو رسولخداؐ کے بعد سے آج تک امت اسلامی کے درمیان موجود ہے، اس لئے کہ وہ قوانین ودستور جو خود بشر کے ہاتھوں بنے تھے اور ذاتی اجتہاد سے وضع کئے گئے تھے اس کو شریعت میں داخل کر دیا گیا اور اس طرح احکام خدا میں تبدیلی پیدا کر دی گئی لیکن اس کے باوجود خدا ان کو مشرک نہیں کہتا بلکہ ظالم، فاسق اور کافر سمجھتا ہے۔

یہ ہم سبھی جانتے ہیں کہ اسلامی اور عرب ممالک کے روساء اور بادشاہ

کبھی وہ حکم دیتے ہیں جو کتاب خدا کے بر خلاف ہوتا ہے لیکن ہم انھیں ہر گز مشرک نہیں کہتے اس لئے کہ وہ خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ اس سے بڑھکر اگر یہود و نصاریٰ خدا کے لئے فرزند کے قائل نہ ہوں تو انھیں موحد سمجھیں گے اور انھیں کافر نہیں کہیں گے۔

خداوند عالم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے :

اور جب خود یہودیوں کے پاس توریت موجود ہے اور اس میں حکم خدا موجود ہے تو پھر تمہارے پاس فیصلہ کرانے کیوں آتے ہیں اور پھر اس کے بعد تمہارے فیصلہ سے پھر جاتے ہیں یہ لوگ باایمان نہیں ہیں (مائدہ ر ۴۳)

جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس کے مطابق اہل انجیل کو حکم کرنا چاہئے اور جو بھی خدا کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہ کرے وہ فاسق وبدکار ہے (۵۶)

بات واضح ہے اور مزید توضیح کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ وہابیت نے رنگ و نسل و شہرت کے لحاظ سے مسلمانوں کے مختلف مقدس مقامات پر قبضہ کر رکھا ہے مکہ ء مکرمہ جس میں خانہ خدا ہے اور ہر سال مسلمان فریضہ ء حج کی ادائگی کے لئے وہاں آتے ہیں یہ اسلام کا رکن شمار کیا جاتا ہے اور مسلمان خانہء خدا کے طواف ، مشعر میں وقوف ، صفاو مروہ کی سعی ، عرفہ میں قیام ، کی بے انتہا آرزو رکھتے ہیں کہ کم از کم عمر میں ایک مرتبہ اس کی زیارت کر سکیں۔

مدینہ منورہ جہاں مسجد النبیؐ ہے اور قبر نبیؐ بھی اسی مسجد میں ہے آنحضرتؐ کے آثار ، مثلاً : محراب ، آپ کا منبر ، اور آپ کی تربت مطہر بھی وہاں موجود ہے

اسی طرح بقیع بھی مدینہ میں ہے جس میں صحابہ اور آنحضرتؐ کی بیویوں کی قبریں ہیں اور اہل بیتؑ کی بھی قبریں ہیں اس کے علاوہ دیگر مقدس مقامات جیسے شہداء کے مقبرے، کوہ احد، اہم مسجدیں جیسے مسجد قبلتین، مسجد قبا بھی مدینہ منورہ میں ہے۔

وہابیوں نے ان جگہوں پر مادی و معنوی ہر لحاظ سے قبضہ کرر کھا ہے اور مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعہ کبھی ترغیب دیکر اور کبھی دھمکا کر اپنے مذہب کی ترویج کرتے ہیں خصوصاً حج کے موسم میں جب دنیا بھر سے لاکھوں حاجی اکٹھا ہوتے ہیں تو مختلف جلسہ اور کانفرنسیں منعقد ہیں۔اور وہابیت کے زر خرید افراد جماعتوں، گروہوں، کے درمیان براہ راست وہابیت کی تبلیغ کرتے ہیں اس کے علاوہ تمام طاقتور تبلیغاتی وسائل مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن، ان کی خدمت میں ہیں جو حاجیوں پر اچھا خاصہ اثر ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے بحث و مناظرہ و گفتگو سے کنارہ کش ہو کر صرف خداوند عالم کی عبادت کرتے ہیں۔

۳۔ تیل کی فروخت کے ذریعہ عظیم سرمایہ ہاتھ آتا ہے اور حج و عمرہ میں بلاوقفہ اقتصادی نفع ہوتا رہتا ہے ان سب سے وہابیت مدد کرتے ہیں تاکہ ساری دنیا میں پھیل جائیں اور بالخصوص ائمہ جماعت و مساجد کے درمیان کثرت سے پیسہ تقسیم کرتے ہیں تاکہ ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کریں، حتیٰ تمام عربی ممالک کے پایہ تختوں میں بے شمار مسجدیں تعمیر کی ہیں جن میں بلا استثناء وہابیت کی تبلیغ ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ مدارس، کالج، یونیورسٹیاں، کثرت سے بنائی گئی ہیں جن میں وہابی مبلغین فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور پوری دنیا میں پھیل جاتے ہیں اور شب و روز لوگوں کو اپنے جدید مذہب کی طرف دعوت دینے میں لگے رہتے ہیں۔

اسی طرح بے شمار پریس اور پبلیکیشن تیار کئے گئے ہیں اور سیکڑوں اخبار، میگزین، (ہفتہ وار اور ماہوار) جرائد کا پیسہ سے پیٹ بھرتے ہیں، اور ان سے اپنے مذہب کی خدمت لیتے ہیں ؛ کروڑوں ڈالر زر خرید قلم کاروں پر خرچ کیا ہے تاکہ اپنے مذہب کی حسب منشا تائید اور مخالفین کی تکفیر پر تحریر و تالیف کرائیں۔

اسی طرح کروڑوں جلد قرآن و کتاب جو انکے مذہب کی تائید میں ہے بطور ہدیہ تمام دنیا میں تقسیم کرتے ہیں ؛ اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ خلیجی جنگ کے بعد ان کی نسبت لوگوں کی نفرت کے پیش نظر زائران خانہء خدا کے درمیان ماہ رمضان میں دودھ اور خرما اور واپسی کے وقت ایئر پورٹ پر آب زمزم کی بوتلیں بطور ہدیہ دینے لگے ہیں جس پر لکھا ہوتا ہے (خادم الحرمین کا ہدیہ) جبکہ پہلے حاجیوں کو پلین میں آب زمزم لے جانے سے روکتے تھے۔

۴۔ بین الاقوامی روابط جو وہابیت کو امریکا سے دوستی کی بنیاد پر حاصل ہیں اس نقطہ کے پیش نظر کہ امریکا تمام عرب ممالک بلکہ روسی بلاک کے ٹوٹنے کے بعد تمام دنیا پر بالواسطہ یا بلا واسطہ رابطہ رکھتا ہے۔

یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ مشرق وسطیٰ میں امریکی منافع خصوصاً ایران میں شہنشاہیت کی تباہی اور اسلامی جمہوریہ کا قیام اور پھر اس منطقہ میں امریکی منافع کو لاحق خطرہ کی مخالفت وہابیت ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔

اہل فہم حضرات سے یہ بات چھپی نہیں ہے کہ وہابیت امریکا کی داہنی آنکھ ہے جیسے اسرائیل بائیں آنکھ ہے لیکن امریکا جو چاہتا ہے وہابیت سے لیتا ہے اور اسرائیل کے حوالہ کر دیتا ہے کیونکہ امریکا تخت شہنشاہی کی حفاظت میں بڑی محنت کرتا ہے اور حکومت وہابیت کی بقا اور اس کے مخالفین کو کچلنے کے لئے (سی، آئی، اے) کی بڑی قوت صرف کرتا ہے اور اسرائیل کو جو چاہتا ہے دیتا ہے

بغیر کسی کمی لور اضافہ کے وہی روایت کرتا ہے پس ناسخ کو ذہن میں محفوظ کیالور اسپر عمل کیالور منسوخ بھی ذہن میں تھااس سے پرہیز کیا۔ خاص و عام کو سمجھا، محکم و متشابہ کو پہچانالور ہر ایک کو اسی جگہ پر قرار دیا۔ لور کبھی ایسابھی ہوتا ہے کہ حدیث رسولؐ کے دو طرح کے معنی ہوتے ہیں۔ایک خاص گفتگو ہوتی ہے لور ایک عام گفتگو ہوتی ہے ممکن ہے کوئی سننے کے بعد نہ سمجھ پائے کہ خدااور رسولؐ اس سے کیا چاہتے ہیں؟ پس سننے والا تاویل کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس کلام کو سمجھے یااس کے مقصود کو جانے یایہ نہ جانے کہ یہ کیوں بیان ہوئی ہے۔ رسول خداؐ کے تمام اصحاب تواس طرح کے نہ تھے کہ آنحضرتؐ سے پوچھیں لوراس کے معنی کو معلوم کریں۔بلکہ وہ تو منتظر رہتے تھے کہ کوئی صحرائی عرب پہنچے لور رسولؐ سے سوال کرے،اس طرح انھیں بھی معلوم ہو جائے۔ لیکن یہ بات میرے ساتھ نہ تھی میں نے (حدیث) کے معنی کو دریافت کیالور اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔ روایتوں میں اختلاف کا سبب یہی مذکورہاتیں ہیں (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۲۱۵)۔

امیر المؤمنین و سید الخطباء کی اس گفتار سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت کے ماخذ تک پہنچنااور شریعت کے مقاصد کو درک کر لینا بہت مشکل ہے۔ جبکہ رسول اسلامؐ کی وفات کو ۲۵ سال سے زیادہ نہ گذرا تھااور خود امامؑ اور دیگر اصحاب زندہ تھے اور احادیث کی تصحیح اور اس کا تصفیہ کر سکتے تھے۔ ایسے میں امام کی روایت کی کیفیت سے متعلق امام کی تحلیل کو پیش نظر رکھیں تو مذکورہ بلا نتیجہ نکلتا ہے تو پھر آج چودہ صدیاں گذرنے کے بعد امت اور مختلف مذاہب کے درمیان اختلاف کی کیا صورت حال ہو گی؟اس کے پیش نظر ایک محقق کیلئے ضروری ہے کہ کسی گروہ کی تائید یارد کرنے سے پہلے پوری احتیاط اور دقت سے کام لے۔اور اگر میں

اس لئے کہ اسرائیل امریکا کے صدر جمہوریہ کی کامیابی کا ضامن ہے اور امریکا حتیٰ یورپ میں بھی کامیابی کی ضمانت یہودی اوٹ ہیں۔

یہ ایک دوسری بحث ہے جس کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے لیکن جو چیز اس وقت ہمارے لئے اہم ہے وہ یہ ہے کہ وہابیت کا امریکا سے براہ راست ربط ہے اسی لئے دنیا کے تمام عربی اور اسلامی ممالک میں وہابیت بڑی ہیبت کی مالک ہے، مثلاً جن عربی واسلامی ممالک میں نماز کے بعد مسجدوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں وہ اس لئے ہے کہ انھیں خوف ہوتا ہے کہ تخریب کار وہاں اپنے افکار کو پھیلائیں گے لیکن وہیں وہابیت کی تبلیغ کے لئے مسجدوں کے دروازے کھلے رکھے جاتے ہیں تاکہ وہ جس درجہ چاہیں اپنے افکار کی ترویج و تبلیغ کریں۔

وہابیت کو مشروعیت اس وقت حاصل ہوئی جب اس نے اپنے زیر سایہ ممالک کی بڑی مقدار میں مدد کی اور ان کے اقتصادی پروجیکٹوں کو مکمل کیا، پھر یہ فقیر و نیاز مند ممالک وہابیت کی شرائط کو کیوں قبول نہ کریں کہ وہابیت خود تو اپنی نشر واشاعت کرتی ہے لیکن جو کتابیں، میگزینیں وہابیت کی حقیقت بیانی کرتی ہیں ان کو بند کردیں۔

حتیٰ یہ بات خود فرانس میں جو کہ خود کو طاقتور حکومت سمجھتا ہے عمل میں آئی جبکہ فرانس خود انسانی حقوق و آزادی کا مدافع ہے، سلمان رشدی اور اس کی کتاب کا دفاع کرتا ہے لیکن کتاب (تاریخ آل سعود) کو منع کرتا ہے اور عمومی کتاب خانوں سے اکٹھا کرلیتا ہے کیوں؟۔

اس لئے کہ اس کتاب نے وہابیت کو رسوا کردیا اور جس وقت آپ علت تلاش کریں گے تو کہا جائے گا سعودیہ نے ۱۹۸۹ء میں فرانس کو ایک یقینی

اقتصادی زوال سے نجات دی تھی اور ستّر (۷۰) کروڑ یا شاید اس سے زیادہ کی رقم بخش دی تھی۔

اس کے بعد سے صرف پیرس میں سیکڑوں مسجدیں وجود میں آگئیں جن میں وہابیت کی ترویج ہوتی ہے جبکہ مرکز اہل بیتؑ کو بند کر دیا گیا اس لئے کہ یہ ٹیروریزم اور تخریب کاری کا مرکز ہے! چنانچہ جو بھی مکتب اہل بیت کی طرف میلان رکھتا ہو فرانسیسی پلیس اس کا تعاقب کرتی ہے لیکن وہابیت اور اس کے پیرو پوری آزادی کے ساتھ پرورش پا رہے ہیں۔

انکے متعلق یہ مختصر وضاحت تھی لیکن پس پردہ کیا کیا پوشیدہ ہے اس کے خطرات سے تو بس خدا آگاہ ہے لہذا میں پھر تکرار کرتا ہوں کہ مسلمان وہابیت سے بدتر اب تک کسی اور مصیبت سے دوچار نہیں ہوئے۔

خوارج اور وہابیت میں اتحاد

خوارج (حاکمیت صرف خدا کے لئے ہے) کے ذریعہ شبہ پیدا کرتے ہیں اور اس وقت وہابیت (عبادت صرف خدا کے لئے ہے) کے ذریعہ شبہ پیدا کر رہی ہے البتہ یہ دونوں دعوتیں اگر بدون قرینہ اور بغیر کسی تعلیق کے ہوں تو اس میں کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے لیکن اس کو ایک سیاسی شبہ یا دوسروں کے عقائد کی مخالفت کے لئے استعمال کرتے ہیں لذا یہ ایک جعلی اور باطل دعوت ہو جاتی ہے بھلے ہی اس نے حق کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو۔

خوارج کی دعوت روز اول ہی دفن کر دی گئی اس لئے امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ نے اس کو رسوا کر دیا اور ان کے جھوٹ کی حقیقت کو عیاں کر دیا۔

اور پھر امامؑ اپنی پوری قوت کے ساتھ تیار ہوئے اور ان سے ایسی جنگ کی جس کی مثال پہلے نظر نہیں آتی، اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے حضرت رسولخداؐ کی وصیت پر عمل کیا اور ان کو ان کی دعوت کے ساتھ قیامت تک کے لئے واصل جہنم کر دیا۔

لیکن افسوس کہ وہابیت کی دعوت کو قوت حاصل ہو گئی اور اس نے ہر جگہ

پھیل کر جڑ پکڑ لی اس لئے کہ شروع میں اسے انگلینڈ، امریکا، اور یورپ کی حمایت حاصل تھی اور اس کی وجہ ملت کے سیاسی تجزیہ نگار اور روشن خیال افراد جانتے ہیں؛ خاص کر اس وقت جب یورپ عموماً اور امریکا خصوصاً اسلام سے جنگ میں مصروف ہے اور اسلام کو اپنے مصالح اور منافع کے لئے واحد خطرہ محسوس کرتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے رکھا ہے اور متحد ہو گئے ہیں اور اسی طرح وہ بے وقفہ اس کوشش میں اسلامی جمہوریہ ایران کے ساتھ جنگ کریں اور اس کو پوری قوت اور ہر طرح کے پروپگنڈہ کے وسائل کے ذریعہ نابود کر ڈالیں۔

حتیٰ انکے بعض سربراہوں نے تاکید کی کہ ہے تمام خطرناک ہتھیار واسلحے قوت کے مظہر صدام کے ہاتھوں میں دے دیں کہ اسلامی ایران کو نابود کر ڈالے لیکن جس وقت ان کا نقشہ ناکام ہو گیا اور خود عراقی مجاہدین عراق کے اندر وباہر قوی ہو گئے، تو انھیں فکر ہوئی کہ عراق (جس میں دو تہائی سے زیادہ شیعہ ہیں) میں بھی امام خمینیؒ کا تجربہ کہیں دہرایا نہ جائے اور ایرانی انقلاب کے ساتھ عراقی انقلاب متحد نہ ہو جائے اور یہی وہ مقام تھا جہاں انھوں نے اور گھناونا کھیل کھیلا چنانچہ کویت کے قبضہ اور جنگ خلیج فارس کا ڈرامہ رچا اور اس کا مقصد صدام کی نابودی نہ تھا جیسا کہ وہ مدعی ہیں بلکہ ان کا مقصد عراقی عوام کی نابودی تھی۔

جو کہ (ستر فی صد) شیعہ ہیں اور ہوا بھی یہی کیوں کہ کویت کی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی اور صدامی حکومت پہلے کی بہ نسبت اور قوی ہو گئی لیکن عراقی مظلوم عوام کی زندگی ایسی تباہ ہوئی کہ وہ ایک ٹکڑے روٹی کے لئے اسا سہ زندگی حتیٰ اپنا لباس تک بیچنے کے لئے تیار ہیں۔

اور یہی وہ مقام تھا جہاں وہابیت نے شیعوں پر غلبہ حاصل کیا خصوصاً اس وقت جب سعودی کیمپوں میں شیعوں کو نہایت ذلت ورسوائی کے ساتھ جگہ دی گئی تاکہ مسلسل ٹارچر، اذیت، آزار، اور اہانت کا مزہ چکھتے رہیں۔

پروردگار عالم کا قول ملاحظہ ہو:

تم سے یہود ونصاریٰ راضی نہ ہوں گے مگر یہ کہ تم ان کی پیروی کرلو اور ان کے تابع بن جاؤ (بقرہ/۱۲۰)

اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہودی وعیسائی جن کی اکثریت امریکا اور یورپی ممالک میں ہے، وہ وہابیت سے محبت اور اظہار دوستی کرتے ہیں اور وہابیت سے راضی ہیں کیوں کہ وہابیت نے بھی ان سے اپنی دوستی ثابت کردی ہے لیکن یہ یہودی و عیسائی عراق، لبنان، ایران حتیٰ ایران کے شیعوں پر برافرختہ ہیں تمام پروپگنڈہ کرنے والے اداروں کو شیعوں کو برا دکھانے، ان کی توہین کرنے اور ان پر قدامت پرستی، شدت پسندی اور تعصب و...... و...... جیسی تہمتیں لگانے کے لئے خرید رکھا ہے۔

اور یہ سارے تبلیغاتی وسائل جو وہابیت کی جانب سے خوراک پاتے ہیں مسلمانوں سے شیعوں کو متنفر کرنے، ان کے درمیان عقائد میں شکوک واختلاف پیدا کرنے اور بعض منفی رفتار جو کچھ جاہل ونادان عوام کے ذریعہ خاص مراسم میں سامنے آتی ہیں ان کو ثابت کرنے میں کامیاب ہوگئے اسی طرح بزرگ مراجع پر کھلم کھلا طعن کرنے اور ان کی عدالت میں شبہ پیدا کرنے کے ساتھ یہ تہمت کہ (مراجع اموال مسلمین کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں تاکہ ان کی اولادیں احمقوں کی طرح اڑائیں پڑائیں) لگانے میں بھی کامیاب رہے ہیں۔

اسی طرح بعض شیعہ ں کی خرید نے میں بھی کامیاب ہو گئے جو گمراہی اور راستہ سے بھٹک جانے کا علم بلند کریں

خدا کی قسم ایسا زمانہ نہیں گزرا جو شیعوں کے لئے اس سے خطرناک ہو اور مخلص و دلسوز شیعوں کو چاہئے کہ امور کو گہری نگاہ سے دیکھیں اس لئے کہ یقینی خطرہ درپیش ہے البتہ ان کا صبر واخلاص، خیر و نیکی کا سبب ہے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اختلاف و تنازع نہ کرو کہ (اختلاف کی وجہ سے) کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہمت اکھڑ جائی گی اور اسی طرح صبر کرو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (انفال/۴۶)

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ خوارج نے (حاکمیت صرف خدا کے لئے ہے) کی بنیاد پر شبہ پیدا کیا تھا اور وہابیت مقولہ (بندگی صرف خدا کے لئے ہے) پر قائم ہے گرچہ یہ دونوں مقولے ایک دوسرے سے کافی مشابہ ہیں لیکن مقولہ وہابیت مقولہ خوارج سے کہیں زیادہ قوی ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے پہلے عمر وابوبکر نے حکومت کی تھی اور ان قوانین کے ساتھ حکومت کی جو مجموعاً نصوص قرآن وسنت کے مخالف تھی لیکن کسی نے ان کی مخالفت نہ کی یا کم از کم تاریخ نے کسی قابل ذکر مخالفت کو ذکر نہیں کیا لوگوں نے بھی خلفاء کے قوانین کو قبول کر لیا اور ان کی عادت کر لی اور اس کو خداوند عالم کا حکم سمجھنے لگے اور ان سے جس درجہ ممکن ہوا اس کی عجیب وغریب تاویل بھی کر ڈالی اس لحاظ سے خوارج نے مسلمانوں کے دلوں پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا کیوں کہ وہ سقیفہؑ نی ساعدہ کی تھیوری کے قائل تھے جو عوام کو حاکم کے انتخاب میں آزاد قرار دیتی ہے اور خدا کے انتخاب پر کوئی ایمان نہیں

رکھتی۔

اور پھر سقیفہ بنی ساعدہ کی تائید میں آیتیں بھی بیان کرتے جن کو آیات شوریٰ کہتے ہیں مثال کے طور پر یہ آیت ملاحظہ ہو ﴿اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم﴾ (نساء/۵۹) سے خدا، رسول اور اولی الامر بشر کے ہاتھوں منتخب حاکم کی اطاعت کو واجب سمجھتے ہیں اور اس کے ذریعہ استدلال پیش کرتے ہیں اور بھی بہت سی حدیثیں نبیؐ کی زبانی نقل کرتے ہیں جو حاکم کی اطاعت کے وجوب کو ثابت کرتی ہیں۔

لذا مقولہ خوارج اور ان کی جانب سے پیدا کیا جانے والا شبہ اگر خود حضرت امیرؑ اسے رسوا نہ کرتے تو بھی مسلمانوں کے نظریہ کے لحاظ سے فنا ہو جاتا چونکہ یہ مقولہ ان کے لئے نیا تھا اور ان کی حکومت کے مفہوم کے ساتھ سازگار نہ تھا لذا اس کی تائید نہ ہوئی خصوصاً حکومت کی ہوس رکھنے والے امویوں اور عباسیوں کی طرف سے بھی جن کی تعداد اچھی خاصی ہے۔

لیکن وہابیت کا شبہ جو مقولہ (بندگی صرف خدا کے لئے) ہے کون مسلمان ہے جو اس کو قبول نہیں کرتا یا اس کے وجوب کا معتقد نہ ہو اور وہابیت ہمیشہ اس آیت کا رد کرتی ہے

اور انھیں کوئی حکم نہیں دیا گیا سوائے پروردگار کی عبادت کے خلوص کے کہ ساتھ اس کو پکاریں اور اس کے دین پر ایمان لائیں نماز پابندی سے ادا کریں ، زکاۃ نکالیں اور سچ اور پائیدار دین یہی ہے (بینہ/۵)

وہابیت نے کوتاہ فکری کے زمانہ میں بعض جاہلوں کے عادات واطوار کو اپنا نشانہ بنایا اس زمانہ میں شعبدہ بازی وحیلہ گری زیادہ ہو گئی اور یہ دھوکہ باز استعمار سے خوراک پاتے تھے لہذا وہابیوں نے اس کو مسلمانوں کی تکفیر اور ان کو

مشرک قرار دینے کے لئے قطعی دلیل قرار دیا اور ان کے قتل کو مباح جانا اور مسلسل خونریزی جنگوں کے ذریعہ مقامات امن (مکہ ومدینہ) مسلط ہو گئے۔

جن دلیلوں پر وہابیت تکیہ کرتی ہے اگر ہم اس پر ایک نظر ڈالیں مثلاً خدا کا وہ قول جس میں فرماتا ہے

مسجدیں خدا کے لئے ہیں لہذا خدا کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو (سورۂ مبارکہ جن ۱۸)

تو ہمیں اندازہ ہو گا کہ ان کی اس گفتار میں خوارج سے شباہت موجود جو کہتے ہیں کہ حاکمیت صرف خدا کے لئے ہے اور خدا فرماتا ہے

ان کا سوائے خدا کے کوئی یار و مددگار نہیں اور کوئی بھی اس کے حکم میں شریک نہیں۔

مذکورہ آیت تو حکم خدا میں کسی اور کی شرکت کی نفی کرتی ہے لیکن اس کے بر خلاف بے شمار دوسری آیتیں موجود ہیں جن میں انسان کو حاکمیت کا حق بخشا دیا ہے ان میں سے بعض کا تذکرہ اور پھر ان کی تفسیر ہم نے پیش کی کہ ان آیات کے درمیان کوئی تناقض نہیں ہے اس لئے کہ تشریعی حاکمیت خدا کے لئے ہے اور کوئی بھی اس میں شریک نہیں ہو سکتا چاہے پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ (۵۷)

خداوند عالم اس کے متعلق فرماتا ہے:

اور اگر وہ (پیغمبر) ہماری بہ نسبت کوئی جھوٹ بات کہتے تو ہم ان کی گردن اڑا دیتے اور تم میں سے ہمیں کوئی بھی روک نہیں سکتا (حاقہ ۴۴ / ۴۷)

لیکن اجرائے حاکمیت کو خداوند عالم نے ان انبیاء وائمہ کے لئے قرار دیا ہے جن کو خود اس نے منتخب کیا ہے اور اس تفسیر کے بعد آیتوں کے معنیٰ میں اختلاف نہیں رہتا؛ اسی طرح وہ آیت جو خدا کے ہمراہ کسی اور سے متوسل ہونے

کو روکتی ہے کے مقابل ایسی آیتیں موجود ہیں جو انسان کو بارگاہ الٰہی میں اس کے انبیاء واولیاء سے توسل کا حق دیتی ہیں۔

لیکن ان دونوں آیتوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ پہلی آیت میں مقصود بندگی و عبادت ہے جو خدا کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے لیکن دوسری آیتیں بیان کرتی ہیں کہ خداوند عالم نے اپنے انبیاء واولیاء کو وسیلہ قرار دیا ہے۔

وہابیت اور وہابیت سے متاثر تمام مسلمانوں کے لئے اس مشکل مسئلہ کی وضاحت کی خاطر بہتر ہوگا اس گفتگو کو ملاحظہ فرمائیں جو میرے اور ایک وہابی کے درمیان ہوئی یقیناً آپ سب کے لئے مفید ہوگی جسے میں بغیر کسی کمی زیادتی کے پیش کر رہا ہوں۔

۱۹۸۳ء کی بات ہے میں اسلام میں عورتوں کے حقوق کے عنوان سے ایک مقالہ لکھنے میں مصروف تھا اسی دوران بعض رسالوں کے مطالعہ کے درمیان ہمیں پتہ چلا کہ جزائر (کومور) میں مسلمان عورت مرد پر برتری رکھتی ہے (یعنی عورت شاہی ہے) عورت ہی گھر بناتی ہے اس کے تمام وسائل مہیا کرتی ہے اور شادی کے بعد مرد کو رخصت کر کے اپنے گھر لاتی ہے اور اگر چاہے تو خود مرد کو طلاق دیتی ہے اور اپنے گھر سے باہر نکال دیتی ہے یہاں تک کہ بازار میں بھی عورت کام کرتی ہے لیکن شوہر کا کام صرف دریا سے مچھلی شکار کرنا، کھیتوں میں کام کرنا، یا پھر اشیاء لا کے عورت کے حوالہ کرنے تک ہے تاکہ عورت اسے درست کرے اور خرید و فروخت انجام دے خلاصہ مرد شاہی کے بجائے عورت شاہی ہے۔

چنانچہ ایک پر مشقت سفر کر کے اس دیار میں پہنچا مجھے پتہ تھا کہ فرانس

نے اپنی گذشتہ کتابوں اور علمی و تاریخی تحقیق میں ثابت کیا کہ اثنا عشری امامیہ شیعہ ہی کامیاب اور نجات پانے والا گروہ ہے اور اسلام کی صحیح راہ کو واضح کرتا ہے۔ تو یہ وہ دوانہ تھی جو میری زندگی میں تبدیلیوں کے سبب موجودہ صورتحال کی پیداوار ہو۔ بلکہ یہ وہ حقیقت ہے جو قرآن و سنت سے حاصل ہوئی ہے اور جسے جھوٹ اور تحریف سے محفوظ سچی تاریخ نے ثابت کیا ہے اور وہ عقل کہ جسے خدا نے دلیل کو درک کرنے اور تشخیص دینے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے اس نے اس حقیقت کی طرف ہدایت پائی ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

اے پیغمبر میرے بندوں کو بشارت دو انھیں (بندوں) جو کسی بات کو سنتے ہیں تو بہتر کی تلاش میں رہتے ہیں یہی ہیں وہ لوگ جنکی خدا نے ہدایت کی ہے عقلمند ہیں۔ (زمر / ۱۸)۔

اور جن لوگوں نے اپنی عقلوں کو کنارے چھوڑ دیا ہے اور بالآخر عذاب کے مستحق ہوئے ہیں ان کے متعلق فرماتا ہے:

اور انہوں نے کہا اگر ہم سنتے یا سمجھتے (عقل رکھتے) تو ہرگز جہنمیوں اور دوزخیوں کا حصہ نہ بنتے۔ (ملک / ۱۰)۔

ان سب کے باوجود میں نے اپنی کتابوں میں جن روشن دلیلوں کو پیش کیا ہے اس کے بر خلاف بعض ایسے ہیں (خدا انھیں معاف کرے) گویا وہ عقل و دماغ سے نہیں پڑھتے بلکہ احساسات سے مطالعہ کرتے ہیں لہذا جو ان کے منشاء کے مطابق ہوگا اور انکی خواہشات سے میل کھاتا ہے اسے ہی پڑھتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے طے کرلیا ہے کہ جو چیز بھی ان کے عقیدہ کے مخالف ہو اسکی مخالفت کریں اور جو کچھ انکی خواہشات کے مطابق نہیں ہے اسکی اہانت کریں۔

نے تین جزیروں کے خود مختار ہونے پر دستخط کردیا ہے لیکن ایک جزیرہ کو روک رکھا ہے جزائر (کومور) عرب ممالک تنظیم کے رکن ہیں اور اس تنظیم کے تعاون سے بہرہ مند ہیں جس نے تیونس اور دوسرے ملکوں کے اساتذہ کی ایک تعلیمی کمیٹی بھیجی ہے جو ان بچوں کو عربی سکھائے جو زیادہ تر عرب اور یمنی الاصل ہیں اور انھیں (حضارمہ) کہتے ہیں ان کے درمیان پیغمبر کی نسل سے سادات موجود ہیں جو فرانسیسی اور مقامی زبان کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں بھی گفتگو کرتے ہیں اور سوائے شافعی مذہب کے اور کسی مذہب کو نہیں جانتے۔

ایرپورٹ پر ہماری ملاقات ایک تیونسی استاد سے ہوئی جس سے میں بیس سال پہلے جوانوں کے ایک مرکز سے آشنا ہوا تھا اسے میں پہچان گیا اور اس نے بھی مجھے پہچان لیا اس نے اپنے گھر آنے کے لئے مجھے دعوت دی اس کی بیوی بچے تیونس گئے ہوئے تھے اور وہ خود تنہا تھا میں نے بھی قبول کرلیا اور اس کے گھر چلا گیا۔

اس قیام کے درمیان میں قاضی القضات اور جناب مفتی صاحب سے آشنا ہوا اور ان کیساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو کی ان لوگوں نے بھی مجھ پر اعتماد کیا چوں کہ سمجھ گئے تھے کہ میں اہلبیتؑ کا پیرو ہوں اس لئے میرے دوست بن گئے۔

اور وہابی علماء کی شکایت کرنے لگے جو بڑی کثرت سے پیسہ اور کتاب لے کر آتے ہیں اور بہت سے جوانوں کو اپنی صف میں شامل کرلیا ہے اور کہنے لگے نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ جو اولادیں کل تک والدین کا احترام کرتی تھیں اور ان کے ہاتھ اور پیشانی کا بوسہ دیتی تھیں اب وہ ان پر برافروختہ ہوگئی ہیں اور یہ ادب جو کئی نسلوں سے انھیں ورثہ میں ملا تھا ترک کر بیٹھے ہیں۔

جب کہ رسولخداؐ نے فرمایا ہے:

کہ جو بچوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کا احترام نہ کرے اور علماء کے حق کو نہ

پہچانے وہ مجھ سے نہیں ہے (مسند احمد ر ج ۲، ص ۲۰۷ ؛ المعجم الکبیر ر ج ۱۱ ص ۴۴۹)

اور عرب شاعر نے کہا ہے معلم کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اسکے احترام کا خیال رکھو اس لئے کہ معلم کا مقام پیغمبر کے مرتبہ سے قریب ہے۔

لیکن وہابی علماء علمائے شر ہیں جس وقت (وہابی) ہمارے پاس آئے تو ان کا ہدف یہ تھا کہ تمام اچھی عادتوں اور نیک آداب (کہ جن کی ہم نے تربیت پائی ہے) سے جنگ کریں گذشتہ وقتوں میں جب کوئی شخص شادی کرتا تھا اور صاحب فرزند ہوتا تھا تو اپنے باپ کے سر و صورت کا بوسہ دیتا تھا اور اس سے اپنے فرزند کے لئے دعا کی درخواست کرتا تھا اور اس کی رضایت حاصل کرنے کی کوشش میں رہتا تھا۔

لیکن آج ہماری اولادیں ہم سے لڑتی ہیں اور ہم پر شرک کی تہمت لگاتی ہیں اس لئے کہ کسی کا بھی ہاتھ چومنا اور خم ہو کر احترام کرنے کا مطلب غیر خدا کے سامنے سجدہ کرنا ہے اور یہ شرک محض اور حرام ہے خلاصہ جب سے یہ آئے ہیں باپ بیٹے کے درمیان نفرت زیادہ بڑھ گئی ہے ﴿لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم﴾

اس ملک کے ایک مفتی نے کہا کہ میں جزیرۂ (موورنی) میں ایک جدید مسجد کا افتتاح کرنے جا رہا ہوں آپ بھی چلئے میں اور قاضی القضات جن کا نام عبد القادر گیلانی تھا مفتی صاحب کے وہاں گئے جس وقت مہمانوں سے بھری ہوئی مسجد میں پہنچے تو مفتی نے ہمارا لوگوں سے تعارف کرایا اور کہا کہ اس مناسبت سے کوئی گفتگو کریئے میں نے بھی قبول کیا اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا۔

اپنی تقریر میں اہلبیتؑ سے محبت و مودت، خدا کے نزدیک ان کا عظیم مقام ان کے متعلق رسولؐ کی گفتار کہ ان کی دوستی ایمان ہے اور ان سے دشمنی

نفاق ہے پر تکیہ کرتے ہوئے ان کے دیگر فضائل ومناقب لوگوں کے لئے بیان کئے ان ذوات نے اسلام و مسلمین کے لئے جو عظیم خدمت کی ہے کے متعلق گفتگو کیا اور اپنی تقریر کے اختتام پر اہلبیتؑ کے علم ودانش کے متعلق گفتگو کی کہ اس کائنات میں مشرق و مغرب کے تمام علمائے اسلام نے ان (اہلبیتؑ) سے استفادہ کیا ہے اور اگر یہ اہلبیتؑ نہ ہوتے تو ہرگز عوام اپنے دینی مسائل کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔

جناب مفتی صاحب نے علماء میں سے ایک صاحب کو اپنے پاس بلایا جو میری باتوں کو ان کے لئے ترجمہ کر رہے تھے پروگرام کے اختتام پر لوگ میرے پاس آئے اور مجھے چومنے لگے میرے لئے سلامتی اور میرے والدین کے لئے رحمت کی دعا کر رہے تھے۔

علمائے وہابیت میں سے ایک جو اپنی سلفی داڑھی اور سعودی لباس سے مشخص تھا میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اے شیخ خدا سے خوف کھا ہم بھی اہلبیتؑ کو دوست رکھتے ہیں لیکن تونے ان کی محبت اور بزرگی بیان کرنے میں غلو کیا ہے اور افراط سے کام لیا ہے.

میں نے کہا: میں خدا سے چاہتا ہوں کہ مجھے اسی محبت پر دنیا سے اٹھائے۔

اس نے کہا: آپ ہمارے مہمان ہیں۔

اس سے نجات پانے کے لئے کہا: میں مفتی صاحب کا مہمان ہوں۔

اس نے کہا: کل ملاقات ہوگی

میں نے کہا: کل تونسی اساتذہ کے یہاں مہمان ہوں۔

اس نے کہا: وہ سب ہمارے دوست ہیں اور وہیں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔

ایک وہابی عالم سے گفتگو

میرے تونسی دوست نے مجھے بتایا کہ اس کا سعودی دوست (یعنی وہی وہابی) کل آئے گا اور آپ سے علمی بحث و گفتگو کرے گا اسی لئے میں نے اساتذہ کے ایک گروہ کو دعوت دی ہے کہ اس بحث میں شرکت کریں اور سبھی مستفید ہوں ما حضر کا بھی انتظام کیا ہے چونکہ یہ چھٹی کا دن ہے اور ایسی مجلس کے ہم بہت زیادہ مشتاق ہیں۔

اس نے مزید کہا کہ ہم چاہتے ہیں آپ اس پر غلبہ پائیں اور ہمیں سربلند کریں اس لئے کہ وہ کسی کو مجال سخن نہیں دیتا؛ مقررہ وقت پر سارے اساتذہ اس وہابی عالم کے ساتھ گھر پر تشریف لائے وہ سات آدمی تھے اور صاحب خانہ و مجھے ملا کر نو(۹) آدمی ہو گئے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد بحث شروع ہوئی موضوع بحث خدا اور بندہ کے بیچ وساطت اور توسل تھا میں قائل تھا کہ خدا تک رسائی میں اس کے انبیاء اولیاء اور اس کے صالح بندوں کی وساطت و وسیلہ صحیح ہے اور ممکن ہے کہ بہت سے گناہ اور دنیاوی مشغولیتیں انسان کی دعا کو اوپر نہ جانے دیں پس ان کو جو اولیاء خدا

اور اس کے دوست ہیں شفیع اور وسیلہ بنانے سے انسان کی دعا مستجاب ہو جائے گی

اس نے کہا: یہ شرک ہے اور خدا ہر گز اس کو نہیں بخشے گا جو اس کے لئے شریک قرار دے۔

میں نے کہا: یہ بات شرک ہے تو اس پر آپ کی دلیل کیا ہے؟

اس نے کہا: خداوند عالم فرماتا ہے:

بے شک مسجدیں خدا کیلئے ہیں پس کسی اور کو اس کے ساتھ دعا میں شامل نہ کرو (جن ر ۱۸)۔

یہ آیت غیر خدا سے دعا نہ کرنے پر صراحت رکھتی ہے اور جو بھی غیر خدا سے دعا کرے اس نے اسے خدا کا شریک بنایا کہ وہ نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے جبکہ نفع یا نقصان پہنچانے والا صرف پروردگار ہے۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے اسکی بات کی تعریف کی اور اسکی تائید کرنا چاہی لیکن صاحب خانہ نے اس سے کہا چپ رہو! میں نے تم لوگوں کو جدال و مقابلہ کیلئے دعوت نہیں دی ہے بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ ان دو دانشوروں کی باتوں کو سنو۔ اس تیونسی (مجھ) کو ایک مدت سے پہچانتا ہوں لیکن مجھے اچانک پتہ چلا کہ وہ شیعہ اور اہل بیتؑ کا پیرو ہے اور اس سعودی دوست کو بھی سب پہچانتے ہیں اور اس کا عقیدہ بھی سب پر واضح ہے لہذا بہتر ہے ان دونوں کی باتوں کو غور سے سنیں اور جب ان کے استدلال تمام ہو جائیں تو دوسروں کیلئے بحث کا میدان کھلا ہو گا۔

اس پیاری روش کا ہم نے شکریہ ادا کیا اور بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: میں آپ سے اس مسئلہ میں متفق ہوں کہ خدا ہی نفع اور نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی نقصان یا نفع پہنچانے والا نہیں ہے۔ اور مسلمانوں میں اس بات

آپ کو کائی مخالف نہیں ہے۔ لیکن ہمارا اختلاف توسل سے متعلق ہے۔ مثلاً اگر کوئی رسول خداؐ کو وسیلہ بناتا ہے تو اسے اچھی طرح علم ہے کہ محمدؐ خدا سے ہٹ کر، نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، ہاں خدا کے نزدیک انکی دعا مستجاب ہے۔ پس اگر خدا سے پیغمبرؐ عرض کریں کہ پروردگارا اپنے اس بندہ پر رحم کر، اس سے درگذر فرما۔ اور بے نیاز کر دے۔ تو خدا بھی انکی دعا کو مستجاب کرتا ہے اور اس باب میں بہت سی صحیح روایتیں موجود ہیں مثلاً یہ کہ آپ کا ایک صحابی نابینا تھا آپ کے پاس آیا اور آپ سے عرض کی کہ: خدا سے دعا کریں کہ وہ اسکی بینائی واپس کر دے۔ رسول خداؐ نے اس سے فرمایا:

وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو اور خدا سے دعا کرو ﴿پروردگارا! میں تجھے تیرے حبیب محمدؐ کا واسطہ دیتا ہوں اور انھیں وسیلہ بنا کر تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری بینائی واپس کر دے (تاریخ کبیر ج۶ ص ۲۰۹، ح ۲۱۹۲)۔

پس اس کو بینائی واپس مل گئی۔

اسی طرح ثعلبہ، فقیر و نادار صحابی آنحضرتؐ کے پاس آیا اور آپ سے درخواست کی کہ خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے بے نیاز کر دے اس لئے کہ میں صدقہ اور خیرات دینا اور صالح بننا پسند کرتا ہوں آنحضرتؐ نے بھی خدا سے دعا کی اور خدا نے دعا مستجاب فرمائی۔ ثعلبہ ثروتمند ہو گیا اور اسکی ثروت اتنی زیادہ ہو گئی کہ اس کے پاس مسجد آنے کیلئے بھی وقت نہ تھا اور وہ زکات بھی ادا نہیں کرتا تھا (الاصابہ ج۱ ص ۱۹۸)۔ اس کا قصہ مشہور ہے اور سبھی جانتے ہیں۔

ایک روز آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے درمیان بہشت کی تعریف و توصیف فرمارہے تھے۔ عکاشہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور عرض کی:

اے رسول خداؐ دعا کریئے، خدا ہمیں ساکنین بہشت میں قرار دے۔

رسول خدا نے فرمایا:

پروردگارا اسے ان میں سے قرار دے۔

ایک دوسرے صاحب اٹھے اور انھوں نے بھی یہی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا:

عکاشہ نے تم پر سبقت لی (مسند احمد رج ۱ رص ۴۵۴)۔

این تینوں روایتوں میں واضح دلیل موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے خود کو خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ قرار دیا۔

وہابی! اٹھکر فوراً بول پڑا: میں قرآن سے استدلال کر رہا ہوں اور یہ ہمارے لئے حدیث پڑھ رہے ہیں! ضعیف حدیثیں جنکی کوئی ارزش نہیں!

میں نے کہا: قرآن کریم فرماتا ہے:

اے مؤمنو! تقوائے الٰہی اختیار کرو اور خدا سے تقرب کیلئے وسیلہ تلاش کرو (مائدہ ر ۳۵)۔

اس نے کہا: وسیلہ وہی عمل صالح ہے۔

میں نے کہا: عمل صالح سے متعلق محکم آیتیں زیادہ ہیں اور انمیں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿الذین آمنوا و عملوا الصالحات﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح بجالائے (بقرہ ر ۲۵)۔

لیکن اس آیت میں فرماتا ہے:

﴿وابتغوا الیہ الوسیلہ﴾ اس کے تقرب کیلئے وسیلہ ڈھونڈلو۔

اور دوسری آیت میں فرماتا ہے:

﴿یبتغون الی ربھم الوسیلہ﴾ وہ خود اپنے پروردگار تک رسائی کیلئے وسیلہ

کی تلاش میں ہیں (بنی اسرائیل / ۵۷)۔

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ خدا تک رسائی کیلئے وسیلہ پر بحث تقوا اور عمل صالح کے ہمراہ ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ فرماتا ہے :

﴿یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ﴾ پس ایمان و تقوی کو وسیلہ پر تقدم حاصل ہے (مائدہ / ۳۵)۔

اس نے کہا : اکثر علماء نے وسیلہ کو عمل صالح سے تفسیر کیا ہے۔

میں نے کہا ! علماء کے سخن اور انکی تفسیر سے دست بردار ہو جایئے اور یہ بتایئے کہ اگر قرآن کے ذریعہ وسیلہ کو آپ کے لئے ثابت کر دیا تو کیا قبول کریں گے ؟

اس نے کہا : محال ہے مگر کوئی دوسرا قرآن ہو کہ جس سے ہم بے خبر ہیں۔

میں نے کہا : میں آپ کے اشارہ کو پوری طرح سمجھ رہا ہوں۔ خدا آپ کو معاف کرے۔ اور میں آپ کیلئے اسی قرآن سے ثابت کروں گا کہ جسے ہم سبھی جانتے ہیں۔ پھر میں نے آیت کی تلاوت کی :

(یعقوب کے فرزندوں نے) کہا : اے ہمارے بابا جان ! اپنے رب سے ہماری گناہوں کیلئے مغفرت کی دعا کریئے کیونکہ ہم غلطی پر تھے۔

(حضرت یعقوب نے) کہا : میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے مغفرت طلب کروں گا وہ تو بخشنے والا اور مہربان ہے (یوسف / ۹۷-۹۸)

حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں سے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم لوگ خود خدا سے طلب مغفرت کرو اور مجھے اپنے اور اپنے خالق کے درمیان واسطہ نہ بناؤ۔ بلکہ اس کے برعکس اس واسطہ کی تائید کی اور فرمایا : میں اپنے پروردگار سے تمہارے

لئے مغفرت طلب کرونگا اور خود کو اپنے بیٹوں اور خدا کے درمیان وسیلہ قرار دیا۔

وہابی عالم بری طرح گھبرا گیا چونکہ اسے پتہ چلا تھا کہ ان آیات میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور وہ اسکی تاویل نہیں کر سکتا۔ تو کہنے لگا ہمیں یعقوبؑ سے کیا واسطہ وہ بنی اسرائیل کے نبی تھے اور انکی شریعت اسلام کے آنے کے بعد تمام ہو گئی۔

میں نے کہا: کیا میں شریعت اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلیل لاؤں؟

اس نے کہا: ہم سننے کو تیار ہیں۔ میں نے قرآن کی تلاوت کی:

﴿و لو انهم اذظلموا انفسهم جاؤوك فاستغفروا الله و استغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً﴾ (نساء/۶۴)

اور (اے رسولؐ) جب لوگوں نے نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم (گناہ) کیا اور اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور خدا سے معافی مانگی اور اے رسولؐ تم سے بھی درخواست کی کہ ان کے گناہوں کی بخشش کے لئے خدا سے دعا کرو تو بلاشبہ وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

خداوند عالم انھیں یہ حکم کیوں دے رہا ہے کہ رسول خداؐ کے پاس آئیں اور آنحضرتؐ کے حضور میں استغفار کریں۔ اور پھر آنحضرتؐ انکے لئے طلب مغفرت کریں؟ یہ واضح دلیل ہے کہ آنحضرتؐ ان کے اور خدا کے درمیان وسیلہ ہیں اور خداوند عالم انھیں معاف نہ کریگا مگر صرف آنحضرت کے وسیلہ سے۔

حاضرین نے کہا اس سے بڑھکر کوئی دلیل نہیں ہے۔

وہابی جو کہ بری طرح گھبر لیا ہوا تھا اور اپنی شکست کو قطعی سمجھ رہا تھا کہنے

لگا: یہ بات صحیح ہے لیکن اس وقت آنحضرتؐ زندہ تھے مگر اب تو انکو مرے ہوئے چودہ صدیاں بیت چکی ہیں!!

میں نے حیرت سے کہا: آپ کیسے کہتے ہیں وہ مردہ ہیں؟ رسول خداؐ زندہ ہیں اور ہرگز نہیں مر سکتے۔

وہ میری بات پر ہنسا اور مذاق اڑانے کے انداز میں کہنے لگا۔ قرآن نے یہی کہا ہے:

تم مر جاؤ گے اور وہ بھی مر جائیں گے (زمر/۳۰)۔

میں نے کہا: قرآن یہ بھی تو کہتا ہے:

جو راہ خدا میں قتل ہوتے ہیں انھیں مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے رزق پاتے ہیں (آل عمران/۱۶۹)۔

اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

جو راہ خدا میں قتل ہوتے ہیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے (بقرہ/۱۵۴)۔

کہنے لگا: یہ آیات ان شہدا کے بارے میں ہے جو راہ خدا میں قتل ہوتے ہیں اس کا محمدؐ سے کیا ربط؟!

میں نے کہا: ﴿سبحان الله! و لا حول و لا قوة الا بالله!﴾ آپ پیغمبرؐ جو کہ حبیب خدا ہیں انکے مرتبہ کو شہدا سے بھی کم سمجھتے ہیں؟ اور انکی منزلت کو اس طرح کم کرتے ہیں؟ شاید آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ احمد بن حنبل تو شہید مرے اور زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے روزی پا رہے ہیں لیکن محمدؐ دوسرے مردوں کی طرح ہیں؟!

اس نے کہا: یہ وہی چیز ہے جسے قرآن بیان فرماتا ہے۔

بہر حال ہم ان مؤمنین میں سے ہیں جو مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں اور ہمیشہ اس کوشش میں ہیں کہ انکو ہدایت کی طرف راہنمائی کریں وہی ہدایت کہ جو کشتی نجات ہے لذا ہمیں آخر تک نا امید نہیں ہونا چاہیے۔ اور مرتے دم تک انھیں خیر وخو شبختی کی طرف دعوت دینا چاہیے جو سوائے جاویدانی بہشت کے اور کچھ نہیں ہو سکتی۔

امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں :

خدا اس شخص پر رحم کرے جو حق کو دیکھے تو اسکی مدد کرے باطل کو دیکھے تو اسے ٹھکرادے اور صاحب حق کا حق کے ساتھ معین ومددگار ہو۔ (نہج البلاغہ ر خ ۲۰۵ اردو خطبہ ۲۰۳)

آپؑ مزید فرماتے ہیں :

میں تمہارے لئے پسند نہیں کرتا کہ تم گالیاں دینے لگو، ہاں! اگر تم ان کے کرتوت کھولو اور ان کے صحیح حالات پیش کرو تو یہ ایک ٹھکانے کی بات ہے اور عذر تمام کرنے کا صحیح طریقہ کار ہوگا کہ تم گالم گلوچ کے بجائے یہ کہو کہ: خدایا ہمارا بھی خون محفوظ رکھ اور ان کا بھی اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کر اور انھیں گمراہی سے ہدایت کی طرف لا تا کہ حق سے بے خبر حق کو پہچان لیں اور گمراہی وسرکشی کے شیدائی اس سے اپنا رخ موڑ لیں۔ (نہج البلاغہ ر خ ۲۰۶ اردو خطبہ ۲۰۴)

میں نے اپنی گذشتہ کتابوں میں اسی روش کو اختیار کیا ہے جیسے امیر المؤمنینؑ نے اپنے شیعوں کو تعلیم دی ہے۔ لذا میں ہرگز ناسزا کہنے والوں سے نہیں تھا۔ بلکہ میں نے ان کے اعمال کو بیان کیا اور ان کے احوال کو پیش کیا تا کہ حق سے نا آشنا حق کو پہچان لیں، لیکن ان افراد کے متعلق کیا کریں جو اس بات کو

میں نے کہا : خدا کا شکر کہ اس نے آپ لوگوں کی اصلیت ہم پر واضح کر دی اور خود آپ کی زبان سے آپ کی حقیقت سے ہم آشنا ہوئے۔ ہاں آپ لوگوں نے پوری کوشش کی کہ رسول خداؐ کے آثار کو مٹا ڈالیں یہاں تک کہ انکی قبر کو بھی مٹانا چاہتے تھے اور جس گھر میں آنحضرتؐ پیدا ہوئے تھے اسے بھی مسمار کر دیا۔

اتنے میں صاحب خانہ نے مداخلت کی اور مجھ سے کہا مہربانی کر کے قرآن وسنت کے دائرہ سے باہر نہ ہوئیے اور ہمارے درمیان طے بھی یہی تھا۔

میں نے معذرت چاہی اور کہا : اہم یہ ہے کہ انھوں نے حیات پیغمبرؐ کے وقت ان کے وسیلہ کا اقرار کر لیا لیکن انکی وفات کے بعد منکر ہیں۔ حاضرین نے کہا تو آپ حیات پیغمبرؐ کے وقت وسیلہ کے جواز کے معترف ہیں ؟

اس نے کہا : ہاں۔ آنحضرت کی حیات کے زمانہ میں جائز تھی لیکن وفات کے بعد نہیں۔

ہم نے کہا : الحمد للہ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ وہابیت نے وسیلہ کا اعتراف کیا ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

میں نے کہا : اجازت دیجئیے تو اب میں یہ بھی کہتا ہوں کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد بھی وسیلہ جائز ہے۔

وہابی نے کہا : خدا کی قسم وسیلہ جائز نہیں ہے شرک ہے !

میں نے کہا : صبر کریئے ! اور عجلت سے کام نہ لیجئیے۔ اور قسم بھی نہ کھایئے اس لئے کہ ندامت ہو گی۔

اس نے کہا : قرآن سے دلیل پیش کرو۔

میں نے کہا : آپ تو محال کی فرمائش کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ وفات

پیغمبر کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہو گیا لذا احادیث کی کتابوں سے استدلال پیش کرونگا۔

اس نے کہا: ہم حدیث قبول نہیں کرتے مگر یہ کہ صحیح ہو اور جو کچھ شیعہ نقل کرتے ہیں اسکی کوئی قیمت نہیں۔

میں نے کہا: کیا آپ صحیح بخاری کو قبول کرتے ہیں؟ وہی کتاب جو آپ کے یہاں قرآن کے بعد سب سے معتبر کتاب ہے۔

وہ تعجب سے کہنے لگا: کیا بخاری وسیلہ کو جائز سمجھتے ہیں؟

ہم نے کہا: ہاں! لیکن افسوس کہ آپ لوگ خود اپنی کتاب صحاح نہیں پڑھتے اور خود اپنے نظریوں سے تعصب پرتتے ہیں۔ بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ جب بھی قحط پڑتا، حضرت عمر بن خطاب، عباس بن عبد المطلب کے پاس آتے اور آپ سے طلب باراں کیلئے کہتے اور خود بھی کہتے: پرودگارا ہم آنحضرتؐ کے زمانہ میں آنحضرتؐ کو وسیلہ قرار دیکر تجھ سے طلب کرتے تھے اور تو بھی ہم پر بارش نازل کرتا تھا۔ آج رسولؐ کے چچا کو وسیلہ بناتا ہوں پس ہم پر بارش نازل کر۔ راوی کہتا ہے کہ پس خدا ان پر بارش نازل کرتا تھا (صحیح بخاری رج ۵ رص ۲۵۔ کتاب بدء الخلق۔باب مناقب جعفر بن ابی طالب)۔

پھر ہم نے کہا: یہ ہیں عمر بن خطاب! جو کہ آپ کے درمیان سب سے بزرگ وبرتر صحابی رسولؐ ہیں اور ان کے عقیدہ وایمان کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کرتے اس لئے کہ خود آپ کہتے ہیں: اگر آنحضرتؐ کے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ عمر بن خطاب تھے اور آپ اس وقت دو باتوں کے درمیان مجبور ہیں کہ کسی ایک کو قبول کریں۔ یا یہ قبول کریں کہ وسیلہ وتوسل دین اسلام کا اہم جزو ہے اور حضرت عمر بن خطاب کا رسول اور رسولؐ کے چچا سے توسل کرنا صحیح تھا یا پھر یہ

کہئے کہ عمر مشرک ہیں اس لئے کہ عباس بن عبد المطلب کو اپنا وسیلہ بنایا جبکہ عباس نہ پیغمبر ہیں نہ امام حتی اہل بیتؑ میں بھی داخل نہیں ہیں جن سے خدا نے ہر قسم کی پلیدی و کثافت کو دور کیا ہے اس کے علاوہ آپ کے یہاں بخاری امام المحد ثین ہیں اور انھوں نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اسکی صحت کا اقرار کیا ہے اور یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ جب بھی قحط پڑتا تھا وہ حضرت عباس سے متوسل ہوتے پس خدا ان پر بارش نازل کرتا تھا۔ یعنی خداوند عالم انکی دعا کو مستجاب کرتا تھا پس بخاری اور صحابہ میں وہ محد ثین جنھوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے سبھی اہل سنت والجماعت ہیں یہ سب مشرک ہیں؟

وہابی نے کہا: اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہ تیرے بر خلاف دلیل ہے نہ کہ تیرے حق ہیں۔

میں نے کہا کس طرح؟

کہنے لگا: اس لئے کہ عمر نے رسولؐ سے توسل نہ کیا اس لئے کہ وہ مر چکے تھے بلکہ عباس کو وسیلہ بنایا اور وہ زندہ تھے۔

میں نے کہا: میں عمر بن خطاب کے قول و عمل کیلیئے کسی قدر و قیمت کا قائل نہیں ہوں اور ہر گز اسے اپنے لئے دلیل نہیں بناتا لیکن اس روایت کو پیش کیا تاکہ موضوع بحث پر استدلال کروں۔ البتہ میں پوچھتا ہوں کہ کیوں عمر بن خطاب نے قحط کے زمانہ میں علی بن ابی طالبؑ سے توسل نہ کیا جنکی منزلت رسول کے نزدیک ایسی تھی جیسی ہارونؑ کی موسیٰؑ کے نزدیک اور مسلمانوں میں کسی نے نہیں کہا کہ عباسؓ بن عبد المطلب علیؑ سے افضل ہیں۔ لیکن یہ ایک دوسرا موضوع ہے جس کی بحث کی گنجائش یہاں نہیں ہے صرف اس پر اکتفاء کرتا ہوں کہ آپ کہتے ہیں کہ زندوں سے توسل جائز ہے اور یہی ہمارے لئے بڑی کامیابی ہے خدا کا

شکر کرتا ہوں کہ اس نے ہماری دلیل کو قاطع قرار دیا اور آپ کی دلیل کو باطل کیا اور جب ایسا ہے تو میں آپ لوگوں کے حضور میں توسل کرتا ہوں۔

اس وقت میں بیٹھا تھا فوراً اٹھا اور روبہ قبلہ ہو کر کہنے لگا: پروردگار میں تجھ سے دعا گو ہوں اور تجھ سے تیرے صالح و نیک بندے امام خمینیؒ کو وسیلہ قرار دیکر قربت چاہتا ہوں۔

اچانک وہابی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور تعجب و غصے کے ساتھ اعوذباللہ! اعوذباللہ! کہتا ہوا تیزی سے باہر چلا گیا۔

حاضرین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کیسا بد بخت آدمی تھا کس درجہ ہم سے بحث کرتا تھا اور ہم پر تنقید کرتا تھا اور ہم خیال کرتے تھے ذی علم آدمی ہے لیکن پتہ چلا کوڑی کا بھی نہیں ہے۔

انمیں سے ایک نے کہا ﴿انا لله و انا اليه راجعون﴾ پروردگارا! تیری طرف پلٹتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور ہم سے کہنے لگا۔ اسکی بات کس درجہ ہم پر اثر کرتی تھی حتی آج بھی میں نے اسکی بات کو پسند کیا تھا کہ توسل خدا کی نسبت شرک ہے اور اگر اس جلسہ میں حاضر نہ ہوتا تو اسی گمراہی پر باقی رہتا۔ (خدا کا شکر)۔

اے رسول کہدیجئے حق آیا اور باطل گیا بے شک باطل مٹ جانے والا ہے (اسراء/۸۱)۔

وہابیت پر رسول خداؐ کی رد

اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن نے خدا اور بندہ کے درمیان وساطت و وسیلہ کا اقرار کیا ہے اور اسے حرام نہیں سمجھا ہے اور نہ ہی رسول خداؐ نے اسے ممنوع قرار دیا ہے بلکہ اسے مباح و مستحب سمجھا ہے۔ قرآن نے پیغمبرؐ کے قول و فعل کو ہمارے لئے حجت اور اسوہ قرار دیا ہے تا کہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں اسکی پیروی کریں اور ترقی پائیں۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے :

اور بے شک عمل رسولؐ تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے (احزاب/۲۱)۔

اس طرح ہم اقوال و افعال رسول خداؐ کے ذریعہ استدلال کریں گے۔ اور اس استدلال میں نہ تو شیعہ کتابوں کی طرف رجوع کریں گے اور نہ ہی کتب اہل سنت کی طرف رجوع کریں گے بلکہ صرف اور صرف صحیح بخاری کی روایتوں پر تکیہ کریں گے تا کہ وہابیت پر رد مضبوط اور قوی ہو۔ جس کے بعد اگر وہ باانصاف ہیں تو بات نہیں کر سکتے۔ ورنہ بلا شبہ انکی دشمنی اور اندھا تعصب انھیں لوگوں کے درمیان خود ہی رسوا و خوار کر دیگا۔

اب جبکہ ہم کتاب و سنت کے ذریعہ توسل کے جواز اور اسکی شرعی حیثیت کو ثابت کر چکے ہیں تو ایک دوسرے مسئلہ پر بحث کرتے ہیں جو وہابیت کی نظر میں بہت ہی برا اور ممنوع ہے۔ اور وہ شفا اور حاجتوں کے پوری ہونے کی غرض سے متبرک چیزوں کو چومنا اور مس کرنا ہے۔

اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ حجاج بیت اللہ کو آنحضرتؐ کی ضریح پر ہاتھ پھیرنے اور بوسہ دینے پر مارا جاتا ہے اور مشرک کا الزام لگایا جاتا ہے۔

موئے مبارک رسولؐ کا احترام

اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ کا عمل وہابیوں کیلئے حجت ہے اس لئے کہ وہابی تمام صحابہ کی عدالت کی معتقد ہیں۔ بلکہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ صحابہ کے آثار کی پیروی واتباع کرتے ہیں اور خود کو سلفی کہتے ہیں۔ یعنی وہ سلف صالح کی پیروی کرتے ہیں اور تمام صحابہ کو صالح اور نیک سمجھتے ہیں۔

بخاری نے اپنی صحیح میں مالک بن اسماعیل سے اور انھوں نے اسرائیل سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ میں نے عبیدہ سے کہا: رسول خداؐ کے موئے مبارک ہمارے پاس ہیں جو انس سے یا انس کے خاندان کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔ (عبیدہ) نے کہا:

اگر آنحضرتؐ کا ایک بال بھی ہمارے پاس ہو تو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۔ کتاب الوضوء)۔

اسی طرح بخاری نے محمد بن عبد الرحیم سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے سعید بن سلیمان نے اور انھوں نے عقاد سے اور انھوں نے ابن عون سے اور انھوں نے ابن سیرین سے اور انھوں نے انس سے نقل کیا ہے کہ (جس وقت

رسول خداؐ نے اپنے سر کے بال بنوائے تو ابو طلحہ سب سے پہلے شخص تھے جنھوں نے آنحضرتؐ کے کچھ بال اٹھالئے) (صحیح بخاری، ج ۱ص ۵۴ کتاب الوضؤ)۔

پس اگر انس بن مالک، رسول خداؐ کے صحابی، آنحضرتؐ کے موئے مبارک کو اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں اور اسکو بطور ہدیہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو پیش کرتے ہیں اور اگر وہ صحابی کہتا ہے کہ اگر نبی کا ایک بال میرے پاس ہو تو مرے لئے دنیاومافیھا سے بہتر ہے تو خدا کی قسم یہ اس بات پر ایک واضح دلیل ہے کہ اصحاب رسولؐ آنحضرتؐ کی چیزوں سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ اور یہ وہابیت کے اوپر رد ہے۔ جو رسولؐ خدا کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی وجہ سے حاجیوں اور خانہ خدا کے زائروں کو کوڑے مارتے ہیں اور انکی اہانت کرتے ہیں۔

میں نے اپنی کتاب ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾ میں اس دلچسپ واقعہ کو نقل کیا ہے کہ جس وقت ایک شیعہ عالم دین نے سعودی بادشاہ کو ایک قرآن ہدیہ میں دیا تو بادشاہ نے قرآن کی جلد کو چوما اور تعظیم کیلئے اپنے چہرہ پر رکھا۔

تو شیعہ عالم دین بولے : قرآن کی جلد کو کیوں چومتے ہو اور اسے کیوں بوسہ دیتے ہو ؟ بادشاہ نے کہا : کیا آپ نے نہیں کہا کہ اسمیں قرآن ہے ؟

شیعہ عالم نے کہا : قرآن اس کے اندر ہے اور تم نے تو قرآن کو بوسہ نہیں دیا؟

بادشاہ نے کہا قرآن کی جلد کو بوسہ دینے سے ہماری مراد وہی قرآن ہے جو جلد کے اندر ہے تو اس شیعہ عالم نے کہا : ہم لوگ جب نبیؐ کی ضریح کی جالیوں کو بوسہ دیتے ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ یہ لوہا ہے اور نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن ہمارا مقصد ان جالیوں کے اندر قبر رسولؐ ہے۔

بعد وفات آنخضرتؐ کے آثار کا احترام

میں نے اس موضوع پر اہل سنت کی کتابوں میں بیس سے زیادہ روایتیں دیکھی ہیں جسمیں آثار رسولؐ کو تمام صحابہ اور بالخصوص خلفاء نے متبرک قرار دیا ہے لیکن چونکہ میں نے وعدہ کیا ہے اس لئے بخاری کی صرف ایک یا دو روایت پر اکتفا کروں گا۔ اور خود بخاری نے اس کی روایات میں دقت سے کام لیا ہے۔

بخاری نے اپنی صحیح میں رسولؐ کی زرہ، آپ کے عصا، آپ کی آپ کے گلاس، آپکی انگوٹھی اور آپ کے بعد خلفا جن چیزوں سے استفادہ کرتے تھے۔ اسی طرح آنخضرتؐ کے موئے مبارک، نعلین اور ظروف اور آپ کی وفات کے بعد اصحاب نے آپ کی جن چیزوں کو متبرک قرار دیا ہے، اس ذیل میں پورا ایک باب ان سے مخصوص قرار دیا ہے (۵۸)۔

اسی طرح بخاری نے اپنی صحیح میں زبیر سے نقل کیا ہے کہ ہم نے روز بدر عبیدہ بن سعید بن عاص سے ملاقات کی۔ اس نے آہنی لباس پہن رکھا تھا اور صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں اسکو (ابو ذات الکرش) کہکر بلاتے تھے۔ اس نے کہا:

قطعی پسند نہیں کرتے کہ صحابہ کا نام لوں اور ان کے اعمال کو کسوٹی پر پرکھوں اور چارہ بھی کیا ہے کہ اس کے بغیر ہرگز حق پہچانا نہ جائیگا۔

ہاں! اپنی اس ساتویں کتاب میں کوشش کرونگا کہ صحابہ کا نام نہ لوں حتی ان کے اعمال کا بھی تصفیہ نہ کروں۔ صرف اہل بیتؑ اور شیعوں کے حق پر ہونے کے استدلال پر اکتفا کروں اور ایسی جدید روش کو اختیار کروں جس سے عام طور سے لوگ راضی ہوں گرچہ میں یہی سوچتا ہوں کہ سب کو راضی کر لینا ایک محال کام ہے۔

بہر حال میں خداوند عالم کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ جسطرح وہ چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے مجھے توفیق دے اور مسلمانوں کو خیر کی طرف ہدایت کرے اور ہمیں اور انکو حق پرستی پر گامزن کرے اور ہمارا خاتمہ بخیر فرمائے۔

اپنے پروردگار کی رحمت کا نیاز مند

محمد تیجانی سماوی

میں ابوذات کرش ہوں میں نے بھی اس پر حملہ کیا ایک ہاتھ کی چھڑی جس کے آخر میں تیز لوہا لگا ہوا تھا اس کی آنکھ میں دے ماری اور اسے قتل کر ڈالا۔

ہشام کہتے ہیں :

زبیر کا بیان ہے کہ میں نے اسے اپنے پیروں تلے لا کر دبایا اور پوری قوت سے اس چھڑی کو باہر کھینچا۔ اس کے دونوں کنارے ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ عروہ نے کہا میں نے اسے آنحضرتؐ سے مانگا، پس آنحضرتؐ نے اسے دیدیا۔ اور جس وقت آنحضرتؐ نے وفات فرمائی تو ابو بکر نے اسے مانگ لیا اور جس وقت ابو بکر دنیا سے رخصت ہوئے تو عمر نے طلب کر لیا ان کے مرنے کے بعد عثمان نے مانگا اور انھیں دیدی گئی۔ لیکن عثمان کے قتل کے بعد خاندان علیؑ کے پاس آگئی۔ پھر عبداللہ بن زبیر نے مانگا اور انھیں دیدی گئی اور انھیں کے پاس تھی یہاں تک کہ وہ بھی قتل کر دیئے گئے (۵۹)۔

ایک ضروری وضاحت

اس روایت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ خود رسول خداؐ نے زبیر کے اس عصا کا احترام کیا جس سے زبیر جنگ میں بہادر دشمنوں کو قتل کیا کرتے تھے، ابو عبیدہ بن سعید بن عاص، جس نے زرہ پہن رکھی تھی تا کہ تلوار اور نیزہ سے محفوظ رہے، اور سوائے آنکھوں کے کوئی حصہ دکھائی نہ دیتا تھا لیکن زبیر نے عصا کے ذریعہ اسکی آنکھ پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا اور پھر پوری قوت لگا کر اسے باہر نکالا۔

سچ یہ تو بڑا عجیب و غریب عصا ہے۔ کہیں عصائے حضرت موسیٰؑ کی نسل سے تو نہیں ہے جسکو موسیٰؑ نے دریائے نیل پر مارا تھا اور اسی کے مارنے سے

بارہ چشمے بھی پھوٹ پڑے تھے۔ سبحان اللہ!

پھر تو تعجب کی جگہ نہیں کہ پیغمبرؐ اسکو زبیر سے مانگیں تا کہ اس سے تبرک حاصل کریں یا پھر وہ چاہتے تھے اس احترام کے جواز کو سمجھائیں اور یہی احتمال قوی ہے خصوصاً اس وقت جب کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ آنحضرتؐ کے بعد تمام خلفاء نے وہ عصا طلب کیا اور انکی عمر کے آخری لحہ تک انکے ساتھ رہا۔ اور بالآخر عبداللہ بن زبیر کو واپس مل گیا۔ اور وہ اس کے زیادہ مستحق تھے کیونکہ وہ ان کے باپ کی میراث شمار ہوتا ہے۔

بہر حال قرآن مجید میں ایسے بہت سے اشارے موجود ہیں جو انبیاء و مرسلین اور ان سے مربوط اشیاء کے احترام سے متعلق ہیں۔

قرآن مجید میں آیا ہے کہ:

موسیٰ نے سامری سے کہا: یہ تو نے کیسا فتنہ پھیلا دیا؟ سامری نے کہا: میں نے حق کے رسول (حضرت جبرئیلؑ) کے قدم کے کچھ اثرات دیکھے جسے دوسروں نے نہیں دیکھا، لہذا میں نے اسے اٹھا کر گوسالہ میں ڈال دیا اور مجھے میری نفسانی خواہش نے آمادہ کیا (طہ/۹۶-۹۵)۔

جس چیز کو دوسروں نے نہیں دیکھا اور سامری نے دیکھا، شاید اسی کی وجہ سے اس نے فرشتہ کے قدم کے بچے ہوئے آثار سے معجزہ پیش کر دیا۔ لہذا اس نے جبرئیل کے قدم کی مٹی اٹھا لی اور اس کو گوسالہ میں ڈال کر بنی اسرائیل کو گوسالہ کی عبادت کی طرف پلٹانا چاہا اور اس داستان میں تاکید ہوئی ہے کہ اسکی بعض کرامتوں اور معجزات سے جسکی بنی اسرائیل پیروی کرتے تھے مغرور ہو گئے تھے۔

قرآن مجید میں انبیاء کے آثار سے تبرک و شفا حاصل کرنے کے مزید

اشارے موجود ہیں چنانچہ سورۂ یوسف میں ملتا ہے کہ :

حضرت یوسفؑ نے کہا :

میرا کرتا اپنے ساتھ لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دینا تا کہ وہ پھر بینا ہو جائیں اور جس وقت بشیر نے آکر کرتے کو باپ کے چہرہ پر ڈالا تو اچانک والد بزرگوار (حضرت یعقوبؑ) کی آنکھوں کی روشنی واپس آگئی۔ اور وہ ان سے کہنے لگے۔ کیا ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اپنے رب کی جانب سے وہ چیز جانتا ہوں جسے تم نہیں جانتے (یوسف / ۹۶۔ ۹۳)۔

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنی بینائی کھودی تھی اور حضرت یوسفؑ نے بشیر سے جس طرح اور جو کہا وہی ہوا۔

گرچہ ہم اس بات کے معتقد ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کی بینائی کو خداوند عالم یوسفؑ کے کرتے کے بغیر بھی پلٹا سکتا تھا۔ اور وہ معبود اس بات پر قادر تھا کہ حضرت موسیٰ کے عصا مارے بغیر پتھروں سے چشمہ پھوٹ سکتا تھا۔ اور اسی طرح اس بات پر بھی قادر تھا کہ وہ گائے کہ جسکو ذبح کرنے کا بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کے بعض حصوں کو مردہ پر ڈالے بغیر مردہ کو زندہ کر دے (۶۰)۔

لیکن خداوند عالم نے ان تمام کاموں کیلئے وسیلہ قرار دیا تا کہ لوگ سمجھ لیں کہ خدا کی خلقت کے درمیان وسیلہ و واسطہ اسکی سنت ہے اور ہرگز شرک نہیں ہے جیسا کہ وہابیت مدعی ہے۔

یہ ہماری کتاب ہے جو تم سے حق کہتی ہے اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو اسے ہم لکھتے ہیں پس جو ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے انکو پروردگار عالم اپنی رحمت میں شامل کریگا۔ اور یہ واضح کامیابی ہے لیکن جو کافر ہو گئے۔ تو کیا ہماری آیات تمہارے لئے تلاوت نہ کی جاتی تھیں پھر کیوں گناہ کیا اور متکبر ہو گئے (بلا شبہ) تم ظلم کرنے والا گروہ بن گئے (جاثیہ / ۳۱ / ۲۹)۔

پیغمبرؐ تبرک اور احترام کو جائز سمجھتے ہیں!

بعض منکرین کا یہ کہنا کہ متبرک چیزوں سے برکت حاصل کرنا بدعت ہے اور اس کے موجد بعض اصحاب یا تابعین، ہیں اس مقولہ کا فریب نہ کھانا چاہئے اس لئے کہ یا تو وہ حقایق سے نابلد ہیں یا پھر نئے مذہب وہابیت کی وجہ سے تعصب کرتے ہیں۔

مذہب وہابیت خود بدعت ہے اور کیا ہی بڑی بدعت ہے! یہ کیسا مذہب ہے جو ایک جھوٹے اور باطل شبہ کی بنیاد پر مسلمانوں پر شرک کی تہمت لگاتا ہے؟

رسول خداؐ نے اپنے اصحاب کو متعدد مقامات پر برکت حاصل کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور اسکی موافقت فرمائی ہے بلکہ اسے تو مستحب جانا ہے لہذا اصحابہ آنحضرتؐ کے بعد ان کی چیزوں سے تبرک حاصل کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے تھے۔

بخاری نے اپنی صحیح میں آدم سے نقل کیا ہے کہ شعبہ نے کہا کہ حکم نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے سنا ابو جحیفہ نے کہا:

ایک گرم دن میں ظہر کے وقت رسول خداؐ ہمارے پاس تشریف لائے، پانی لایا

گیا کہ حضرتؐ وضو فرمائیں، آنحضرتؐ نے وضو کیا، آنحضرتؐ کے وضو کرنے کے بعد بہت سے لوگوں نے اس پانی کو لیا اور اپنے سر و صورت پر ملا۔ پیغمبرؐ نے ظہر کی نماز دو رکعت اور عصر کی نماز دو رکعت پڑھی۔ جبکہ آنحضرتؐ کے سامنے عصا رکھا ہوا تھا، ابو موسیٰ کہتے ہیں: پیغمبرؐ نے پانی مانگا۔ اور آپؐ کیلئے ایک برتن میں پانی لایا، آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ منہ اس سے دھویا اور آب دہن اس برتن میں ڈالدیا اور پھر ان دونوں سے فرمایا: اس پانی کو پیو اور اپنے سینے و صورت پر ملو(۶۱)۔

بخاری نے اپنی صحیح میں ایک دوسری حدیث پیش کی ہے جو اس سے کہیں واضح ہے اس بحث کے خاتمہ پر اس کا بیان کرنا بھی برا نہ ہوگا۔

بخاری کہتے ہیں:

ابو موسیٰ کا بیان ہے کہ جعرانہ (مکہ اور مدینہ کے درمیان) میں آنحضرتؐ کے پاس تھا بلال بھی ساتھ تھے ایک بدو عرب آنحضرتؐ کے پاس آیا، اس بدو عرب نے کہا: آپؐ نے ہم سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے کیا اسے پورا کریں گے؟ حضرتؐ نے فرمایا: ہاں تمہیں بشارت ہو۔

بدو عرب نے کہا: بہت بشارت، بشارت لگا رکھی ہے۔ پیغمبرؐ ابو موسیٰ اور بلال کے پاس غصہ کی حالت میں وارد ہوئے اور کہا اس نے بشارت کو رد کر دیا ہے پس تم اس بشارت کو لے لو۔ انھوں نے کہا: ہم نے قبول کیا۔ پھر آنحضرتؐ نے ایک ظرف میں پانی منگایا اور پھر اس سے اپنے ہاتھ اور منہ کو دھویا اور اس پانی میں آب دہن ڈال دیا اور فرمایا اسے پی جاؤ اور اسے سینہ و صورت پر مل لو تمہیں بشارت ہو۔

انھوں نے پانی کے اس برتن کو لیا اور وہی کیا جس کا آپؐ نے حکم فرمایا تھا۔

حضرت ام سلمہ نے پردہ کے پیچھے سے فرمایا کہ تھوڑا سا اپنی ماں کیلئے بھی چھوڑ دینا۔ تو انھوں نے تھوڑا سا پانی حضرت ام سلمہ کیلئے الگ کر دیا (صحیح

بخاری رج ۵ رص ۱۹۹۔ کتاب مغازی باب غزوۂ طائف ماہ شوال)۔

یہ روایات نہ صرف تبرک حاصل کرنے پر پیغمبرؐ کے اعتراف واقرار کو ثابت کرتی ہیں بلکہ ان سے پتا چلتا ہے کہ آنحضرتؐ جس پانی سے اپنا ہاتھ منہ دھوتے ہیں اور اسمیں آب دہن ملاتے ہیں اسی کو اپنے اصحاب کو پینے اور سینہ و صورت پر ملنے کا حکم فرماتے ہیں۔ اور انھیں بشارت دیتے ہیں کہ اس پانی کی برکت سے انھیں خیر کثیر حاصل ہوگا۔ اور نہ صرف اصحاب بلکہ ام سلمہؓ جو آنحضرتؐ کی بیوی ہیں وہ خود اس پانی سے تھوڑا سا الگ کرنے کو کہتی ہیں جو رسولؐ کے ذریعہ متبرک ہوا ہے۔

ان واضح حقائق کے مقابل وہابیت کا کیا جواب ہے؟ یا پھر ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے؟

محمدؐ دُرِّ شہوار

ایک مرتبہ پھر امام بصیری کے حضور میں احترام سے کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے اشعار کے سامنے سر تعظیم خم کرتے ہیں اور ہر ایک کیلئے یہ اعلان کرتے ہیں کہ رسول خداؐ جو ہر مخلوقات ہیں۔ آنخضرتؐ کے ساتھ کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ وہ تمام اولاد آدمؑ کے سید و سردار اور تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ اور برگزیدہ بندوں کے آقا ہیں۔

آپ کے بشری صفات کے متعلق جو بھی اور جتنا بھی کہا جائے لیکن آپ کو خداوند عالم نے ہر طرح کی آلودگی و پلیدی سے پاک رکھا ہے۔ اور حدیث بیان کرنے والے آنخضرتؐ کی ایسی خصوصیات بیان کرتے ہیں جو کسی اور میں دیکھی نہ گئی اسکی مثالیں زیادہ ہیں، من جملہ ملاحظہ ہوں۔

کبھی بھی آنخضرتؐ کے اوپر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور بادل کا ایک ٹکڑا آنخضرتؐ پر سایہ کئے رہتا۔ زمین آپؐ کے بدن کی فاضل چیزوں کو نگل لیتی اور آپ کے بدن سے مشک کی خوشبو ہوا میں پھیلی رہتی تھی۔

میں جب بھی اس طرح کی روایات کو پڑھتا ہوں اور انکی صحت و درستگی پر

ایمان بھی رکھتا ہوں تو ان میں کچھ ایسی چیزیں میری سمجھ آتی ہیں جنھیں دوسرے نہیں سمجھ سکتے۔ لذا میں ہرگز اسے غلط نہیں سمجھتا اگر کوئی رسولؐ کے ہاتھ منہ کے دھونے کے بعد بچے ہوئے پانی کو پیئے۔ اس لئے کہ وہ بشر تو ہیں لیکن انکی طرح کا کوئی بشر نہیں بلحہ آپ ایک درخشان یاقوت ہیں۔

جب ہم میں سے کسی کو بھی اچھا نہ لگے کہ کسی کے ہاتھ منہ دھونے کے بعد بچے ہوئے پانی کو پیئیں تو پھر اگر اس نے اسمیں کلی بھی کی ہو تو بھلا کیسے پی سکتے ہیں؟ اس لئے ان جراثیم اور کثافت و گندگی اور امراض کے خوف کے علاوہ طبعی طور پر انسان ایسے پانی سے نفرت کرتا ہے اور خصوصاً اس وقت جب اپنی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ ہوتے دیکھے!

اگر ہمارا ایمان نہ ہوتا کہ رسول خداؐ ہر طرح کی کثافت و پلیدی، جراثیم اور بری بو سے مبرا ہیں اور آپ کا بدن طاہر و مطہر ہے تو اس طرح کی روایات کو قبول نہ کرتے۔ اور اگر رسولؐ کے بعض مخلص اصحاب کا ان حقائق پر ایمان نہ ہوتا تو اس پانی کو زیادہ سے زیادہ پینے پر سبقت نہ کرتے یہاں تک کہ ان کے درمیان نزاع اور کشمکش پیدا ہو جاتی۔ بلحہ یہ مخلص صحابہ حقائق رسولؐ سے متعلق ایسی چیزیں جانتے تھے جن سے دوسرے ناواقف تھے لذا وہ نہ صرف وضو کا پانی یا لعاب دہن پڑا ہوا پانی پیتے تھے بلحہ کچھ ایسے کام بھی کرتے تھے جسکو انسانی طبیعت بمشکل تحمل کر سکتی ہے!

ہم اس جگہ تذکرہ کریں گے کہ وہ کیا کرتے تھے!

بخاری نے اپنی صحیح میں ایک طویل روایت پیش کی ہے جس کا مورد نظر حصہ پیش خدمت ہے:

......پھر عروہ کی آنکھیں اصحاب رسولؐ پر جمی ہوئی تھیں وہ کہتا ہے: ہم نے

نہیں دیکھا کہ رسولؐ ناک سے نکلی ہوئی رطوبت کو پھینک پاتے بلکہ اسے کوئی نہ کوئی صحابی لے لیتا اور اپنے صورت وبدن پر مل لیتا۔ اور اگر آنحضرتؐ، وضو فرماتے تو اس کے بچے ہوئے پانی سے شفا حاصل کرتے (۶۲)۔

اسی طرح بخاری نے عروہ اور مسور و مروان سے نقل کیا ہے کہ :

رسول خداؐ اپنی ناک سے خارج شدہ رطوبت کو نہیں پھینک پاتے تھے بلکہ اسے کوئی نہ کوئی صحابی لے لیتا اور اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیتا تھا (۶۳)۔

یہ گرامی قدر اصحاب رسولؐ جن پر خدا کا درود و سلام ہو یہ جانتے تھے کہ اس سے رسول خداؐ راضی ہیں اور اس عمل پر آنحضرتؐ کا سکوت ان کے اقرار اور اعتراف کا ثبوت ہے اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ اصحاب آنحضرتؐ سے بہت سی کرامات دیکھتے تھے، مثلاً : عافیت، سلامتی، خیر و برکت، بیماریوں سے شفا، درد سے چھٹکارا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرتؐ کے لعاب دہن اور ناک سے نکلی ہوئی رطوبت کو اپنے چہرہ اور بدن پر نہ ملتے۔

اس مطلب پر مزید تائید کیلئے بخاری سے ایک اور روایت ملاحظہ ہو :

رسول خداؐ ایک گرم دن میں ظہر کے وقت بطحاء کی طرف گئے اور نماز ظہر دو رکعت اور نماز عصر دو رکعت پڑھی، جبکہ آپ کے سامنے عصا رکھا ہوا تھا۔ عون، ابی جحیفہ سے مزید نقل کرتے ہیں کہ آپ کے پیچھے بھی لوگ چل رہے تھے۔ پس لوگ آگے بڑھے، رسولؐ کے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے چہرہ پر ملنے لگے۔ اسکا بیان ہے کہ میں نے بھی آنحضرتؐ کے ہاتھوں کو پکڑا اور اپنے چہرہ پر رکھ لیا۔ اسکو برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبو دار پایا (بخاری رج ۴ / ص ۲۲۹۔ کتاب بدء الخلق باب صفة النبی)۔

یہ ہے سچا دین

دو سال قبل سن فرانسسکو میں برادران اہلسنت کی مسجد میں، میری تقریر کا یہی عنوان تھا اس روز جلسہ میں افریقہ کے متعدد ممالک، ترکیہ، افغانستان اور مصر کے باشندے شریک تھے۔ اس تقریر اور پھر آزاد بحث کے نتیجہ میں بہت سے حاضرین نے اپنی رضایت کا اظہار کیا۔

ایک مصری طالب علم جس نے حال ہی میں اپنی ڈاکٹریٹ حاصل کی تھی مجھ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کس بناپر شیعوں کے دین کو حقیقی اسلام سمجھتے ہیں۔ جبکہ شہرت اسکے برعکس ہے اور جیسا کہ کہا جاتا ہے اہل سنت والجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہے۔ کیونکہ یہ لوگ قرآن و سنت سے متمسک ہیں اور دیگر فرقے گمراہ ہیں؟

میں نے بہت ضبط و حوصلہ اور نرمی سے حاضرین کو مخاطب کر کے اس کا جواب دیا:

میرے بھائیو! میں حق کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھا کر کہتا ہوں اگر مجھے کوئی ایسا اہل سنت فرقہ مل جائے جو ابوبکر کی طرف منسوب مذہب کا پیرو ہو تو

نبیؐ کے ذریعہ خدا سے شفا طلب کرنا

اسمیں کوئی شک نہیں کہ آنحضرتؐ ہاتھ سے مس کر کے یا اپنے وضو کے پانی اور آب دہان کے ذریعہ بیماروں کا علاج کرتے تھے اور بیماروں کو شفا بخشتے تھے۔

مسلم اور بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ سہل بن سعید نے کہا: ہم نے سنا کہ آنحضرتؐ نے روز خیبر فرمایا:

کل میں علم اس مرد کے حوالہ کرونگا جسکو خدا کامیابی عطا کریگا، وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہو گا اور خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں گے۔ تمام شب لوگ اس فکر میں تھے کہ کل علم کس کے حوالہ کیا جائیگا۔ اور جب دوسرا دن آیا تو ہر شخص کا دل چاہتا تھا کہ وہ خود وہی شخص ہو۔

حضرتؐ نے فرمایا:

علیؑ کہاں ہیں؟ بتلایا گیا: علیؑ آشوب چشم میں مبتلا ہیں۔ تو آنحضرتؐ نے اپنے لعاب دہن کو علیؑ کی آنکھ پر مل دیا اور ان کے لئے دعا فرمائی اور انھیں ایسی شفا مل گئی، گویا انھیں مرض ہوا ہی نہ تھا، پس علم آپ کے حوالہ کیا۔

علیؑ نے عرض کی:

آیا میں ان کے ساتھ جنگ کروں کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا:

جلدی کرو تاکہ انکی حد میں داخل ہو جاؤ اور انھیں اسلام کی طرف دعوت دو اور جو کچھ ان پر واجب ہے اس سے انھیں باخبر کر دو(۶۴)۔

اسی طرح بخاری نے نقل کیا ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ سائب بن یزید کا بیان ہے کہ:

میری خالہ مجھے رسول کے پاس لے گئی اور کہا: اے خدا کے رسولؐ میرا بھانجا زمین پر گر پڑا ہے (۶۵) پس رسولؐ نے میرے سر پر اپنے ہاتھوں کو ملا اور میرے لئے دعا کی پھر وضو فرمایا اور میں نے آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو پیا(۶۶)۔

بخاری نے جابر سے بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: پیغمبرؐ ہماری عیادت کیلئے آئے جبکہ میں بخار کی شدت سے بے ہوش تھا۔ پس آنحضرتؐ نے وضو کیا اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو ہم پر چھڑکا، میں ہوش میں آگیا۔

رسول خداؐ، اللہ کے نزدیک ایسے مرتبہ و مقام کے مالک ہیں کہ آب دہن کے ذریعہ اندھوں کو بینائی عطا کرتے ہیں اور آب وضو کے ذریعہ مرگی سے بے ہوش مریض کو ہوش میں لاتے ہیں اور شفا بخشتے ہیں اور صحابہ آپ کی ناک کی رطوبت کو لیتے ہیں اور شفا کی غرض سے اپنی صورت و بدن پر ملتے ہیں اور روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ (حذیفہ بن یمان کے پاس ایک تھیلی تھی جس کے ذریعہ بیماروں کا علاج کرتے تھے اور کوئی ایسا مریض نہ تھا جس پر وہ تھیلی رکھی جائے اور اسے شفا نہ حاصل ہو) یہ خبر کافی مشہور ہوئی اسکی اطلاع آنحضرت کو

بھی ملی آپ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا :

اے حذیفہ! کیا تم آشوب گر ہو؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں! بلکہ یا رسول اللہؐ آپ کا پیر ایک پتھر پر نقش ہو گیا تھا، میں نے اسے اٹھا کر اس کپڑے کی تھیلی میں رکھ لیا اور اس سے بیماروں کا علاج کرتا ہوں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: اگر کسی پتھر پر بھی اعتقاد پیدا کر لو تو تمہارے لئے مفید ہوگا۔

ان روایتوں کے نقل کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ کرتب دکھانے والے، شعبدہ بازوں، دجالوں اور دھوکہ بازوں پر ایمان لایا جائے اور علم طب و حکمت سے ایمان کو کم کر دیں، اس لئے کہ خود آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ :

اپنے لئے ایک طبیب وڈاکٹر تلاش کرو، خدا نے مرض کو خلق کیا تو اس کا علاج بھی خلق کیا ہے۔

ان روایات کا معنی اور مطلب یہ نہیں کہ مسلمان صرف دعا، حرز، قرآن اور برکت کے ذریعہ بیماری سے شفا حاصل کرنے پر اکتفا کریں۔ بلکہ ہماری غرض یہ ہے کہ وہابیت کے اوپر حجت کامل ہو جائے جو ان تمام امور کا انکار کرتے ہیں اور جو بھی اس کا معتقد ہو اسکو مشرک سمجھتے ہیں رسول گرامیؐ سے توسل و تبرک حاصل کرنے میں صحابہ کا اقدام معقول ہے کیونکہ انھوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ معاشرت کی اور معجزات کے علاوہ بشر کی قوت سے بالاتر امور کا مشاہدہ کیا جس نے ان کے نفوس کو آرزوؤں سے بھر دیا۔

بیشک سیرت و تاریخ کے مصنفین اور جو لوگ معجزات کو اہمیت دیتے ہیں انھوں نے رسول خداؐ کیلئے وہی کچھ تحریر کیا ہے جسے انبیاءؑ کے متعلق کتاب خدا نے ثبت کیا ہے، مثلاً بیماروں کو شفا، اندھوں اور پیدائشی اندھوں کو بینائی دینا، مردوں کو زندہ کرنا، آسمان سے خوان بہشتی منگانا، جانوروں سے ہم کلام ہونا

وغیرہ وغیرہ۔

ہم یہاں بخاری کی ایک یا دو روایت پر اکتفاء کریں گے۔ اور محققین سے کہیں گے کہ وہ خود اس کے متعلق علماء کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

قتادہ، انس سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

رسول خداؐ ایک بے آب وگیاہ صحرا میں تھے آپ کیلئے ایک برتن لایا گیا آپ نے اپنا ہاتھ اسمیں رکھا، اچانک انگلیوں کے درمیان سے پانی ابلنے لگا پوری قوم نے اس پانی سے وضو کیا، قتادہ کہتے ہیں: میں نے انس سے پوچھا، تم لوگ کتنے آدمی تھے انھوں نے جواب دیا: تقریباً ۳۰۰ آدمی تھے۔(۶۷)۔

جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں:

روز حدیبیہ لوگ پیاسے ہوئے پانی کا ایک برتن آنحضرتؐ کے بغل میں تھا آنحضرتؐ نے وضو کیا لوگ گھبرائی ہوئی حالت میں آنحضرتؐ کے پاس آئے، آنحضرتؐ نے فرمایا: تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ بولے: وضو کرنے یا پینے کیلئے بس یہی پانی ہے۔ حضرتؐ نے اپنا ہاتھ پانی میں رکھا اچانک آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ایسے ابلنے لگا جیسے چشمہ ابلتا ہے۔ پس ہم نے اس میں سے پیا اور وضو کیا۔ ہم نے پوچھا کتنے لوگ تھے؟ انھوں نے جواب دیا: ڈیڑھ ہزار لوگ تھے لیکن ایک لاکھ لوگ بھی ہوتے تو بھی پانی کافی تھا(۶۸)۔

علقمہ عبد اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

ہم رسول خداؐ کے ساتھ ہم سفر تھے۔ پانی کم ہو گیا، آنحضرتؐ نے فرمایا: تھوڑا سا پانی لاؤ، ایک برتن پیش کیا گیا جسمیں تھوڑا سا پانی تھا آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ اسمیں ڈالدیا، اور فرمایا پاک و مبارک پانی کی طرف دوڑ پڑو یہ خدا کی برکت ہے، ہم نے پانی کو دیکھا جو انگلیوں کے درمیان سے ابل رہا تھا اور ہم آنحضرتؐ کی غذاؤں کی تسبیح سن رہے تھے(۶۹)۔

وہابیت کی تاریخی حیثیت

اگر ہم اپنی تاریخ کی طرف نگاہ اٹھائیں اور اس کے دردناک اوراق کو پلٹ کر دیکھیں تو انمیں سے بعض واقعات ہمیں ٹھہرنے پر مجبور کردیں گے تاکہ ہمیں سمجھا سکیں کہ یہ وہابیت جسے ہم نے اس قرن میں پہچانا ہے۔ اسکی بھی تاریخی حیثیت ہے جو کبھی ظاہر تو کبھی پوشیدہ رہی ہے. کبھی جرأت کر کے ظاہر ہوئی اور کبھی تقیہ وخوف سے پوشیدہ رہی ہے یہاں تک کہ اسلام پر ایسے دن آپڑے۔ اور استعمار نے اس نئی فکر کو تقویت بخشی اس کا مقصد اور ہدف یہ ہے کہ وہ ہالہ یا دائرہ جو آنحضرتؐ کے گرد ہے اور آپ کا وہ احترام واکرام جو مسلمان کرتے ہیں ختم اور بے اثر ہو جائے۔ استعمار کو پتا ہے مسلمان دو چیزوں کو مقدس سمجھتے ہیں۔ قرآن اور سنت پیغمبرؐ اور یہ دونوں شریعت اسلام کے بنیادی مصدر ہیں جو ان کے حملہ کا نشانہ قرار پائے ہیں۔

اور یہ بھی سمجھ چکے ہیں کہ کتاب خدا میں کسی باطل کے نفوذ کی گنجائش نہیں ہے اور خداوند عالم اسکی حفاظت کا خود ضامن ہے لیکن سنت رسولؐ میں جعل و تحریف کی جا سکتی ہے اور آنحضرتؐ کی وفات کے پہلے روز سے ہی سنت

میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

لیکن انھیں معلوم ہے کہ علمائے امت نے سنت کی حفاظت کی غرض سے جسکی صحت ثابت ہو چکی ہے اسے اکٹھا کر لیا ہے اور اس کیلئے قوانین بنائے ہیں۔ جو اسکو زیادتی و کمی سے روکتے ہیں۔

اس کے پیش نظر انھوں نے ایک شیطانی چال چلی تا کہ اس کے ذریعہ جو چیزیں مسلمانوں کے درمیان خوشحالی و نشاط کا باعث ہیں نابود کر ڈالیں۔ اور جب مسلمان روحانی اور معنوی امور سے جدا ہوں تو الحادی مادیت سے نزدیک ہو جائیں گے۔ اور دھیرے دھیرے سیلاب کے اوپر پیدا ہونے والے جھاگ کی طرح ختم ہو جائیں گے۔ اس دوران انھیں ایک ایسے مسلمان شخص کی تلاش ہوئی جو ریاست طلب اور دنیا پرست ہو انھوں نے محمد بن عبد الوہاب کو اس کیلئے سب سے موزوں پایا۔ اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور اسکو قانع کر دیا کہ وہ اپنے زمانہ کا واحد دانشور ہے۔ اور ایسی ذہانت و ہوش کا مالک ہے کہ جو خلفائے راشدین کے پاس بھی نہ تھی۔ اور خلفاء کے اجتہاد کو کتاب و سنت جیسے صریح نصوص کا مخالف بتایا، خصوصاً آنحضرتؐ کی زندگی میں حضرت عمر کا آپؐ کی مخالفت کرنا۔ اور محمد بن عبد الوہاب کو مطمئن کر دیا کہ محمدؐ بشر ہیں، معصوم نہیں ہیں، مختلف مقامات پر ان سے بھول چوک ہوئی ہے۔ اور لوگوں نے ان کے اشتباہ کی اصلاح کی ہے اور یہ شخصیت کی کمزوری کی دلیل ہے۔

پھر اسمیں جزیرۃ العرب پر تسلط اور اسپر حکومت کی طمع پیدا کی اس کے بعد اسمیں تمام عرب دنیا اور اس کے بعد پورے عالم اسلام پر حکومت کی امید بندھائی۔

وہابیت انھیں مفاہیم پر استوار ہے اور ہمیشہ اس کوشش میں لگی ہوئی ہے

کہ رسول اسلامؐ کو بے حقیقت اور انکی اہمیت کو کم کردے۔ جیسا کہ ان کے علماء صراحت کے ساتھ کہتے ہیں وہ شخص مر گیا۔(نعوذ باللہ) اور ان کے بزرگ (محمد بن عبدالوہاب نے کہا) محمدؐ بوسیدہ مردار ہیں (نعوذ باللہ) جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، یہ میرا عصا ان سے بہتر ہے اس لئے کہ یہ فائدہ بھی پہنچاتا ہے اور نقصان بھی!

اسی سے ملتی جلتی عبارت حجاج بن یوسف کے زمانہ میں بھی کہی جاتی تھی۔ اسی نے کہا ہے:

> ان کے سروں پر خاک! یہ لوگ ایک بوسیدہ مردار کے گرد طواف کرتے ہیں، اگر یہ عبدالملک بن مروان کے محل کے گرد طواف کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا!

درحقیقت جس چیز نے حجاج اور بنی امیہ جیسے ظالموں کو آنحضرتؐ کے عظیم مقام کی اہانت کی جرأت بخشی تھی وہ عمر بن خطاب کا قول تھا جسے اس نے آنحضرتؐ کے حضور میں کہا تھا:

> یہ شخص ہذیان بک رہا ہے ہمارے لئے صرف کتاب خدا کافی ہے!(۷۰)

اس باب میں وہابیت جو کچھ چاہتی ہے زور و زبردستی لوگوں کے اذہان میں داخل کرتی ہے اس لئے کہ اس کا کہنا ہے کہ محمدؐ کا کردار ختم ہوا اور ان سے سوائے تاریخ کے کچھ نہیں بچا ہے اور جو بھی ان سے توسل اختیار کرے گویا اس نے ان کی پرستش کی ہے اور خدا کی خدائی میں انہیں شریک بنایا ہے۔

اور یہ کوئی تازہ فکر نہیں ہے بلکہ یہ تاریخی حیثیت رکھتی ہے جیسا کہ خود حضرت ابوبکر نے اعتراف کرتے ہوئے صراحت کے ساتھ اعلان کیا۔ اور چیلنج کرکے کہا:

اے لوگو! جو بھی محمدؐ کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے محمدؐ مر چکے ہیں اور جو بھی خدا کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ خدا زندہ ہے اور ہرگز نہ مرے گا(۱۷)۔

اس بیان کی وجہ اور علت کیا تھی جبکہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں کوئی بھی آنحضرتؐ کی پرستش نہیں کرتا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ابوبکر یہ سمجھتے تھے کہ واقعاً بعض مسلمان آنحضرتؐ کی پرستش کرتے ہیں۔ اگر ایسا تھا تو پھر آنحضرتؐ کیوں خاموش رہے اور انکو منع نہیں کیا؟ بلکہ ان کو کیوں قتل نہ کرڈالا؟

بہر حال میں ذاتی طور پر یہی عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ بھی وہی عقیدہ رکھتے تھے جو آج وہابیت کے یہاں وجود میں آیا ہے۔ یعنی وہ آنحضرتؐ کا احترام واکرام ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور بلاشبہ اس پر جل بھن جاتے تھے۔ اور جس وقت دیکھتے لوگ پیغمبرؐ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو اپنے اوپر ملنے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرتے ہیں اور اس سے متبرک ہوتے ہیں اور آنحضرتؐ واہل بیتؑ کی محبت ومودت کے ذریعہ خدا سے تقرب حاصل کرتے ہیں اور خدا سے نزدیک ہوتے ہیں تو لوگوں کے اس عمل سے قریش میں برعکس اثر ہوتا۔ لذا وہ آنحضرتؐ کی ذات سے دشمنی رکھتے تھے گرچہ وہ کسی اشتباہ کے مرتکب نہ ہوتے تھے۔

آخرکار قریش کے لیڈر، معاویہ بن ابوسفیان نے اپنے اس باطنی کینہ سے پردہ اٹھادیا اور جس وقت مغیرہ نے اس سے کہا:

اے امیر المؤمنین کتنا اچھا ہوتا کہ تم بنی ہاشم میں اپنے عزیزوں پر لطف و کرم کرتے۔ خدا کی قسم ان کے پاس کوئی چیز نہیں بچی ہے جس سے آپ ڈریں آپ کا یہ عمل آپ کے حق میں نفع بخش ہوگا۔

معاویہ نہ کہا:

برادر تمیم (ابو بکر) نے حکومت کی لیکن جیسے ہی اس دنیا سے گئے نام ختم ہو گیا۔ البتہ کوئی کبھی یاد کر لیتا ہے۔ برادر عدی (عمر) نے حکومت کی اور دس سال خود خواہی اور قدرت کی بنیاد پر لوگوں پر مسلط تھے لیکن جس وقت دنیا سے گئے ان کا نام بھی ان کے ساتھ ختم ہو گیا، مگر یہ کہ کوئی کہے عمر! اور عثمان نے بھی حکومت کی اور جو کچھ چاہا کیا لیکن جیسے ہی دنیا سے سدھارے ان کا نام بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ کسی کا نام بھی نہیں بچا سوائے ابن ابی کبشہ (مراد رسول خداؐ ہیں) کے، کسی اور کا نام نہیں بچا ہے اور ہر روز دن میں پانچ مرتبہ یاد کیا جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں ﴿اشهد ان محمداً رسول الله﴾ یہ کون سی یاد ہے جو باقی رہ جانا چاہتی ہے۔ تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے، خدا کی قسم اس کے نام کو دفن کر دونگا اور مٹی میں ملا دونگا(۷۲)۔

یہ وہی وہابیت ہے جس کا کل بہترین شکل اور فصیح ترین عبارتوں میں نقشہ تیار کیا گیا اور آج کل اس کو عملی شکل دے رہے ہیں۔

(وہ چاہتے ہیں اپنے منہ سے نور خدا کو خاموش کر دیں لیکن خدا اسے پورا کر کے رہے گا چاہے کافروں کو اچھا نہ لگے) (صف/۸)۔

میں انہیں مبارکباد دونگا کیونکہ ابو بکر کا شمار پیغمبر خداؐ کے اصحاب میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی فرقہ ملے جو حضرت عمر اور حضرت عثمان کی طرف منسوب مذہب کی پیروی کرتا ہے تو میں انہیں مبارکباد پیش کرونگا۔ کیونکہ یہ دونوں اصحاب رسول میں شمار ہوتے ہیں لیکن مجھے آج تک اہل سنت یا دیگر فرقوں میں کوئی ایسا گروہ نہیں ملا جو ان خلفاء یا کسی اور صحابی سے منسوب مذہب کی پیروی کرتا ہو۔ صرف ایک شیعہ فرقہ ہے جو علی بن ابی طالبؑ سے منسوب مذہب کی پیروی کرتا ہے۔ یہ لوگ شیعہ امامیہ ہیں ان کے مقابل کوئی ابو حنیفہ کی تقلید کرتا ہے تو کوئی شافعی اور احمد بن حنبل کی یہ حضرات عظیم دانشور ہونے کے باوجود صحابی نہیں ہیں انہوں نے رسول اکرمؐ کو ایک دن کے لئے بھی درک نہیں کیا اور نہ ان کے ہمنشین رہے ہیں۔ یہ حضرات تاریخ کے ایک عظیم فتنہ کے بعد معرض وجود میں آئے ہیں اور بلا شک وشبہ اس فتنہ سے متاثر ہوئے ہیں۔ (۱)۔

ہم اگر علی بن ابیطالبؑ کو تمام فضیلتوں سے الگ کر دیں تو ان کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ آپ سب سے پہلے مسلمان اور مؤمن تھے اور آپ نے اپنی ساری زندگی رسول خدا کی رفاقت اور ان کے دین کی خدمت میں گزار دی۔

میں آپ سے خدا کا واسطہ دیکر کہتا ہوں تعصب اور جذبات سے کنارہ کرتے ہوئے صرف اور صرف اپنی عقل کو حاکم بنائیں اور فقط خدا کی مرضی کو مد نظر رکھیں اسکے بعد اپنے ضمیر سے پوچھیں اور مجھے بتائیں کہ پیروی اور اتباع کا کون مستحق ہے؟ حاضرین میں سے سینکڑوں آوازیں بلند ہوئیں کہ علیؑ پیروی اور اتباع کے زیادہ مستحق ہیں۔

اسکے بعد میں نے حاضرین کو رسول اکرمؐ کی وہ حدیثیں سنائیں جو اہل

وہابیت اور زیارت قبور کی تحریم

اسوقت کی رائج بدعتوں میں ایک بدعت عورتوں پر قبر کی زیارت کو حرام قرار دینا ہے۔ مسلمان عورت جب خانہ خدا کی زیارت اور حج کیلئے جاتی ہے تو اسے بقیع اور شہدائے احد اور دیگر قبور کی زیارت کی اجازت نہیں ملتی۔

وہابیت نے اسکو حرام قرار دیا ہے اور اس کے پاس اس کو حرام قرار دینے میں سوائے تعصب کے کوئی اور دلیل نہیں ہے۔

مسلم اپنی صحیح میں باب جنائز کے اندر نقل کرتے ہیں کہ:

عائشہ نے رسول خداؐ سے پوچھا عورت اگر قبروں کی زیارت کیلئے نکلے تو کیا کہے۔

حضرت نے ان سے فرمایا:

کہے: اے قوم جو آرام سے اپنے گھروں میں سوئی ہے تم پر سلام ہو تم ہم سے پہلے چلے گئے اور ہم بھی جب خدا نے چاہا تم سے ملحق ہو جائیں گے۔ خداوند عالم گذرے ہوئے اور جو بعد میں آنے والے ہیں انکی مغفرت فرمائے(۷۳)۔

اسی طرح بخاری نے اپنی صحیح میں انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ:

آنحضرتؐ ایک عورت کے قریب سے گذرے جو ایک قبر کے پاس بیٹھی ہوئی رو رہی تھی آپؐ نے فرمایا: تقوائے الٰہی اختیار کر اور صابر رہ۔ اس عورت نہ کہا: مجھ سے دور ہو جاؤ۔ تم میری مصیبت میں نہ گرفتار ہو۔ اور نہ ہی اسے جانتے ہو۔ اس عورت سے کہا گیا کہ یہ رسولؐ تھے۔ وہ عورت رسولؐ کے گھر آئی اور عرض کیا: میں نے آپ کو نہ پہچانا مجھے معاف فرمایئے۔ آنحضرت نے فرمایا: اولین صدمہ اور مصیبت کیلئے صبر ہے (۴۷)۔

اس سلسلے میں حدیثیں بکثرت موجود ہیں اہل سنت کی کتب صحاح اور شیعوں کی کتابیں اس سے مالا مال ہیں لیکن وہابیت اس کا انکار کرتی ہے اور اس کے لئے کسی قدر و قیمت کی قائل نہیں ہے اور جس وقت انہیں سے بعض لوگوں پر میں نے اعتراض کیا اور ان احادیث کے ذریعہ استدلال کیا تو وہ کہنے لگے یہ روایتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔

میں نے کہا بلکہ اس کے برعکس! تحریم منسوخ ہے اس لئے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

میں پہلے تم کو قبروں کی زیارت سے روکتا تھا لیکن اس وقت کہتا ہوں کہ زیارت کرو کیونکہ یہ تمہیں موت کی یاد دلاتی ہے۔

جواب ملا: یہ حدیث مردوں کیلئے مخصوص ہے عورتیں اس سے خارج ہیں۔

میں نے کہا: تاریخ میں ثابت ہوا ہے اور محققین اہل سنت نے بھی اسے بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا ہر روز اپنے بابا کی قبر کی زیارت کو جایا کرتی تھیں، گریہ کرتی تھیں اور فرماتی تھیں:

میرے بابا! مجھ پر وہ مصیبتیں نازل ہوئیں جو اگر دنوں پر پڑتیں تو شب تاریک

میں بدل جاتے (۷۵)۔

یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت علیؑ نے ان کیلئے ایک گھر بنایا تھا جس کا نام بیت الحزن تھا اور وہ اپنا زیادہ تر وقت بقیع میں گزارتی تھیں (۷۶)۔

اس نے کہا : اگر فرض کر لیں کہ یہ حدیث درست ہے تو یہ فاطمہؑ سے مخصوص ہے۔

اسے کہتے ہیں (اندھا تعصب!) ورنہ مسلمان کیوں کر تصور کر سکتا ہے کہ خدا اور اس کا رسولؐ عورت کو اس بات سے روکیں کہ وہ اپنے والدین، بھائی، اولاد اور شوہر کی قبروں پر جائے اور ان کے لئے طلب رحمت و مغفرت کرے اور انکی قبروں پر اشک رحمت چھڑ کے اور خود بھی موت کو یاد کرے جس طرح مرد یاد کرتا ہے۔

عورت کی نسبت اس کھلے ہوئے ظلم پر خدا اور اس کا رسولؐ راضی نہ ہوں گے اور کوئی بھی عقل مند اسے قبول نہ کریگا۔

اہل بیتؑ اور آج کا مسلمان

آج کے زمانہ میں کام کی کثرت نے انسان کا تمام وقت لے لیا ہے اور صرف تھوڑے سے وقفہ کے لئے اسے آزاد چھوڑا ہے۔ پہلے ہم نے تذکرہ کیا ہے کہ پیغمبرؐ کی رسالت اور آغاز اسلام کے مسلمانوں کیلئے تین کام تھے۔

ا۔ زراعت ۲۔ تجارت ۳۔ صنعت۔ اور ان تین کاموں نے اسے مکمل آزادی دے رکھی تھی کہ وہ اپنی عبادتوں کو اس کے وقت پر آرام کے ساتھ انجام دیں۔

لذا اگر کام کے وقت نماز کا وقت آ پہنچتا تو کام سے ہاتھ روک لیتے اور نہایت ہی سکون کے ساتھ نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے۔

لیکن آج حکومت نے سبھی کو کام کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور انکو معین اوقات میں کام کرنے کی تنخواہ معین کر دی ہے۔ عام طور سے کام کے وقت انھیں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ملتی۔

اس بنا پر شاگرد، استاد، مدیر، ڈاکٹر، نرس، ملازم، پلیس اور کمپنیوں، کارخانوں، کانوں کے مزدور اور سرحدوں پر مامور محافظ، ائرپورٹ کے ملازم،

پوسٹ اور ٹلیفون کے کارکنان، اکاؤنٹینٹس وغیرہ وغیرہ یہ سبھی فریضہ نماز کو اس کے وقت پر انجام دینے کی آزادی نہیں رکھتے۔

میں خود استاد تھا اور اس مشکل میں گرفتار تھا اور بہت زیادہ پریشان اور افسوس کرتا تھا کہ نماز کو اس کے وقت پر ادا نہیں کرپاتا لہذا عام طور سے ہماری ظہر و عصر اور مغرب کی نماز چھوٹ جاتی تھی۔ خصوصاً ٹھنڈک کے موسم میں اس وقت میں شب میں چار نمازیں پڑھتا اور کبھی کبھی تھکا ہوا گھر پلٹتا اور نماز پڑھنے کی قوت نہ رکھتا اور بڑی مشکل سے نماز ادا کرتا۔

بعد میں متوجہ ہوا کہ بہت سے مسلمان اسی وجہ سے نماز کو ترک کر دیتے ہیں لیکن ایک نفسانی کشمکش کا شکار رہتے ہیں اور آرزو رکھتے ہیں کہ کاش ان کے پاس فریضہ کے انجام دینے کیلئے وقت ہوتا۔

اسی وجہ سے بعض کے یہاں نماز سے نفرت پیدا ہو گئی اس لئے کہ وہ نماز کو ایک ڈراؤنا خواب سمجھنے لگے۔ جوان کی آسائش کو ختم کر دیتی ہے لہذا اسلام پر تنقیدیں کرنے لگے کہ اسلام تھکاوٹ، مشقت اور دشواری کا دین ہے اور دوسری طرف عیسائیت تبلیغ کرتی ہے کہ یہ اچھا مذہب ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو زحمت میں نہیں ڈالتا۔ اس نے ہفتہ میں صرف ایک روز (اتوار) کو نماز اور روزہ کا دن قرار دیا ہے اور اس روز کاروبار بھی بند رہتا ہے۔ عیسائی مبلغوں نے جوانوں کے سامنے اس حساس نقطہ پر کس درجہ زور دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ ان کا دین تمدن سے ہم آہنگ ہے اور ہر دور میں عمل کے قابل ہے نماز ہفتہ میں ایک مرتبہ اور روزہ پورے سال میں ایک مرتبہ واجب ہے اور وہ بھی صرف گوشت والی غذاؤں کے نہ کھانے کا روزہ پس یہ دین محبت اور صلح و دوستی کا دین ہے۔

اور کس قدر اس تبلیغ نے مسلم نوجوانوں کو ان سے نزدیک کر دیا۔ اس

لئے کہ وہ بچپن میں وضو اور نماز کیلئے اپنے والدین کی سختی سے دوچار تھے جس نے کسی حد تک انہیں وحشت اور نفرت پیدا کر دی تھی۔

بعض والدین خصوصا جو جاہل ہیں چاہتے ہیں کہ انکی لڑکیاں (رابعۃالعدویہ) کی طرح اور لڑکے (احمد البدوی) کی طرح ہو جائیں۔اس کے پیش نظر وہ انہیں اذان صبح سے پہلے بیدار کرتے ہیں اور نماز کیلئے پہلے ہی سے زحمت و مشقت کھڑی کر دیتے ہیں اور صبح و شام اس کی نگرانی کرتے ہیں اور ہر چھوٹی بڑی غلطی پر ان کا سختی سے محاسبہ کرتے ہیں۔

اور کبھی ایک بھول یا معمولی غلطی پر پٹائی کرتے ہیں اور ان پر اس درجہ سختی کرتے ہیں کہ وہ تھک جاتے اور دین سے متنفر ہو جاتے ہیں جبکہ وہ ابھی سن بلوغ تک بھی نہیں پہنچے ہوتے، یہ وہ چیز ہے جسے ہم نے خود دیکھا ہے۔ شاید خود اپنے عزیزوں میں ایسے بچوں کو دیکھا ہو جو سختی کی بنیاد پر نماز پڑھتے ہیں۔

اور جس وقت ماں باپ کی پکڑ کمزور پڑتی ہے تو اس زنجیر کو توڑ کر نکل جاتے ہیں اور نماز کو بالکل ترک کر دیتے ہیں۔

میں نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ اپنے عزیزوں میں کچھ والدین کو اس بات پر راضی کروں کہ نماز پڑھنے پر بچوں کی پٹائی نہ کیا کریں اور انکو زبردستی نماز پڑھنے پر مجبور نہ کیا کریں بلکہ محبت و مہربانی اور نرمی کے ساتھ پیش آئیں تاکہ نماز انکی نظر میں محبوب بنے نہ کہ ڈراؤنا خواب۔

لیکن میں جب اس بات کو کہتا تو وہ کہتے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔

سات یا دس سال (روایت میں اختلاف ہے) کے بعد نماز کے لئے بچوں کی پٹائی کرو۔ اس طرح بھلے ہی جوانوں نے عیسائی مبلغوں کی پیروی نہ کی ہو لیکن نماز کو ضایع کر دیا اور اپنے دین کو چھوڑ دیا۔ جبکہ انھیں کھیلوں اور ٹیلی ویژن کے

پروگراموں کو چھوڑنا چاہیے تھا جو ذکر خدا سے روک دیتے ہیں۔

مکتب اہل بیتؑ میں مشکل کا حل

جو بھی اسلامی تربیت کے لئے مکتب اہل بیتؑ کی پیروی کرتا ہے اسے ایسی راہ حل ملتی ہے جس کو خداوند عالم نے اپنے بندوں کیلئے قرار دیا ہے جو ان کیلئے دین کو آسان کر دے اور احکام کو ہر چھوٹے بڑے تک پہنچا سکے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

خدا نے تمہارے لئے دین میں مشقت قرار نہیں دی ہے (حج/۷۸)۔

خدا تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے نہ کہ زحمت و مشکل (بقرہ/۱۸۵)۔

خدا ہر شخص پر اسکی قوت کے مطابق فرائض معین کرتا ہے (بقرہ/۲۸۶)۔

رفع حرج

رفع حرج یعنی سختی اور دباؤ کو ختم کرنا اور یہ اسلام کا ایک قاعدۂ کلیہ ہے کہ ہرج و مرج کو ختم کر دیا گیا اور ہر زحمت ممنوع ہے لیکن اگر واقعیت یہی ہے تو پھر یہ ساری سختیاں جو فقہی کتابوں میں موجود ہیں وہ کس لئے ہیں؟

اگر مسلمان (اہل سنت حضرات) کے بعض ابواب وضو اور غسل کر

سنت والجماعت کی معتبر ترین کتب (صحاح و مسانید حدیث) میں منقول ہیں۔ یہ حدیثیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ علم کا شہر ہوں اور علیؑ اسکا دروازہ ہیں۔(۲)

۲۔ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہیں جہان علیؑ ہونگے، حق بھی ان کے ساتھ ہوگا۔(۳)

۳۔ جسکا میں مولا ہوں علی بھی اسکے مولا ہیں۔(۴)

۴۔ میری نسبت علیؑ سے ایسی ہے جیسے ہارون کو موسیٰ سے تھی۔(۵)

۵۔ میرے بعد علیؑ میری امت کے اختلافات کو حل کرنے والے ہونگے۔

۶۔ علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قران علیؑ کے ساتھ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہانتک کے میرے پاس حوض کوثر پر آجائیں۔(۶)

اگر مسلمان ان حقائق کو سمجھ لیں اوران کی عقلیں صرف اور صرف حضرت علیؑ کے صحابی پیغمبرؐ ہونے کی وجہ سے ان کی پیروی کی دعوت دیں تو اس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا کہ حقیقی اسلام وہی ہے جو شیعہ امامیہ کا دین ہے۔

انہی رافضیوں کا اسلام جنھوں نے علیؑ کے علاوہ کسی اور کی پیروی کو رفض (ناپسند) کیا ہے۔

اخر کار جلسہ میں بہت گفتگو اور بحث کے بعد جو کہ بڑے صبر و حوصلہ و آرام سے انجام پائی، حاضرین میں سے بہت سے لوگ میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے مبارکباد دی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھ سے درخواست کی کہ اپنی کتابیں انہیں پیش کروں اور شیعوں کی کتابوں کے بارے میں انہیں معلومات

پڑھے تو اسے احساس ہو گا کہ آسانی کس حد تک مشکل میں تبدیل ہو چکی ہے اور انسان پر اسکی طاقت سے زیادہ فرائض عائد کئے گئے ہیں مثلاً تحریر ہے کہ اگر غسل کے بعد غسل کرنے والے کا ہاتھ اس کے عضو تناسل سے لگ جائے تو اس کا غسل باطل ہے اور اسے پھر سے غسل کرنا پڑے گا۔

مکتب اہل بیتؑ میں، اہل بیتؑ نے اپنے جد حضرت رسول خداؐ سے روایت نقل کی ہے کہ وضو دو غَسل (یعنی دوبار دھونا) اور دو مسح ہے (یعنی چہرہ اور ہاتھ کو دھونا اور سر و پا کا مسح ہے)۔

یہ ہے وضو

آپ نے مطالعہ فرمایا کہ خداوند عالم نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ نماز سے پہلے وضو کریں خداوند عالم فرماتا ہے :

اے رسولؐ! اگر نماز کیلئے اٹھو تو چہرہ کے بعد ہاتھوں کو کہنی تک دھوؤ۔ اور اپنے سر و پیر کا ابھرے ہوئے حصہ تک مسح کرو (مائدہ /٦)۔

لہٰذا وضو ہاتھوں کے دھونے اور سر و پا کا مسح کرنے کا نام ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں یہ بہت سی آسان ہے اسمیں کوئی زحمت بھی نہیں ہے۔ مسلمان مقیم ہو یا مسافر ائرپورٹ پر ہو یا ٹرین میں یا پھر گھر میں اس وضو سے اس کیلئے کوئی مشکل نہ ہوگی۔ پائپ کھولے چہرہ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دھولے اور نل کو بند کردے۔ اور پھر سر و پا کا ہاتھ کی بچی ہوئی رطوبت سے مسح کرے حتی اگر وہ چاہے تو نماز ادا کرنے کی جگہ تک جوتے کو نہ اتارے (اگر نماز ادا کرنے کی جگہ نزدیک ہو) تو وہاں جوتا اتارے اور پھر پاؤں پر مسح کرے۔

لیکن اہل سنت فقہ کے مطابق وضو بہت ہی سخت ہے کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونا۔ تین مرتبہ کلی، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالنا، تین

مرتبہ چہرہ کو دھونا، تین مرتبہ داہنے ہاتھ کو دھونا، تین مرتبہ بائیں ہاتھ کو دھونا، پورے سر، اور کان کا مسح، تین مرتبہ داہنے پیر کا دھونا اور تین مرتبہ بائیں پیر کا دھونا۔

ایسا وضو اور خصوصاً جوانوں کیلئے سفر کی حالت میں اور خاص کر ٹھنڈک میں جب کہ پیروں کو دھونا ہو اور پھر موزہ پہننے کیلئے پیروں کو خشک کرنا اسمیں ان کیلئے کس درجہ زحمت ہے۔

لیکن مکتب اہل بیتؑ میں نص کے مقابل اجتہاد اور ذاتی رائے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور قرآن و سنت رسولؐ کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ جو وضو اس مکتب میں ہے اسی کو قرآن نے بھی مسلمانوں پر واجب کیا ہے۔ اور رسول خداؐ و ائمہ اطہارؑ اسی طرح وضو کرتے تھے۔

خدا رحمت کرے عبد اللہ بن عباس پر آپ ہمیشہ تکرار کرتے رہتے کہ:

کتاب خدا میں سوائے دو دھونے اور دو مسح کے ہمیں اور کچھ نہیں ملتا لیکن تم لوگ تو صرف سنت حجاج کی پیروی کرنا چاہتے ہو (مصنف عبد الرزاق / ج ۱/ ص ۳۸ / ح ۱۱۹)۔

لذا آج مسلمانوں پر اور خاصکر سمجھدار جوانوں پر واجب ہے کہ آسانی اور سہولت کی طرف پلٹ آئیں اور لوگوں کو دین کی طرف رغبت اور شوق دلائیں، حضرت رسولؐ نے مسلمانوں کے درمیان کس قدر تاکید فرمائی ہے کہ اس قاعدہ پر عمل کریں۔

لوگو سہولت سے کام لو، مشکل پیدا نہ کرو اور لوگوں کو متنفر نہ کرو (۷۷)۔

خود اپنے آپ پر سختی نہ کرو تاکہ خدا بھی تم سے سختی سے کام نہ لے جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا (۷۸)۔

یہ تجربہ معمولاً کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے۔ کتنے ایسے جوان تھے جو وضو کی وجہ سے نماز سے گریز کرتے تھے۔ یا نماز کو تیمّم سے پڑھتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں پانی ان کے پاؤں کیلئے مضر نہ ہو(۷۹)۔

لیکن اہل بیتؑ کی روش کے مطابق وضو سے انھیں سکون حاصل ہوا اور وہ مطمئن ہو گئے۔

یہ ہے نماز

مکتب اہل بیتؑ میں نماز پانچ وقت پڑھنے کے بجائے تین وقت پڑھتے ہیں یعنی نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب عشاء کو ملا کر پڑھتے ہیں۔ اور ایک وقت نماز صبح کیلئے ایک وقت نماز ظہر و عصر کیلئے اور ایک وقت نماز مغرب و عشاء کیلئے معین کر رکھا ہے۔

ہم نے اپنی کتاب ﴿سچوں کے ساتھ ہو جاؤ﴾ میں ایک باب قران کریم اور سنت پاک کی روشنی میں ان تین وقتوں کی شرعی حیثیت سے مخصوص کیا ہے ہم مطالب کو طول دینا نہیں چاہتے اور جس بات کا تذکرہ پہلے کیا ہے اسکی تکرار نہیں کرنا چاہتے ہمارے محقق احباب اسکی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

لیکن اس جگہ ان تین وقتوں میں نمازوں کو قرار دینے کی الٰہی حکمت سے متعلق توضیح دینا چاہتے ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بھی تذکرہ کیا ہے سماج کا تین چوتھائی حصہ نوکری پیشہ ہے یہ یا تو نماز نہیں پڑھتا یا اگر پڑھتا ہے تو کسالت اور سستی کے ساتھ پڑھتا ہے اور یا پھر پڑھنے میں مشقت اور سختی محسوس کرتا ہے۔ اس لئے کہ انھیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ شرعا کام میں کمی نہیں کر سکتے

اور جس وقت میں کام کی تنخواہ لیتے ہیں اسمیں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ البتہ ہم ان لوگوں سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے جو مسجد میں پکار پکار کر کہتے ہیں نماز کے وقت کام کو چھوڑ دو بھلے ہی اسکی وجہ سے تمہیں کام سے نکال دیا جائے اس لئے کہ روزی کا دینے والا خدا ہے نہ کہ کارخانہ کا مالک اور منیجر!!

تعجب تو اس وقت ہوتا ہے جب یہی نظریہ رکھنے والے افراد خود اسی موضوع میں متضاد نظر آتے ہیں۔ ہم نے انھیں میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ حضرت عمر بن خطاب کی تعریف کرتے ہوئے کہہ رہا تھا حضرت عمر مسجد میں وارد ہوئے ایک شخص کو دیکھا جو لوگوں کے آنے سے پہلے نماز پڑھ رہا تھا۔ دوسری مرتبہ آئے دیکھا وہی شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ اور جب تیسری مرتبہ دیکھا تو کہا کون تمھاری روزانہ کی زندگی کا خرچ دیتا ہے اس نے کہا میرا بھائی مجھے کھانا کھلاتا ہے اور لباس پہناتا ہے جناب عمر نے اس سے کہا مسجد سے باہر نکل جاؤ اس لئے کہ تیرا بھائی تجھ سے بہتر ہے۔ آسمان سے تو سیم وزر نہیں برستا۔

میں اس کو کنارے لے گیا اور اس سے کہا کہ کیا تم نے ایک ماہ پہلے یہ نہ کہا تھا کہ خدا اپنے بندوں کو روزی دیتا ہے تمہارے اوپر ضروری ہے کہ نماز کے وقت کام چھوڑ دو۔ اس نے بزرگانہ مسکراہٹ کے ساتھ ہماری طرف دیکھا اور کہنے لگا ﴿ہر سخن جائی دارد﴾ میری پہلی بات قرآن سے تھی اور دوسری بات حضرت عمر فاروق کے حوالہ سے تھی اور یہ دونوں باتیں حق ہیں میں نے اس سے کہا خدا تجھے جزائے خیر دے میں نے بڑا استفادہ کیا۔

ہم پھر دو نمازوں کو ایک وقت میں انجام دینے میں الٰہی حکمت کی طرف پلٹتے ہیں کہ خداوند عالم زمین وزمان کا خالق ہے اور ماضی، حال، اور مستقبل سے آگاہ ہے اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہے۔

خدا کو علم تھا کہ ایک زمانہ میں لوگوں کی ذمہ داریاں زیادہ ہوں گی اور انکی آزادی کم اور وقت محدود ہو گا۔ اور چونکہ حضرت محمدؐ خاتم الانبیاءؑ ہیں اور آپ کی شریعت قیامت تک باقی ہے۔ اور حکمت الٰہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ بندوں کیلئے آسانی پیدا کی جائے اور عسر و حرج کو ختم کیا جائے لہٰذا اپنے رسولؐ سے فرمایا: نماز ظہر و عصر، مغرب و عشاء کو ایک ساتھ ادا کریں اور یہی روش امت کو تعلیم فرمائیں تاکہ ان پر سے حرج اور سختی ختم ہو جائے۔

پیغمبرؐ نے اس حکم پر عمل کیا اور کئی مرتبہ مدینہ منورہ میں اسی روش پر نماز ادا کی اور جس وقت آپ سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

میں اپنی امت پر سختی نہیں چاہتا (۸۰)۔

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ ابن عباس نے کہا:

رسول خداؐ نے مدینہ میں سات رکعتی اور آٹھ رکعتی نماز پڑھی، یعنی ظہر و عصر اور اسی طرح مغرب و عشاء (۸۱)۔

یہ ہے حکمت الٰہی اور یہ ہے رسول خداؐ کی نماز، جسے آنحضرتؐ نے پروردگار کے حکم کی بنیاد پر انجام دیا۔ تاکہ امت کیلئے فشار و سختی کا باعث نہ ہوں۔

ہم کیوں اس روش کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ یہ سہل اور آسان ہے اور ملازم، کاریگر، طالب علم اور فوجی سبھی کیلئے سازگار اور ممکن ہے اور کوئی کام ایسا نہیں جو ان وقتوں سے بڑھکر ہو۔ اس طرح اب کسی مسلمان کیلئے کوئی بہانہ نہیں۔

یہ بات دنیا میں معروف ہے کہ ڈیوٹی کا وقت آٹھ گھنٹا ہوتا ہے اور دو حصوں میں کام ہوتا ہے صبح ۸ بجے سے لیکر ۱۲ بجے تک اور بیچ میں دو گھنٹہ استراحت پھر ۲ بجے سے لیکر شام کے ۶ بجے تک۔ اس صورت میں مسلمان نماز

ظہر و عصر کو آرام کے وقت میں کام پر دوبارہ جانے سے پہلے انجام دے سکتا ہے۔
اور اس طرح اس نے نماز ظہر و عصر کو اس کے صحیح وقت پر انجام دیا ہے اور پھر نہایت آرام سے کام پر آسکتا ہے۔

لیکن اگر کام سارے دن کا ہو جیسے معدنیات یا اس سے مشابہ جگھوں پر کام ، تو (قانون کار) ۷ گھنٹے مسلسل کام کو تجویز کرتا ہے اور آدھا گھنٹہ آرام کیلئے دیتا ہے اس قسم کی کمپنیاں کام کو تین شفٹوں میں معین کرتی ہیں۔

۱۔ ایک گروہ صبح ۷ بجے سے ۲ بجے تک کام کرتا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ ۲ بجے (بعد از ظہر) سے رات کے ۹ بجے تک کام کرتا ہے۔

۳۔ اور تیسرا گروہ ۹ بجے رات سے ۴ بجے صبح تک کام کرتا ہے۔

نماز کیلئے اس حکمت الٰہی کے تحت یہ سارے گروہ بغیر کسی زحمت کے اپنے وقت پر نماز ادا کر سکتے ہیں۔

اور کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس نماز ادا کرنے کا وقت نہیں ہے یا یہ کہ نماز کا وقت جا رہا ہے اور وہ نماز ادا نہیں کر سکتا۔

اس طرح ہم نماز ادا کرنے میں قرآن و سنت کی پیروی کریں گے۔
اس لئے کہ حکم یہی ہے کہ مؤمنین نماز کو اس کے وقت پر انجام دیں۔ اسی کے ساتھ ہم اپنی اور دوسروں کی سختی و مشقت کو بھی دور کر سکتے ہیں۔

شاید بہت سے جوان جنھوں نے اپنی نماز کو ترک کر دیا ہے پھر سے نماز کی آغوش میں پلٹ آئیں۔ اگر انھیں یہ پتہ چل جائے کہ خدا نے اسی امر کی تشریح کی ہے اور رسول خداؐ و آپ کے اہل بیتؑ نے اسی کو انجام دیا ہے۔

یہ ہے زکات

دیگر اسلامی فرقوں کے مقابل مکتب اہل بیتؑ زکات کے مسئلہ میں مختلف ہے۔ دیگر فرقے زکات کو واجب سمجھتے ہیں اور خمس کو صرف جنگی مال غنیمت میں واجب سمجھتے ہیں۔

لیکن اہل بیتؑ زکات اور خمس دونوں کو واجب سمجھتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے ہر سال کے فائدہ وکسب کا خمس ادا کرے۔ زکات کا وجوب مندرجہ ذیل موارد میں ہے:

۱۔ نقدین (سونا اور چاندی)۔

۲۔ حیوان (اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری)۔

۳۔ غلات (جو، گیہوں، خرما،)۔

اور اگر ہم ان موارد پر غور کریں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ صرف یہ چیز اسلامی سماج کی ترقی کیلئے کہ وہ زمانہ کے ساتھ چلے اور فقر و تنگدستی کو دور کرے، امنیت و معاش فراہم کرے، ہاسپٹل، یونیورسٹی، راستے اور مکان اس کے ذریعہ بنائے جائیں۔ اور پر سکون و آرام بخش زندگی فراہم کی جائے۔ بے کار محتاج اور

فراہم کروں۔

اس گروہ میں ایک فرد اسی مسجد کے امام جماعت بھی تھے جب میں مصائب اہل بیتؑ پڑھ رہا تھا تو وہ گریہ کر رہے تھ انہوں نے مصر سے P.H.D کی ہے۔ وہ محبّ اہل بیتؑ ہیں انہوں نے مجھ سے کہا: مبارک ہو اے بھائی! مجھے یقین نہیں تھا کہ تم اتنی آسانی سے ہمیں مطمئن اور قانع کر لو گے مجھے بعض متعصبین سے جو تم سے جلتے ہیں خوف محسوس ہو رہا تھا، لیکن خدا کی قسم تم نے اپنی سچی باتوں سے ان کے دل جیت لئے۔

ضرورت مندوں کی ضرورت دور ہو، کافی نہیں ہے۔

یہ تو واضح ہے کہ قوم کے ۲۰٪ افراد ثروتمند ہوتے ہیں اور ۵۰٪ افراد درمیانی درجہ کے ہیں جبکہ ۳۰٪ فقیر، بے چارے اور محتاج ہیں جو مدد کے مستحق ہیں لہٰذا اگر مذکورہ موارد میں زکات جس کو آنحضرتؐ نے معین فرمایا ہے مشخص قیمت یعنی ۵/ ۲٪ حساب کریں تو قطعاً ضرورت پوری نہ ہوگی۔

جس کے پاس ہزاروں زیتون کے درخت ہوں وہ کہے گا: ہم پر زکات واجب نہیں ہے کیونکہ آنحضرتؐ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے اسی طرح وہ لوگ جو چاول اور دالیں پیدا کرتے ہیں اور سمندر سے سینکڑوں ٹن مچھلی شکار کرتے ہیں ان سبھی کے اوپر زکات واجب نہیں ہے۔ اور بالفرض یہ بھی قائل ہو جائیں اور زکات ادا کریں تو ۵/ ۲٪ سے زیادہ زکات نہ دیں گے اور اسکی کوئی قیمت نہ ہو گی۔

لیکن خمس جسکو خدا نے مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

جان لو کہ جب بھی تم کو فائدہ یا غنیمت حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ خدا، اس کے رسولؐ، اقرباء، یتیم، بے کس اور راہ میں محتاج ہو جانے والوں کا ہے

(انفال/ ۴۱)۔

ہم نے اپنی کتاب ﴿سچوں کے ساتھ ہو جاؤ﴾ میں سے بحث کی ہے لہٰذا جو چاہتا ہے وہاں ملاحظہ کرے۔ ہم امویوں کی طرح اس آیت کی تاویل نہیں کرنا چاہتے اور اس کے حکم کو ختم کر کے اسے صرف جنگی غنائم میں محدود کر کے لوگوں کو مطمئن کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ہم تو انکو اس بات کا قائل کرنا چاہتے ہیں کہ اہل بیتؑ (جو کہ بہ نسبت دوسروں کے کتاب و سنت سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں) کے بتائے ہوئے دستور پر عمل کریں یعنی سالانہ منافع کا

پانچواں حصہ ادا کریں۔

ایک نہایت ہی معمولی حساب کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان موجود واقعیت اور اس نظریہ میں جس پر عمل نہیں ہوتا فرق معلوم ہو جاتا ہے کہ معدودے چند اور وہ بھی غیر منظّم طور سے اس پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً فرض کریں خداوند عالم نے کسی مسلمان پر عنایت فرمائی اور اسے ۱۰ ہزار دینار کا نفع ہوا۔

اگر یہ آدمی زکات ادا کرے گا تو صرف ۲۵۰ دینار زکات دے گا لیکن اگر یہ اہل بیتؑ کے دستور پر عمل کرے تو اسے ۲۰۰۰ ہزار دینار ادا کرنا ہوں گے۔ لذا اگر مذہب اہل سنت کے مطابق ادا کرے تو اس کے پاس ۹۷۵۰ دینار بچتے ہیں اور اگر مذہب اہل بیتؑ کے مطابق ادا کرے تو اس کے پاس صرف آٹھ ہزار (۸۰۰۰) دینار بچتے ہیں۔

اس مفروضہ کی بنیاد پر اہل سنت فقیر مسلمان کو پورے سال میں صرف ۲۵۰ دینار حاصل ہوتا ہے اور اہل بیتؑ کے پیرو فقیر مسلمان کو ایک سال میں ۲۰۰۰ دینار حاصل ہوگا۔ اور ان دونوں رقم کے درمیان کافی فرق ہے۔

نیز اہل سنت فقیر اور دولت مند مسلمان، کا باہم موازنہ کریں تو اس طرح ہوگا ۹۷۵۰ کے مقابلے میں ۲۵۰ دینار اور یہ بہت بڑا فرق ہے یعنی چالیسواں حصہ۔ بلفظ دیگر اگر دولت مند کے پاس چالیس روٹی ہوگی تو فقیر کے پاس صرف ایک روٹی ہوگی۔ لیکن اگر اہل بیتؑ کے پیرو فقیر و ثروتمند میں موازنہ کریں تو اس طرح ہوگا۔

۸۰۰۰ کے مقابل ۲۰۰۰ دینار اور یہ نسبت معقول ہے یعنی چار کے مقابل ایک ہے یعنی اگر دولت مند کے پاس چار روٹی ہو گی تو فقیر کے پاس ایک روٹی۔

دوسرے لفظوں میں اہل سنت فقیر کا ایک حصہ ہے اور اہل سنت دولت مند کے ۳۹ حصے اور یہ فرق بہت زیادہ ہے خداوند عالم نے اس سے ہوشیار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

یہاں تک کہ تمام غنائم امیروں کے ہاتھ میں نہ آجائیں اور صرف انھیں کے ہاتھوں میں ردوبدل ہوتے رہیں (حشر/۷)۔

اور اسی طرح ہے بھی اس لئے کہ قوم کے غنی اور دولت مند افراد جو صرف ۲۰٪ ہیں ۹۵٪ دولت اور سرمایہ پر قابض ہیں بلکہ باقی قوم صرف ۵٪ کی مالک ہے لیکن اہل بیتؑ کا پیرو ہر چار حصہ کے مقابل ایک حصہ کا مالک ہے یہ فرق گرچہ زیادہ ہے لیکن اس قدر فاحش نہیں ہے اور اس صورت میں دولت مند افراد ۷۵٪ پر قابض ہوں گے اور باقی ۲۵٪ دولت دوسرے تمام لوگوں کے ہاتھ میں ہو گی۔

ان تمام حساب و کتاب کے باوجود اسلام نے لوگوں کو مستحبی صدقہ دینے کی بھی کافی ترغیب فرمائی ہے بلکہ دوسری زکات کو بھی صرف دولت مندوں پر واجب قرار دیا ہے مثلاً زکاتِ فطرہ، قربانیاں، کفارے، نذریں، اسی طرح اسلام نے حاکم شرع کو حق دیا ہے کہ وہ سرمایہ داروں کے مال میں تصرف کرے اور اگر ضروری ہو تو ان سے لے اور فقراء کے درمیان تقسیم کرے یا بیت

المال کے حوالہ کردے۔

جوواقعیت سامنے ہے وہ کچھ اور ہے اور خدا نے جس چیز کا قرآن میں حکم دیا ہے اور رسول خداؐ نیز آپ کے اہل بیتؑ نے جس پر عمل کیا ہے وہ کچھ اور ہے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی ملتوں میں طاقت، دولت مندوں کے ہاتھ میں ہے اور طاقت والوں اور دولت مندوں کی تعداد بھی کم ہے جبکہ وہ ہر چیز کے مالک ہیں لیکن فقراء کی تعداد بہت زیادہ ہے جبکہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔

کمنسٹوں نے بھی عالم اسلام میں رائج اسی کمزوری کو پکڑ لیا اور آسانی کے ساتھ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں روشن فکر طلباء کو اپنی طرف جذب کر لیا اور انھیں قوم کے ہر فرد کے درمیان دولت کی مساوی تقسیم کا نظریہ بطور تحفہ پیش کر دیا۔

اس طرح بہت سے مسلمان نوجوان کمنسٹ ہو گئے اور اس تھیوری کو اپنے لئے منتخب کر لیا اور دین کو خیرباد کہہ دیا۔ عقاید ترک کر دئے اور اپنے آباء واجداد سے نفرت کرنے لگے۔ اسلام نے کمیونزم سے بدتر خطرہ نہیں دیکھا اس لئے کہ وہ اندر ہی اندر اپنے ہی روشن خیال فرزند کے ہاتھوں ویران ہو گیا۔ کیونکہ جب ایسے لوگ حکومت میں آئے تو انھوں نے اسلام سے جنگ کی اور اپنی قوم پر خاطر خواہ اثر ڈالا۔

اگر آج ہم کمیونسٹ کی لعنت میں گرفتار ہو گئے تو ہمیں چاہیے گذشتہ مسلمانوں کو سرزنش کریں کہ جنھوں نے احکام خدا میں تحریف کی یہاں تک کہ فقر زیادہ ہو گیا اور جہل و پسماندگی تاریکی، تعصب اور نادانی کا ان پر راج ہو گیا۔

﴿لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم﴾

موقت شادی (متعہ) کی اہمیت

سب سے خطرناک سماجی مشکل جو انسانی سماج کو تباہ کر رہی ہے وہ جنسی مشکل ہے ۔جنسی شہوت ، جیسا کہ سبھی جانتے ہیں بشری زندگی کی بقا کے لئے اساس ہے اور خداوند عالم نے انسان ، حیوان اور نبات سب کو نر و مادہ کی صورت میں پیدا کیا ہے :

خداوند عالم فرماتا ہے :

ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے تا کہ تم متوجہ ہو جاؤ (ذاریات ۴۹/)۔

اور خداوند عالم نے تمہارے لیے بیویاں قرار دیں اور تمہاری بیویوں سے بیٹے ،

بیٹیاں ، پوتے ، پوتیاں پیدا کئے (نحل ۷۲/)۔

زندگی کی بقاء کیلئے ضروری ہے نر و مادہ باہم وصلت کریں اور یہی خلق خدا کے درمیان اسکی سنت ہے۔

شادی اور نسل کو آگے بڑھانے کیلئے اللہ نے مرد و عورت میں جنسی خواہش پیدا کی ہے تا کہ انمیں سے ہر ایک مد مقابل سے جنسی رابطہ پیدا کرنے کیلئے میلان رکھے۔ اور ہر ایک کی جنسی خواہش پوری ہو اور اس کے نتیجہ میں اسپرم اور

اوم فرٹیلائز ہوں۔ اور ایک بچہ وجود میں آئے۔ وہ بھی رشد و نمو کرے، بڑا ہو اور اسی طرح وہ بھی حیات بشری کو آگے بڑھائے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وہی ہے جس نے آب (نطفہ) سے آدمی کو خلق کیا اور ان کے درمیان رشتہ ناطہ برقرار کیا اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے (فرقان ر ۵۴)۔

اسلامی شریعت نے اس جنسی غریزہ کیلئے قید و شرط اور ایک خاص حد معین کی ہے جس کی ہر شخص پابندی نہیں کرتا۔ لہذا اگر خاندان و نسل اور انسانی شرف کی حفاظت کی غرض سے شرعی شادی کے بغیر جنسی رابطہ برقرار کیا جائے تو حرام ہے۔

لیکن غربی سماج میں جوان و نوجوان بغیر کسی قید و شرط کے نہایت آسانی کے ساتھ جنسی عمل انجام دیتے ہیں اور نہ صرف اسکو برا نہیں سمجھتے بلکہ ایک طبیعی امر سمجھتے ہیں اور اس پر انکی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے وہ اس عمل میں اس درجہ آگے بڑھ چکے ہیں کہ حیوانات کی طرح بلکہ حیوانت سے بھی برے اور قبیح ڈھنگ سے زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اگر کوئی مرد شادی کرے اور بیوی کو باکرہ پائے تو اسے تعجب ہوتا ہے اور وہ اسکو ایک غیر معمولی بات سمجھتا ہے۔

لیکن مسلمانوں کے ہاں مطلب بالکل مختلف ہے زن و مرد کا ایک جگہ جمع ہونا منع ہے مگر خاص خاص مواقع پر حجاب اسلامی کے ساتھ ممکن ہے یعنی عورت کا چہرہ اور کلائیوں تک ہاتھ کے سوا کوئی حصہ کھلا نہ ہو۔

بلکہ اس سے بھی بڑھکر اولاد کی تربیت ہے خصوصا لڑکیاں اس طرح پرورش کی جاتی ہیں کہ پردہ اور حیا و شرم کی پابند ہوں بکارت یا کنوارا پن عفت و

شرافت کا معیار ہے۔ زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ لڑکی شوہر کے گھر جاتی ہے لیکن جنسی عمل کے متعلق کچھ نہیں جانتی اسی طرح مرد بھی ناواقف ہوتا ہے۔

البتہ یہ مطلب اس اسلامی سماج مں جہاں احکام شریعت پر عمل ہوتا ہے صادق آتا ہے یا یوں کہوں تو بہتر ہوگا کہ اسلامی آئیڈیل سماج میں ہوتا ہے جو آج کے زمانہ میں سوائے ایک خواب کے کچھ اور نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسپر عمل اگر محال نہ ہو تو دشوار ضرور ہے۔

بہر حال جوان چاہے لڑکا ہو یا لڑکی جسمانی اور جنسی رشد و کمال کے وقت اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ حتی ممکن ہے گھر والوں کی شدید نگرانی کی صورت میں ہم جنس بازی کا شکار ہو جائے جو خطرناک امراض کا باعث ہونے کے علاوہ خاندان اور بالاخر سماج کی ویرانی کا اصلی عامل ہوگا۔

بہر حال غربی معاشرہ میں جنسی عمل کو انجام دینے میں، افراط سے کام لیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس نے حیوانی شکل اختیار کرلی ہے۔ اور عورت و مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح اور جس کے ساتھ بھی آتش شہوت کو ٹھنڈا کرنا چاہیں کریں۔ حتی شادی شدہ ہی کیوں نہ ہوں! اور دوسری طرف اسلامی اور عربی معاشرہ میں تفریط سے کام لیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اسلامی معاشرہ نفسانی مشکلات کا شکار ہو گیا اور عورت و مرد کے درمیان شرعی رابطہ بھی مشکل ہو گیا۔ اوراس سے بھی بالاتر بعض اسلامی مذاہب کے فقہاء نے ﴿سد باب الذرایع﴾ کے عنوان کے تحت زنا کے مراکز کھونے کی اجازت دے دی ہے۔ تاکہ خود ان کے خیال میں لاابالی جوان پاکدامن مسلمان عورتوں اور باعفت لڑکیوں پر حملہ نہ کریں۔ لیکن اس نے نہ صرف مشکل کو حل نہیں کیا بلکہ سماج کھلی ہوئی بے راہ روی اور فساد کی طرف بڑھ گیا ہے۔

اسلامی سماج میں عورت کی مظلومیت

عورت آج بھی اسلامی اور عربی سماج میں مظلوم ہے۔
شاید مسلمانوں کو ابھی تک نہ معلوم ہو کہ عورت بھی جسم، روح، فکر، قلب، شعور اور جذبات رکھتی ہے اور کسی ایسے شرف اور عزت کا مرد مدعی نہیں ہو سکتا جو عورت کے پاس نہ ہو۔
خداوند عالم نے قرآن میں عورت و مرد کے درمیان مساوات قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

اے انسانو! ہم نے تمہیں مرد و عورت کی شکل میں خلق کیا اور تمہیں قوم اور قبیلوں میں قرار دیا تا کہ پہچانے جاؤ۔ (لیکن جان لو) کہ خدا کے نزدیک تم میں سب سے محترم سب سے پرہیزگار شخص ہے (حجرات/ ۱۳)۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

پس ان کے خدا نے ان کی دعا کو مستجاب کیا (اور فرمایا) میں تم میں سے مرد ہو یا زن کسی کے بھی عمل کو ضایع نہ کرونگا۔ لوگوں میں بعض، بعض پر فضیلت رکھتے ہیں (آل عمران/ ۱۹۵)۔

راہ پیغمبرؐ کو جاری رکھنے والے

اہل بیتؑ سے ہماری مراد پیغمبرؐ کی عترت میں بارہ امام علیھم السلام ہیں ہم نے گذشتہ کتابوں میں اس سلسلہ میں گفتگو کی ہے۔ شیعوں اور اہل سنت کا اتفاق ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

میرے بعد ائمہ بارہ افراد ہونگے اور یہ سب کے سب قریش سے ہونگے (۷)

آپ نے مزید فرمایا۔ یہ امر (امامت) قریش ہی میں رہے گا خواہ قریش میں صرف دو ہی آدمی کیوں نہ بچے ہوں۔ (۸)

اور چونکہ سبھی جانتے ہیں کہ خدا اس نے آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و خاندان عمران کو دنیا کے تمام لوگوں میں منتخب کیا ہے۔ پس پیغمبر اکرمؐ نے ہمیں بتایا ہے کہ خدا نے ان تمام لوگوں پر بنی ہاشم کو منتخب کیا ہے اور یہ لوگ تمام برگزیدہ افراد پر فضیلت رکھتے ہیں۔

صحیح مسلم کے باب فضائل میں (دیگر لوگوں پر فضیلت پیغمبر اکرمؐ) کے باب میں آنخضرتؐ سے منقول ہے خدا نے کنانہ کو فرزندان اسماعیل سے منتخب کیا اور قریش کو کنانہ سے۔ اور بنی ہاشم کو قریش سے اور مجھے بنی ہاشم سے۔ (۹)

ہاں ہم انکار نہی کرتے کہ خداوند عالم نے مرد کو عورت پر ایک درجہ فوقیت دی ہے اور وہ بھی خاندان کی ذمہ داری اور دوام کی خاطر اور اس کا فضیلت سے کوئی ربط نہیں ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے :

عورت و مرد کے ایک دوسرے پر جائز حقوق ہیں لیکن مرد عورتوں پر ایک درجہ برتری رکھتے ہیں اور خداوند عالم حکیم و قادر ہے (بقرہ/۲۲۸)۔

خداوند عالم کی حکمت اس بات کی مقتضی ہے کہ عورت و مرد حقوق اور واجبات میں مساوی ہوں۔ (۸۲) چنانچہ یہ اسکی حکمت کا تقاضا تھا کہ وہ ذمہ داری سنبھالنا مردوں کے حوالہ کرے اس لئے کہ اس نے مرد کے اندر اسکی قوت پیدا کی ہے کہ وہ اپنی بیوی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرے۔ خوف و وحشت کے حالات میں مرد و عورت کیلئے پناہ گاہ ہے اور اسی مرتبہ نے مرد پر جہاد کو واجب قرار دیا ہے جبکہ عورتوں پر جنگ و جہاد واجب نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کبھی خدا نے عورت کی حفاظت اور نگہبانی کیلئے جہاد کو مرد پر لازم و واجب قرار دیا ہے اور فرمایا ہے :

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ راہ خدا میں، ناچار مردوں، عورتوں اور بچوں کے حق میں جہاد نہیں کرتے (نساء/۷۵)۔

یہ وہ چیز ہے جو ہمیں قرآن کریم سے حاصل ہوتی ہے اور اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ خداوند عالم نے مردوں کو عورتوں پر برتری دی ہو۔ چنانچہ ممکن ہے ایک مرد لاکھوں، عورتوں سے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے روز قیامت خدا کے نزدیک ایک عورت لاکھوں مرد سے بہتر ہو۔

اور اس کے بعد ہمارے لئے رسول خداؐ کا اسوۂ حسنہ ہے جنھوں نے عورتوں کے ساتھ وہ نیک برتاؤ کیا کہ جسکی نظیر دنیا نے نہیں دیکھی۔ آنحضرتؐ

نے اپنی تمام عمر میں کسی بھی زوجہ کی پٹائی نہ کی گرچہ ان میں بعض سے خوش نہ تھے۔ اور ہمیشہ عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کو احسان کرنے کی تاکید کرتے رہے۔

ان باتوں کے باوجود مسلمانوں میں آج بھی جاہلیت کا وہ جذبہ باقی ہے۔

آپ آج کل سنتے ہوں گے کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو صرف اس لئے طلاق دیدیا کہ اس نے لڑکا نہیں پیدا کیا۔ اور آج قرآن کے صرف اس نعرہ کو مرد زیادہ بلند کرتے ہیں ﴿واضربوھن﴾ انکی پٹائی کرو۔ یا یہ کہ عورت فتنہ ہے! یہ شیطان ہے! ذلت و رسوائی کا سبب ہے!

عورت کو ہم مسلمانوں کے درمیان آج بھی پس ماندہ رکھا گیا ہے اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ تعلیم حاصل کرے اور بعض اجازت نہیں دیتے کہ باپ کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلے یہاں تک کہ شوہر کے گھر یا پھر قبر کی طرف جائے۔ اور بعض جھوٹی یا ضعیف حدیثیں جوانوں اور روشن خیال افراد کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: عورت کیلئے بہترین چیز یہ ہے کہ نہ کوئی مرد اسے دیکھے اور نہ وہ کسی مرد کو دیکھے۔

یہ کون سی آئیڈیالوجی ہے جو قرآن کی سراسر مخالف ہے۔ اس لئے کہ قرآن نے عورت کو آزادی دی ہے اور اسے بھی مردوں کی طرح حقوق بخشے ہیں ورنہ کیا معنی تھا کہ خداوند عالم فرماتا:

اے رسولؐ مؤمنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھوں کو نامحرموں سے بچائیں اور اپنے دامن کو (حرام) سے محفوظ رکھیں اور یہ ان کیلئے بہتر اور زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں خداوند عالم اس سے آگاہ اور واقف ہے اور مؤمنہ عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نامحرموں سے بچائیں اور اپنے دامن کو

محفوظ رکھیں اور اپنے بناؤ سنگار کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہو (نور / ۳۰، ۳۱)۔

اور یہ عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی آزادی پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ (اس سے مراد عورت کا اصل باہر نکلنا ہے نہ کہ شوہر کی اجازت کے بغیر کہ یہ ناجائز ہے) اور اگر ان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر اپنی نگاہوں کو نامحرموں سے بچائیں اور دامن عفت کو محفوظ رکھیں تو مردوں کا بھی یہی فریضہ ہے۔

لیکن افسوس اسلامی سماج میں آج بھی جاہل عربی فکر نظر آتی ہے۔ اور قرآن نے مسلمانوں کیلئے جس مرتبہ کا اقرار کیا تھا انھوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا اور سارے حقوق اپنے لئے مخصوص کر لئے۔ عورتوں کو حتیٰ ان کے شرعی حقوق سے بھی محروم کر دیا۔ اور ان کیلئے کچھ بھی باقی نہ چھوڑا۔

میں مبالغہ سے کام نہیں لیتا اگر کہوں کہ ہماری پسماندگی کا سبب وہ ظلم ہے جسے ہم نے اپنی عورتوں پر روا رکھا ہے اور ان پر تمام دروازے بند کر دئے ہیں یعنی نہ ثقافت نہ تعلیم نہ ارتباط۔ نہ باہر جانا نہ آزادی، نہ انھیں اختیار ہے کہ وہ اپنے شریک زندگی کا خود انتخاب کریں۔ زیادہ دور کی بات نہیں ہماری عورتیں شادی تو کرتی تھیں لیکن انھیں انتخاب و اختیار کا حق حاصل نہ تھا اور پھر اختیار ہوتا بھی تو کس طرح وہ کسی کو پہچانتی ہی نہ تھیں (۸۳)۔

اسی طرح عورت کو شب زفاف پہ پتہ چلتا کہ اسے ایسا شوہر نصیب ہوا ہے جو اس کے باپ کا ہم عمر ہے اور وہ مجبوراً اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتی ہے ساتھ ہی اپنی بدقسمتی پر گریہ و غصہ کرتی اور اس کے جواب میں اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے تمہارے لئے یہی چاہا ہے لہذا سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں ہے!

اور وہ بھی دودھ دینے والی گائے کی طرح بچہ دینے، دودھ پلانے اور انکی تربیت کرنے میں مشغول ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے شوہر کو زیادہ بچے اچھے لگتے ہیں۔

زیادہ عرصہ نہیں گذرتا کہ میاں بیوی کے درمیان شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ شوہر اس سے عمر میں کافی بڑا ہے اور اسکی شرعی ضرورت کو پورا کرنے سے عاجز ہوتا ہے غالباً شوہر بھی اسے ترک کر دیتا ہے۔ اور خواہشات کے طوفان کے مقابل اسے تنہا چھوڑ دیتا ہے اور اس اندیشہ کے پیش نظر کہ اسکی خوبصورت اور جوان بیوی پر کسی کی نظر نہ پڑے اسکے گھر سے باہر نکلنے پر مکمل پابندی لگا دیتا ہے تاکہ نہ وہ کسی کو دیکھے اور نہ ہی اسے کوئی دیکھے۔

لیکن بہر حال ہمیشہ یہ صورت باقی نہیں رہتی اور جنسی خواہش اس عورت پر غالب آتی ہے اور پہلی فرصت جو اس کے ہاتھ لگتی ہے (ولو رد عمل کے عنوان سے ہی کیوں نہ ہو) غیر مرد کے ساتھ ناجائز عمل کی مرتکب ہوتی ہے۔ بلکہ ممکن ہے شادی شدہ عورتیں عاشق و محبوب رکھتی ہوں۔ اسی طرح شادی شدہ مرد بھی غیر عورتوں کے ساتھ ناجائز روابط رکھتے ہوں اور اس حرام راہ سے بے گناہ بچے پیدا ہوں۔ اور سماج کو مشکلات اور فساد و تباہی میں مبتلا کر دیں اس طرح عظیم انسانی اقدار پامال ہو جاتے ہیں اور اسلامی سماج کی فضیلت فنا ہو جاتی ہے۔ خیانت بڑھنے لگتی ہے، زنا، فحاشی رذیلت، بدبختی، بربادی، فضیلت و اعلیٰ اقدار کی جگہ لیتی ہے۔

افسوس یہ وہی چیز ہے جو ہمارے سماج میں پیدا ہو گئی ہے ہمیں اس دردناک حقیقت پر توجہ دینی چاہیے اور شتر مرغ کی طرح اپنی گردن کو ریت میں چھپانے اور آنکھوں کو بند رکھنے سے گریز کرنا چاہیے۔

میں نے جس روز سے اسلام کو پہچانا ہے اور سمجھا کہ بہترین شریعت یہی

ہے اسی روز سے عورتوں کی آزادی کیلئے فریاد کر رہا ہوں۔ اور تمام کانفرنسوں، نشستوں اور تحریروں میں عورتوں کی ترقی کا خواہاں رہا ہوں اس لئے کہ انسانی سماج کا آدھے سے زیادہ حصہ عورتوں پر مشتمل ہے۔ لذا اگر آدھا سماج مفلوج ہو جائے گا اور معاشرہ کا آدھا حصہ اپنے فریضہ کو انجام دینے سے قاصر ہو گا تو نابود ہو جائیگا۔ کیونکہ جس بدن کا ہاتھ اور پیر مفلوج اور ناکارہ ہو جائے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔

عورتوں پر معاشرہ کا ظلم یہ ہے کہ ہم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ ہم کس طرح مردوں کی جنسی خواہش کو پورا کر سکتے ہیں۔ اور ﴿سد باب الذرایع﴾ کے عنوان سے فحاشی کے عمومی مرکز مردوں کی شہوت رانی کیلئے کھول دیئے گئے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ اسکو قبیح اور برا سمجھیں ایسی جگھوں پر جانے کو اپنی مردانگی کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے دوستوں کے درمیان ایسی جگہ پر رفت و آمد پر فخر و مباحات کرتے ہیں۔ ان بیچاری عورتوں سے ہمبستر ہوتے ہیں اور جس وقت گھر پلٹتے ہیں اور اپنی بہنوں کو کھڑکی سے لوگوں پر نگاہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے سروں پر قیامت مچا دیتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے مردانہ لات مکّے سے انکی ہڈی پسلی برابر کر دیتے ہیں۔

یہ کیسے فقیہ ہیں جنکو ان مردوں کی جنسی خواہش کی تکمیل کی تو فکر ہوئی لیکن انہوں نے عورتوں کی خواہش کی تکمیل کو نظر انداز کر دیا؟ یہ کیوں انصاف نہیں کرتے۔

میں عورتوں کیلئے ہرگز مغربی طرز کی آزادی کا خواہاں نہیں ہوں۔ مغرب تو فاسد و ملحد ہے اور کسی بھی انسانی و اخلاقی اقدار کا قائل نہیں بلکہ مطلق آزادی کا معتقد ہے!

لیکن میں معتقد ہوں کہ خدا اور سولؐ نے عورت کیلئے جو حدود معین کی ہیں یعنی حجاب، عفت، حرام سے نگاہوں کو بچانا اور دامن کو محفوظ رکھنا، باپ کے گھر میں جو حقوق بھائی کو حاصل ہیں وہی بہن کو حاصل ہیں، اسی طرح گھر میں جو حقوق شوہر کو حاصل ہیں وہی بیوی کو بھی حاصل ہیں، اور اگر ہم اس کے قائل ہو گئے تو گویا ہم نے خود کو اور سماج کو پسماندگی سے نجات دیدی۔

لیکن (اہل سنت فقہاء) اگر صرف مردوں کا خیال کریں اور انھیں عورتوں کے انتخاب میں تو آزاد رکھیں اور عورتوں کا کوئی خیال نہ رکھیں تو یہ کھلی ہوئی بے انصافی ہے۔

اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ کیا اسلام نے بھی یہی رویہ برتا ہے؟ کیا اسلام نے جن چیزوں کو مردوں کیلئے مباح جانا ہے اسے عورتوں کیلئے حرام قرار دیا ہے؟

جنسی مسائل کے متعلق رسول اسلامؐ کے کثرت سے ارشادات موجود ہیں اس مشکل کے حل بھی بیان فرمائے ہیں جس کے ذریعہ اسلامی سماج کو فساد و فحاشی سے محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

> اے جوانو! جو بھی شادی کر سکتا ہے اسے شادی کر لینی چاہیے اس لئے کہ حرام سے دامن اور نگاہوں کو بچانے کیلئے (یہی) بہتر ہے اور جو شادی نہیں کر سکتا اسے روزہ رکھنا چاہیے (صحیح بخاری ج ۷، ص ۳۔ کتاب النکاح)۔

یہ ان جوانوں کیلئے راہ حل ہے جو شادی کر سکتے ہیں۔ پس جو بھی شادی کرے چاہے وہ مرد ہو یا عورت اس نے اپنے جنسی غریزہ کو محفوظ کر لیا اور شادی دونوں کیلئے راہ حل ہے۔ لیکن جو جوان شادی نہیں کر سکتے انکی مشکل ویسے ہی اپنی جگہ پر برقرار ہے۔ اور جب آنحضرتؐ کے زمانہ میں ایسے جوان موجود تھے جو

شادی کیلئے مالی امکان نہ رکھتے تھے جبکہ اس زمانہ میں شادی بدون خرچ اور سادہ ہوا کرتی تھی، تو پھر آج کے جوان کیلئے کیا کہیں؟

آج شادی بہت مشکل ہے اس لئے کہ:

جوان چاہے لڑکا ہو یا لڑکی کم از کم ۲۵ سال تک تحصیل علم میں مشغول رہتا ہے اس کے بعد اسے کام کی تلاش ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی زندگی کے اخراجات پورے کر سکے۔ پھر اس کے بعد ایک گھر کو آمادہ اور تیار کرنا ہوتا ہے جسمیں زمانہ کے لحاظ سے پورے وسائل موجود ہوں، پس کم از کم پانچ سال انھیں مسلسل تلاش و کوشش کرنی پڑتی ہے تاکہ وہ شادی کر سکیں اس صورت میں شادی کیلئے جو سن ہوگا وہ ۳۰ سال ہے پس وہ جوان مرد یا عورت جو ۱۵ اور بارہ سال سے ہی شادی کے لحاظ سے جنسی غریزہ کی قدرت رکھتے ہیں لیکن ۳۰ سال تک شادی نہیں کر سکتے اس طولانی مدت میں کیا کریں؟ اگر یہ کہیں کہ وہ اس مدت میں راہب ہو گئے اور زہد سے کام لیا اور اصلاً جنسی غریزہ کی فکر میں نہ تھے تو ہم نے اپنے آپ سے جھوٹ بولا۔ اس لئے کہ وہ بشر ہیں فرشتے نہیں ہیں۔ اور خاصکر اس زمانہ میں کہ جب زن و مرد کا ملنا جلنا بشری زندگی کی ضرورت بن چکا ہے۔ اس لئے کہ یونیورسٹیوں میں دونوں ہی ایک جگہ پڑھتے ہیں۔ کم سنی سے قطع نظر کہ وہاں بھی خلط ملط ہیں پھر کیا ہوگا؟

اس کا نتیجہ طالب علم بھی جانتا ہے، استاد بھی جانتا ہے اور اہل خانہ بھی!

راہ حل، موقت شادی (متعہ)

جیسا کہ ہم نے دو نمازوں کو ساتھ پڑھنے کے بیان میں عرض کیا تھا کہ خداوند عالم بشر کا خالق ہے اور وہی انسان کا پالنے والا ہے، اور مہربانی و عطوفت کے تقاضے کی بنیاد پر چاہتا ہے کہ اس کے بندے آسانی اور آسائش کے ساتھ زندگی گذاریں وہ انھیں مصلحتوں اور فائدہ کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے:

﴿الا یعلم من خلق و هو اللطیف الخبیر﴾

کیا اس جہان کا خالق نہیں جانتا جب کہ وہ خلقت کے تمام اسرار سے آگاہ ہے (ملک ر ۱۴)۔

لہذا عقل کیسے تصور کر سکتی ہے کہ خدا انسان کو مجبور بنائے اسمیں شدید جنسی خواہش پیدا کرے اور اس کے بعد اسے اس خواہش کی تکمیل کے جرم میں سنگسار یا کوڑے لگائے جانے کا حکم دے۔

کیا اس بات کا امکان ہے کہ ہم اس طرح کے احکام کو بیان کرنے کے بعد لوگوں کو اسلام کی طرف بلا سکیں گے؟ اور لوگوں سے کہہ سکیں گے کہ خدا لطف کرنے والا اور مہربان ہے؟ یا خدا اپنے بندوں کیلئے آسانی چاہتا ہے؟ یا خدا ہر

شخص کو اسکی قوت کے مطابق فرائض سپرد کرتا ہے ؟ یا دین میں ہمارے لئے مشکل و مشقت قرار نہیں دی گئی ؟ جب کہ ایسی بڑی مشکل کیلئے کوئی راہ حل پیش نہ کی گئی ہو ؟

قبل اس کے کہ ہم دوسروں کو اس حقیقت کا قائل کریں کیا ہم خود قائل ہو گئے ہیں ؟ نہیں ! اور ہزار بار نہیں ! اس لئے کہ ممکن ہے جنسی عمل زور زبردستی کے ساتھ نہ ہو بلکہ زن و مرد کے مابین عشق و محبت بھی ہو اور ان میں مکمل توافق و رضایت بھی پائی جاتی ہو چنانچہ اس صورت میں کسی کو نقصان بھی نہ ہو گا اس لئے کہ وہ احتیاط سے کام لیں گے کہ حمل و ولادت کا مسئلہ پیش نہ آئے۔

پس ایسا شخص کیوں قتل کیا جائے جبکہ اس نے ایک عورت کی جنسی خواہش کو پورا کیا ہے جو شادی نہیں کر سکتی ہے اور اسکی حیا و عفت کو زنا و فحشا گری سے باز رکھا ہے۔ اور خصوصاً اس وقت جب کہ ہم عورتوں پر اپنے سماج کے ظلم و ستم کا اعتراف کرتے ہیں۔

لذا اس میں شک نہیں کہ جس خدا نے مسافر اور مریض کو ماہ رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے یا مسافر کو اس بات کی اجازت ہے کہ نماز کو قصر یا بعض اوقات بیٹھ کر یا لیٹ کر یا مسلمان کو اس کی اجازت ہے کہ پانی نہ ملنے پر نماز کیلئے تیمّم کرے اور زمین مطہر کو سجدہ گاہ قرار دیا ہے۔ یا اسی خدا نے اجازت دی ہے کہ مسلمان جان مال، ناموس کی حفاظت کیلئے کفر کا اظہار بھی کر سکتا ہے۔

یا اسی نے اجازت فرمائی ہے کہ ماہ رمضان کی شبوں میں مسلمان اپنی زوجہ سے ہمبستر ہو۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ عورت و مرد دونوں کیلئے مشکل ہے کہ ایک ماہ (ماہ رمضان) کے درمیان صحبت نہ کریں۔

لذا اس نے فرمایا ہے :

تمہارے لئے جائز اور حلال ہے کہ ماہ رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے مباشرت کرو۔ وہ تمہارا لباس اور تم ان کے لباس ہو۔ خداوند عالم کو علم ہے کہ تم (اس کام میں) نافرمانی کر کے اپنے نفس کو گناہوں میں ڈھکیل دیتے ہو۔ لہذا اس نے (ماہ رمضان کی شبوں) میں حرمت کے حکم سے درگذر کی اور تمہارے گناہ بخش دیئے پس اب تم اپنی زوجہ کے ساتھ ماہ رمضان کی شبوں میں (حلال طور پر) مباشرت کر سکتے ہو (بقرہ / ۱۸۷)۔

پس جب ایسا ہے تو جس خدا نے اس جنسی خواہش کو خود خلق فرمایا اور اس کے ہیجان و انقلاب سے اچھی طرح واقف ہونے کے ساتھ سماج کی ویرانی میں اس کے خطرناک نتائج کے متعلق دوسروں سے زیادہ واقف ہے تو کیا خود اس نے سکوت اختیار کر رکھا ہے؟

اگر خدا نے عورت کو مرد کیلئے اور مرد کو عورت کیلئے خلق کیا ہے تا کہ ذہنی اطمینان اور روحی سکون حاصل ہو!

اگر خدا نے عورت و مرد کو مٹی سے خلق کیا اور انکو ایک دوسرے کا ہمسر بنایا ہے تا کہ قلبی سکون حاصل ہو! (۸۴)۔

تو اس کا مطلب ہے خداوند عالم نے اس خواہش کی تکمیل کیلئے جائز راہ حل بھی معین کی ہے تا کہ دونوں (مرد و عورت) محبت و عشق کے ساتھ ایک پر سکون زندگی گذاریں۔

مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق نظر ہے کہ خدائے رحیم نے اپنے بندوں (عورت و مرد) کو اپنے لطف، رحم، کرم کا مورد قرار دیا ہے اور انھیں موقت شادی (متعہ) کی اجازت فرمائی ہے۔ اور یہ الٰہی رحمت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں کو اسکی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اس لئے کہ اصحاب اپنی ان تمام

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ خدا نے بنی ہاشم کو تمام مخلوق پر فوقیت اور فضیلت دی ہے اور بنی ہاشم پر رسول اکرمؐ کو فوقیت و فضیلت دی ہے۔ لہذا بنی ہاشم کا رتبہ آپکے بعد ہے۔ اور رسول اکرمؐ نے تمام بنی ہاشم میں علیؑ اور ان کی اولاد کو منتخب کیا اور خدا کے حکم سے انہیں اپنا جانشین بنایا ہے جسطرح سے خود آپؐ پر درود و سلام بھیجنا واجب تھا، اسی طرح آپنے علیؑ اور اولاد علیؑ پر درود و سلام بھیجنا واجب قرار دیا ہے اس وجہ سے اکثر مفسرین نے علیؑ و آل علیؑ کو آیۂ تطہیر کا مصداق بتایا ہے، صرف آیۂ تطہیر ہی نہیں بلکہ آیت مودت، آیت ولایت اور آیت اصطفاء کا مصداق بھی اہل بیتؑ ہی ہیں۔ کتاب کے وارث، اہل ذکر، راسخون فی العلم اور سورہ ھل اتی سے مراد بھی اہل بیت علیھم السلام ہی ہیں۔

رسول اکرمؐ کی وہ حدیثیں جنکی صحت پر تمام علماء فریقین کو اتفاق ہے، بہت زیادہ ہیں ان حدیثوں میں رسول اکرمؐ نے اہل بیت علیھم السلام کی فضیلتوں کو بیان کیا ہے اور انہیں ہدایت دینے والے رہبر بتایا ہے۔ چونکہ یہ حدیثیں بہت زیادہ ہیں لہذا ہم صرف دو حدیثوں کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ مسلم نے اپنی صحیح میں باب فضائل علی ابن ابیطالبؑ میں نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

اے لوگو! میں بھی ایک بشر ہوں، ممکن ہے جلد ہی خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ آجائے اور میں اسکی دعوت پر لبیک کہہ دوں۔ آگاہ ہو جاؤ! میں تمہارے درمیان دو گرانبہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک کتاب خدا ہے جسمیں ہدایت اور نور ہے۔ کتاب خدا کو مضبوطی سے تھام لو۔ دوسرے میرے اہلبیتؑ ہیں تمہیں خدا کا واسطہ میرے اہل بیتؑ کو بھلا نہ دینا۔ تمہیں خدا کا واسطہ میرے اہل بیتؑ کو بھلا نہ دینا۔ تمہیں خدا کا واسطہ میرے اہل بیتؑ کو یاد رکھنا۔ (۱۰)

پارسائی و تقویٰ کے باوجود جنسی غریزہ کے شدید ہیجان پر صبر و تحمل نہ کر سکے۔ اور آنحضرتؐ سے شکایت کی اور آنحضرتؐ سے خود کو نامرد بنانے کی اجازت طلب کی۔

بخاری نے اپنی صحیح میں قیس بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

ہم ایک غزوہ میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے لیکن ہماری بیویاں ساتھ نہ تھیں۔ ہم نے آنحضرتؐ سے عرض کیا، کیا آپ ہمیں اجازت دیتے ہیں کہ ہم خود کو خصی بنالیں اور اپنی مردانگی ختم کرڈالیں؟

تو آنحضرتؐ نے ہمکو سختی سے منع کیا اور پھر عورتوں سے موقت شادی (متعہ) کی ہمیں اجازت عطا فرمائی اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

اے ایمان والو جن پاک وپاکیزہ چیزوں کو خدا نے تمہارے لئے حلال کیا ہے اسے اپنے اپ پر حرام نہ کرو (مائدہ/۸۷)(۸۵)۔

اللہ اکبر! خدا کا شکر! خداوند عالم نے اپنے بندوں پر کس درجہ لطف و کرم کیا ہے اور ان پر کس قدر مہربان ہے۔ جو بندوں کو خود کو نامرد بنانے سے منع کرتا ہے اور اجازت دیتا ہے کہ عورتوں سے متعہ کریں۔ اور انھیں متعہ کو حرام کرنے سے منع کرتا ہے اس لئے کہ یہ ان طیبات میں سے جسکو خدا نے ان پر حلال کیا ہے۔

یہ بندوں پر خداوند عالم کی مہربانی کی دلیل ہے کہ وہ خود کو نقصان نہ پہنچائیں اور خود کو نامرد نہ بنائیں کہ یہ حرام فعل ہے۔

اس بنا پر جنسی عمل آدمی کی فطرت کا حصہ ہے اور اسکو باقی رکھنا چاہیے اور بہتر طریقہ سے انجام دینا چاہیے۔ نہ یہ کہ اپنے آپ پر زبردستی کر کے اسے

گھونٹ دیا جائے جو کہ جسمانی اور نفسانی امراض کے وجود میں آنے کا باعث ہو گا۔

البتہ یہ سارے مسائل انھیں حدود کے اندر انجام پانے چاہیئں جسکو خدا نے معین کیا ہے اور پیغمبرؐ نے اس کے متعلق بیان کیا ہے۔

اور اب ہم ان سے کہتے ہیں کہ اس دعوے کو کوئی بھی عقل سلیم قبول نہ کرے گی۔ اس لئے یہ اجازت خداوند عالم کی جانب سے عطا ہوئی ہے جو مسلمان مرد و عورت کی جنسی خواہش کی مشکل کو حل کرتی ہے۔ کیا یہ مشکل حل ہو گئی جو اس اجازت کا خاتمہ ہو جائے ؟ یا پھر کیا رسولؐ کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ خدا نے جس چیز کو حلال کیا ہے اسے حرام کر دیں ؟ یا پھر ممکن ہے اسلامی شریعت میں اجازت دی گئی ہو اور ایک حلال کا حکم دیا گیا ہو پھر خدا اسے حرام کر دے ؟

نہیں ! خدا کی قسم ایسا نہیں ہے ! خدا کی رحمت ہو امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام پر کہ آپ نے فرمایا :

> متعہ ایک رحمت ہے جس کے ذریعہ خداوند عالم نے اپنے بندوں پر رحم فرمایا۔ اور اگر عمر اسے منع نہ کرتے تو سوائے بد بخت و روسیاہ انسانوں کے کوئی زنا نہ کرتا (۸۶)۔

فی الحال ہمارا مقصد اسکی حلیت کو ثابت کرنا نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے اپنی کتاب، (سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) میں اسے ثابت کیا ہے۔ ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل بیتؑ نے اسے روز قیامت تک کیلئے حلال جانا ہے اس کے متعلق ان کے بزرگوار حضرت رسولؐ کی روایتیں موجود ہیں۔ اسمیں شبہ نہیں کہ اہل بیتؑ نے اسلام و مسلمانوں کے حق میں شایان تحسین، خدمات پیش کی ہیں۔ اور دین کو اس کے قیمتی مفہوم کے ساتھ محفوظ رکھا ہے تا کہ ہر زمانہ میں وہ اپنا سر اونچا رکھے اور ترقی کے ساتھ ہم آہنگ رہے۔

بہر حال مسلمانوں کو ایسی روش نہیں مل سکتی جو انھیں ہدایت و روشنی کی طرف لے جائے اور اہل بیتؑ کے طرز و روش سے بہتر ہو۔ وہ مکتب کہ جو زمانہ کے ساتھ چل رہا ہو اور ہر تمدن و ترقی سے متمدن ہو سوائے مکتب اہل بیتؑ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ مکتب ہے جسکی بنیاد قرآن اور پیغمبرؐ کی پاک سنت پر رکھی گئی ہے۔

آیا جو شخص دین حق کی راہ دکھاتا ہے کیا وہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے (حکم کی) پیروی کی جائے یا وہ شخص جو (دوسرے کی ہدایت تو در کنار) خود ہی جب تک دوسرا اسے راہ نہ دکھائے، راہ نہیں دیکھ پاتا۔ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگاتے ہو (یونس/۳۵)۔

موقت شادی (متعہ) کے فائدے

موقت شادی بندگان خدا یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے رحمت ہے لیکن جیساکہ پہلے بھی ہم نے عرض کیا ہے کہ مرد مطلق آزادی کے مالک ہیں اور عمومی مراکز (جسکی قانونی طور پر حمایت بھی ہوتی ہے) میں اپنی خواہش کی تکمیل بھی کر سکتے ہیں حتی چار عورتوں کو اپنے دائمی عقد میں لا سکتے ہیں اور پھر ان کے لئے موقت شادی کا امکان ہر جگہ اور ہر وقت ہے۔ لذا میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ موقت شادی جسکی خدا نے اجازت فرمائی ہے اس لئے ہے کہ عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہو جائیں۔ اس لئے کہ یہ شادی اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ عورت بھی ایک یا دو یا اس سے زیادہ شوہر اختیار کرے البتہ عدت اور دیگر شرطیں جو کہ فقہائے مراجع کے توضیح المسائل میں موجود ہیں انکو پورا کرنے کے بعد۔ اس جگہ پر عورت و مرد کے درمیان فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد ایک وقت میں چار عورتیں رکھ سکتا ہے لیکن عورت ایک سے زیادہ شوہر نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ رحم میں دو مردوں کے مادۂ منویہ کے مخلوط ہونے کا امکان ہے اور اس صورت میں اگر حمل قرار پائے تو بچہ کے باپ کی تعیین نہیں ہو سکتی لیکن مرد کیلئے یہ مشکل

نہیں ہے چاہے اس کے پاس بیس عورتیں ہوں (۸۷)۔

اور یہ بندوں کے درمیان خدا کی سنت ہے کہ اس کو ہم حیوانات کے درمیان بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے: کوئی زمین پر چلنے پھرنے والا (حیوان) یا اپنے دونوں پروں سے اڑنے والا پرندہ نہیں ہے مگر یہ کہ انکی تمہاری طرح جماعتیں ہیں (انعام/ ۳۸)۔

ایک روز ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے اگر ایسا ہے تو یائسہ عورت (جسے حیض آنا بند ہو چکا ہو) جو قطعاً حاملہ نہیں ہوتی، ایک وقت میں دو شوہر سے شادی کر سکتی ہے کیونکہ جو علت مانع تھی وہ ختم ہو چکی ہے۔

ہم نے کہا: ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسلامی احکام علت پر موقوف نہیں ہیں جو علت ساقط ہونے سے ختم ہو جائیں! اگر ہم کہیں کہ شراب اس وجہ سے حرام ہے کہ وہ مست کر دیتی ہے چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے:

مستی کی حالت میں نماز کے نزدیک نہ ہو تا کہ جو کچھ تم کہتے ہو اسپر متوجہ ہو جاؤ (نساء/ ۴۳)۔

تو اگر کوئی ایک یا دو گلاس شراب پیئے اور اسکی عقل پر اثر نہ ہو تو کیا شراب کی حرمت کا حکم ختم ہو گیا؟ نہیں! میرے عزیز دوست! زیادہ ہو یا کم نشہ آور تو نشہ آور ہے جب یہ زیادہ حرام ہے تو کم بھی حرام ہے۔

یا مثلاً ہم کہیں کہ سور کا گوشت اس لئے حرام ہے کہ وہ نجاست و کثافت ہے۔ تو کیا وہ اسٹرلائیز کرنے سے حلال ہو جائیگا؟ اور پھر خداوند عالم کے احکام صرف ایک علت میں منحصر نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ممکن ہے ہر چیز کیلئے متعدد علیتیں ہوں اور انھیں سوائے خدا کے اور کوئی نہ جانتا ہو۔

لذا احکام الہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے اور انکی پوری اطاعت کرنی چاہئے اس لئے کہ اس نے جو بھی حکم دیا ہے اسمیں سوائے بندوں کی بھلائی و کامیابی کے کچھ نہیں ہے:

کیا یہ لوگ تم سے بھی زمانہ جاہلیت کے سے حکم کی تمنا رکھتے ہیں حالانکہ یقین رکھنے والوں کیلئے حکم خدا سے بہتر کون ہو گا (مائدہ / ۵۰)۔

یہ حکم خدا ہے جو وہ تمہارے درمیان صادر کرتا ہے اور خدا بڑا واقف کار و حکیم ہے (ممتحنہ / ۱۰)۔

اس بنا پر مؤمنین کو چاہیے کہ آنکھ کان بند کر کے خدا کے حکم کی اطاعت کریں اور اسے دل و جان سے قبول کریں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

اور نہ کسی ایماندار مرد کو یہ مناسب ہے اور نہ کسی ایماندار عورت کو کہ جب خدا اور اس کے رسولؐ کسی کام کا حکم دیں تو ان کو اپنے اس کام (کے کرنے نہ کرنے) کا اختیار ہو اور (یاد رہے کہ) جس شخص نے خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو چکا ہے (احزاب / ۳۶)۔

مؤمنین و مؤمنات کے اوپر فرض ہے کہ متعہ کے متعلق حکم خدا کو قبول کریں اور خدا کی اس بڑی رحمت پر شکر کریں خصوصاً عورت کہ اس وقتی شادی میں خدا نے تمام حقوق اس کے ہاتھ میں قرار دیئے ہیں اور مرد کو سوائے قبول یا انکار کے کوئی حق نہیں دیا ہے۔

دائمی شادی میں ہمبستری کا حق مرد کے ہاتھ میں ہے اور اگر شوہر نے عورت سے ہمبستر ہونا چاہا تو عورت کو انکار کرنے کا حق نہیں ہے حتی وہ شرعاً مستحبی روزہ بھی اسکی اجازت کے بغیر نہیں رکھ سکتی۔

خداوند عالم فرماتا ہے :

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس جس وقت تم چاہو ان سے مباشرت کر سکتے ہو (بقرہ/ ۲۲۳)۔

اسی طرح طلاق کا حق مرد کو دیا ہے۔

اے رسول، مسلمانوں سے کہہ دیجیے) کہ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو تو انکی عدت (پاکی) کے وقت طلاق دو (طلاق/ ۱)۔

اسی طرح عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرنے کا حق مرد کو دیا ہے اور فرمایا ہے :

اور اگر ان کے شوہر میل جول کرنا چاہیں تو وہ مدت (مذکورہ) میں ان کے واپس بلا لینے کے زیادہ حقدار ہیں (بقرہ/ ۲۲۸)۔

نیز تین مرتبہ طلاق کا حق مرد کو دیا ہے۔

طلاق (رجعی جس کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے) دو ہی مرتبہ ہے اس کے بعد یا تو شریعت کے موافق روک ہی لینا چاہیے یا حسن سلوک سے (تیسری دفعہ) بالکل رخصت (بقرہ/ ۲۲۹)۔

اور اگر تیسری مرتبہ طلاق دیدی تو پھر اسپر اسی وقت حلال ہو سکتی ہے جب کہ وہ دوسرا شوہر کرلے (بقرہ/ ۲۳۰)۔

دوسری جگہ پر فرمایا :

اور عورتوں سے اپنی مرضی کے موافق دو دو اور تین تین اور چار چار نکاح کرو (نساء/ ۳)۔

لیکن وقتی شادی (متعہ) میں ساری چیزیں عورت کے ہاتھ میں ہیں، اسمیں وہ طے کرتی ہے حتی خطبہ نکاح وہی پڑھتی ہے اور کہتی ہے : میں اپنے آپ

کو تمہاری زوجیت میں قرار دیتی ہوں، معین مہر اور معین وقت کیلئے۔ (نیز وہ دیگر شرطوں کا اضافہ بھی کر سکتی ہے اور اس کے جواب میں مرد کو کہنا ہے کہ میں قبول کرتا ہوں یا رد کرتا ہوں۔ پس عورت ہی اس شادی کی تاریخ معین کرتی ہے اور وہی طلاق کی مدت کو بغیر کسی قید و شرط کے بیان کرتی ہے۔

اور اس وقت عورت جو شرط چاہے کر سکتی ہے مثلاً یہ شرط کرے کہ اس شادی کی تمام مدت میں تم مجھ سے الگ نہیں رہ سکتے یا یہ کہ ہنی مون مکہ مکرمہ میں منائیں گے۔

اہم یہ ہے کہ اس شادی میں عورت جو چاہے شرط کر سکتی ہے خداوند عالم فرماتا ہے:

جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو تو انھیں جو مہر معین کیا ہے دیدو اور مہر کے مقرر ہونے کے بعد اگر کم و بیش پر راضی ہو جاؤ تو اسمیں تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اور جان لو کہ خدا ہر چیز سے واقف اور حکیم ہے (نساء/۲۴)۔

عورت کی شرافت کیلئے یہی بس ہے کہ نکاح متعہ خود اسکی جانب سے ہے اور اس کے ولی امر سے اس کا کوئی ربط نہیں، بلفظ دیگر عورت خود مرد سے عقد کرتی ہے اور اس سے شادی کرتی ہے۔

لیکن افسوس مسلمان اس ازدواج کو صرف تنقید کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کے بہت تھوڑے سے منفی پہلو پر تو نگاہ رکھتے ہیں لیکن اسکے بہت سے مثبت پہلو کو نہیں دیکھتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر کام کے مثبت اور منفی پہلو ہیں اور چونکہ یہ ازدواج عمر بن خطاب کے زمانہ سے کھل کر سامنے نہ آسکا اس لئے عمل کی منزل میں نہ آیا یہی وجہ ہے کہ بعض اسے زنا سمجھتے ہیں اور اسے تعجب و نفرت کی نگاہ سے دیکھتے

ہیں۔اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ متعہ در اصل ایک برا کام ہے ہر گز! افسوس کہ لوگ اسے نہیں سمجھتے اور عمل نہیں کرتے۔

بطور مثال دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا یا خمس دینا یا پیر کا مسح، جبکہ یہ تینوں چیزیں قرآن میں ہیں اور رسولؐ نے ان پر عمل کیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے لیکن زیادہ تر لوگ اس سے بے خبر ہیں اور تعجب کرتے ہیں اس لئے کہ وہ اپنی روز مرہ کی زندگی میں اس سے آشنا نہ تھے اور انھیں پہلے سے اسکی واقفیت بھی نہ تھی۔

تعجب تو اس بات پر ہے۔ کہ زنا پر اس درجہ حیرت نہیں کرتے جتنا متعہ پر کرتے ہیں حتی ایک برے کردار والی لڑکی نے ایک جوان سے زنا کرنے کو کہا تو اس جوان نے زنا سے گریز کرتے ہوئے کہا آؤ اس کے بجائے متعہ کرلیں تو عورت نے قبول نہ کیا اس لئے کہ وہ اس قسم کی شادی سے واقف نہ تھی۔

جب بھی ہم ان کے علماء سے متعہ کے حلال ہونے کے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور اس کے جواز کو صحیح بخاری و مسلم کی قطعی دلیل سے ثابت کرتے ہیں اور جب ان کے پاس کوئی راہ فرار نہیں بچتی تو جواب دیتے ہیں کہ یہ شادی عورت کی اہانت ہے اور جب ان پر ثابت کر دیتے ہیں کہ اسمیں کسی قسم کی اہانت نہیں ہے بلکہ قصہ برعکس ہے تو غلط باتوں پر اتر آتے ہیں اور کہتے ہیں کیا تم اپنی بہن یا بیٹی کو ہمارے عقد متعہ میں دوگے؟

وہ اس طرح گفتگو کرتے ہیں جیسے وہ ہی ساری عورتوں کے سرپرست ہیں اور خود عورت کو کسی کی زوجیت میں نہیں آنا چاہیے بلکہ اسکی شادی صرف اور صرف اس کے سرپرست اور ولی امر کے ذمہ ہے۔ یا پھر خیال کرتے ہیں کہ عورت گائے کی طرح ہے جو بیچی اور خریدی جاتی ہے اور شوہر کے انتخاب میں کوئی رائے یا اظہار خیال نہیں کر سکتی۔ صحیح معنوں میں تو عورت کی اہانت یہ ہے۔

وقتی شادی خدا کی طرف سے اس پر ایک رحمت ہے نہ کہ اہانت۔ اور چونکہ یہ رخصت واجازت اسے دی گئی ہے۔ لذا وہی اسے ترک کر سکتی ہے اس لئے کہ اسکو اسے انجام دینے پر نہ تو مجبور کیا گیا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اور اگر یہ عورت کی اہانت ہے تو سوتن لانا جو کہ اس کے گھر، شوہر اور میراث میں اسکی شریک ہو اسکی بدترین اہانت ہو گی۔ اور یقیناً یہ کام اس کے لئے اسکے شوہر کے وقتی شادی کرنے سے کہیں زیادہ سخت و مشکل ہے۔ جبکہ ایسی شادی میں ممکن ہے اسکی مدت بہت کم ہو اور نہ وہ سوتن کو دیکھے اور نہ ہی اسکی آواز سنے۔

جیسا کہ پہلے بھی ہم نے تاکید کی ہے متعہ اپنے احکام و شرائط کے ساتھ عورت کیلئے مفید ہے نہ کہ نقصان دہ۔ اور اس کے پیش نظر کہ متعہ نہ مرد پر واجب ہے نہ ہی عورت پر تو پھر اسکی رد میں یہ شور و غوغا اور ہلڑبازی کس لئے ہے؟

مجھے پھر اس بیچاری امت پر افسوس ہوتا ہے جو اہل بیتؑ سے اظہار محبت تو کرتی ہے لیکن وہ جن احکام کو اپنے جد سے روایت کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، اسکی مخالفت کرتی ہے۔ جبکہ جعفری مذہب جو امام صادقؑ کی فقہ ہے جامع الازہر مصر میں پڑھایا جاتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود اب بھی ایسے شور و شرابے مچا رہے ہیں گویا اسکی صحت یا امام کی طرف اسکی نسبت کی صحت میں شک و شبہ ہے۔

قطعاً پیغمبرؐ کے بارہ امام اور انمیں سب سے پہلے حضرت امیر المؤمنینؑ اس شادی کو حلال سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں: یہ شادی رحمت ہے۔ اس کے علاوہ عالم

۲۔ مسلم نے اپنی صحیح میں سعد بن ابی وقاص سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول خداؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

اے علیؑ تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئیگا۔(۱۱)

ہم اختصار کی بنا پر ان ہی دو حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان حدیثوں سے واضح اور ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؑ ابن ابیطالبؑ عترتِ پیغمبرؐ کے بزرگ تھے اور آپ ہی نے رسولؐ خدا کی حفاظت کی اور ان کے راستہ کو جاری رکھا۔ رسول اکرمؐ نے اسی بات پر تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے:

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اسکا دروازہ ہیں۔

کیا یہی حدیث کافی نہیں ہے اس بات پر کہ امت علیؑ کے بغیر ﴿شہر پیغمبرؐ﴾ میں داخل نہیں ہو سکتی۔ ان دو بزرگوں پر خدا کا درود و سلام ہو خدا نے گھر میں صرف دروازہ سے داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت علیؑ نے صرف رسولؐ خدا سے علم حاصل کیا ہے آپ بچپن ہی سے رسول خداؐ کی تربیت میں رہے اور ہمیشہ رسول اکرمؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ نے گذشتہ اور آیندہ کا علم آپؑ کو عطا کیا یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

جبرئیل نے مجھے کوئی ایسی چیز نہیں دی جو میں نے علی ابن ابیطالبؑ کو نہ سکھائی ہو۔

اس بارے میں خود حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں:

اگر مسند قضاوت بچھادی جائے تو میں اہل توریت کے لئے توریت سے اور اہل انجیل کے لئے ان کی انجیل سے اور اہل قرآن کے لئے قرآن سے فیصلہ

امت عبداللہ بن عباس نے بھی لوگوں کے درمیان فریاد بلند کی کہ متعہ حلال ہے لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ امت دو گروہ میں منقسم ہے۔

ایک چھوٹا گروہ جو اسکی تائید کرتا ہے اور اہل بیتؑ کے دستور پر عمل کرتا ہے اور ایک بڑا گروہ جو خلفا اور صحابہ کے قول پر عمل کرتا ہے لذا آج تک اہل بیتؑ کے پیرو اسکو حلال سمجھتے ہیں اور خلفاء کے پیرو اسکو حرام قرار دیتے ہیں۔

اور ہاں! اس وقت ہم ایک مشورہ پیش کرتے ہیں اور اسکے قبول کرنے پر کسی کو پابند نہیں سمجھتے اس لئے کہ لوگ کسی بھی چیز کی صحت کے قائل ہونے کے بعد اس کے اختیار کرنے میں آزاد ہیں لیکن ہمارا فرض ہے کہ جو مطالب پوشیدہ ہیں انھیں سامنے لائیں۔ تاکہ جستجو کرنے والوں کیلئے حق ظاہر ہو جائے۔

میری نظر میں متعہ کے بے شمار فوائد ہیں انہیں من جملہ :

۱۔ یونیورسٹی کے طالب علم و طالبہ جو ایک ساتھ تحصیل میں مشغول ہیں اور جنسی خواہش کے ہیجان کے سن میں ہیں اگر آپس کی رضایت سے دوران تحصیل صرف ساتھ بیٹھنے، دوستی، یا پھر ہمبستر ہوئے بغیر لذت اٹھانے کی غرض سے وقتی شادی کرلیں۔ تو پھر اس کے بعد اگر چاہیں تو دائمی نکاح بھی کر سکتے ہیں اس صورت میں وقتی شادی (متعہ) ان دونوں کو ایک دوسرے سے آشنا ہونے کا موقع فراہم کریگی۔ اور راستے کی تمام رکاوٹوں کو ختم کر دیگی۔

اس طرح یہ عقد انکے لئے راحت و آسائش کے اسباب فراہم کر دیگا اور وہ آسانی کے ساتھ اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں گے۔ اور اس صورت میں ان کا ضمیر بھی مطمئن ہوگا نیز انھیں خدا کی رضایت بھی حاصل رہے گی اور وہ دیگر طالب علموں کے اعتراض سے بھی محفوظ ہو جائیں گے۔

لیکن افسوس یونیورسٹی کی طالبہ ایک کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ منتقل ہوتی رہے۔ اور اس کے پرس میں دسیوں عشقیہ خط موجود ہوں یا دیگر رسوائی کی چیزیں۔ یا پھر جوان لڑکے لڑکیوں کے مقدر سے کھلواڑ کرتے رہیں اور سب کو آلودہ کرتے رہیں اور ان کے مستقبل کو کھلونا بنالیں اور ان کے جذبات کے ساتھ ان کے گھر والوں کے جذبات کا بھی مذاق اڑائیں۔ وہ بس اتنا سو ہیں کہ یہ لڑکی دوران تحصیل علم انکی دوست تھی اور اس کا زمانہ ختم ہوتے ہی وہ اپنی راہ جائیگی اور یہ اپنی راہ۔ بھلے ہی اسکی طرف دسیوں انگلیاں اٹھیں یا اسے دسیوں حل نہ ہونے والی نفسیاتی مشکلات کے ساتھ گھر روانہ کردیں اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں!!

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جھوٹے وعدے بھی ہوں، خیانتیں بھی ہوں جس کا نتیجہ سماج کے اندر سوائے کینہ و کدورت اور انتقام کی راہ کھلنے کے اور کچھ نہ ہوگا۔ لہٰذا اس طرح کا رابطہ معقول نہیں ہے!

۲۔ وہ مسافر جو بیوی کے بغیر طویل مدت تک سفر میں رہتا ہے، اگر صبر کر سکتا ہے تو کرنا چاہیے وگرنہ اسے وقتی شادی (متعہ) کرنا چاہیے جو کہ اسکے لئے صبر و قرار کا باعث ہوگا۔ اور بلا شبہ بیوی اس بات کی رضایت دے گی اس لئے کہ وہ اپنے شوہر کو اچھی طرح پہچانتی ہے اس کا شوہر ہر روز طوائف اور بازاری عورتوں کے پیچھے جائے جو اس سے پیسہ بھی لیں اور خطرناک امراض بھی اسے منتقل کریں اس سے اس کیلئے کہیں بہتر ہوگا کہ اس کا شوہر شریف و پاکدامن عورت سے عقد کرلے جو اسکی شرافت کو محفوظ بھی رکھے گی۔ وقتی شادی کے شرائط میں یہ بھی ہے کہ عورت عدت کے مکمل ہونے سے پہلے دوسری شادی نہیں کرسکتی یعنی (دو حیض یا دو ماہ تک اسے دوسرا شوہر اختیار کرنے کا حق نہیں

ہے)لذا یہ عقد سوائے طہارت، پاکدامنی اور شرافت کے اور کچھ نہیں ہے۔

۳۔ یہ عقد ان لڑکیوں کی مشکل کو بھی حل کرتا ہے جو شادی کے سن کو تو پہنچ چکی ہیں لیکن انھوں نے شادی نہیں کی ہے انھیں اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ حلال راستے سے اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کریں۔

۴۔ یہ عقد بیوہ عورتوں کی بھی مشکل کو حل کردیتا ہے کہ جو اپنے بچوں یا پھر دیگر اسباب کی بنیاد پر دائمی عقد نہیں کرسکتیں۔

۵ ۔ ہمارے عربی اسلامی سماج میں اکثر یہ اتفاق ہوا ہے کہ ایک خوبصورت بیوہ عورت ایسے جوان پر عاشق ہوتی ہے جو اس کے لڑکے کی عمر کا ہے اور افسوس! یہ جوان بھی اس کے ذریعہ جنسی مسائل سے واقف ہوتا ہے۔ ممکن ہے وہ حرام صورت میں ایک ساتھ رہتے اور ہمبستر ہوتے ہوں، وقتی شادی (متعہ) انکی اس معاشرت و مباشرت کو حلال کردیتی ہے اور انکی آبرو کو محفوظ رکھتی ہے۔

۶۔ وہ عورت جو تنہا سفر کرنے سے ڈرتی ہے یا بعض ممالک صرف اس صورت میں اپنے یہاں آنے کی اجازت دیتے ہیں جب ساتھ میں کوئی محرم ہو۔ تو یہ عورتیں صرف سفر کی غرض سے وقتی عقد (متعہ) کرسکتی ہیں اور یہ عقد بغیر کسی جنسی اختلاط کے ایک مصلحت کیلئے ہوسکتا ہے۔

۷۔ وہ شخص جس نے کسی عورت کو گھر کے کاموں میں بیوی کی مدد کرنے کیلئے رکھا ہے اسلام اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اسے ہاتھ لگائے یا بے پردہ اسکے روبرو ہو۔ اس لئے کہ شاید بے پردگی اسے کام سے روک دے لیکن یہ شخص اپنے چھوٹے بچہ سے اس کا وقتی عقد کرکے اسے اپنے لئے محرم بنا سکتا ہے اور پھر بے پردگی کی مشکل نہ ہوگی۔

۸۔ اگر کوئی لڑکی جو درس و بحث یا زبان وغیرہ سیکھنے کی غرض سے کسی نامحرم جوان کے ساتھ تنہائی کیلئے مجبور ہے تو اسلام اس بات کی قطعی اجازت نہیں دیتا کہ دونا محرم ایسی جگہ ہوں جہاں کوئی اور نہ ہو۔

روایت میں ہے کہ کوئی بھی مرد وعورت ایسے نہیں جو ایک ساتھ تنہائی میں ہوں اور انمیں شیطان تیسرا نہ بنا ہو۔

وقتی عقد (متعہ) اس مشکل کو حل کر دیتا ہے حتی اسے اس بات کی بھی اجازت دیتا ہے کہ وہ حجاب کو اتار دے۔ اہم یہ ہے کہ عورت جو چاہے شرط کر سکتی ہے۔

دیگر مختلف موارد موجود ہیں کہ ان میں متعہ واقعاً لوگوں کیلئے ایک رحمت ہے جسکی وجہ سے لوگ حرام سے محفوظ رہتے ہیں اور اسلامی سماج بھی ہر جہت سے پاک و پاکیزہ باقی رہتا ہے نیز جسمانی و نفسیاتی امراض بھی دور رہتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ نسلوں کی عزت و آبرو محفوظ رہتی ہے۔

اے رسولؐ کہہ دیجئے خداوند عالم برے اور فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا تو کیا جس کے بارے میں تم نہیں جانتے خدا پر (جھوٹ) باندھتے ہو (اعراف ر ۲۸)۔

خدا نیکی، عدل اور اپنوں کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہے اور فحشا، ظلم اور سرکشی سے روکتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پاؤ (نحل ر ۹۰)۔

حضرت مہدیؑ

عام طور سے مسلمان ماضی وحال دونوں میں ایک نجات دینے والے کے آنے کے معتقد ہیں جو انھیں انکی عزت و شوکت اور انکی عظمت کو پلٹادے اور جن چیزوں کو ظالموں نے تباہ کر دیا ہے انکی اصلاح کر دے۔ وہ دین کی نشانیوں کو امت کیلئے پھر سے ظاہر کریگا۔ اور یہ نجات دینے والا مصلح، حضرت مہدیؑ منتظر (سلام اللہ علیہ) ہیں جن کے متعلق ان کے جد رسول اکرمؐ نے بشارت دی ہے اور فرمایا ہے: اگر دنیا کا وجود صرف ایک روز کیلئے رہ جائے تو بھی خدا اسے اس درجہ طولانی کر دیگا کہ اسمیں حضرت مہدیؑ جو میری اولاد میں سے ہیں انھیں ظاہر کرے۔ ان کا نام میرے نام پر ہے وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جبکہ وہ ظلم و ستم سے بھر چکی ہو گی (۸۸)۔

بشریت کا یہ نجات دہندہ جو انبیاء کی راہ کو آگے بڑھائیگا اور اسے کمال کی منزل پر پہنچائے گا تا کہ نور خدا اس کے ہاتھوں پوری طرح پھیل جائے، اس کا انتظار تینوں مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) کر رہے ہیں اور بہت سی روایات جو مورد تائید ہیں اس کے متعلق بیان کرتی ہیں۔ اور یہ جو ہم معتقد ہیں کہ

شریعت محمدیؐ آخری شریعت اور آخری آئین ہے آنحضرتؐ کی ہی نسل سے اور بارہ اماموں کی آخری فرد ہیں اور حضرت عیسیٰؑ ان کی عظمت کی خاطر ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

یہاں ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم حضرت مہدیؑ کے متعلق تاریخی اور احادیث نبوی کی روشنی میں بحث کریں اس لئے کہ اس کے متعلق ہم نے اپنی کتاب (سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) میں بحث کی ہے۔ اسی طرح آپ کے متعلق دیگر بہت سی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں (۸۹)۔

ہم یہاں صرف عقائد و احکام میں اہل بیتؑ کے نظریات بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے نظریات جو موجودہ زمانہ کی ترقی اور حالات کے ساتھ سازگار ہیں۔

مادی مسائل و مشکلات نے کسی حد تک یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے آنکھ کان بند کر دیئے ہیں اور انکو دین سے دور کر دیا ہے گویا وہ اپنی زندگی میں الحادی، مادی اور غیر جانبدار نظریات میں گرفتار ہیں۔ انکا معنوی اور روحی عقیدہ کمزور پڑ گیا ہے لہذا وہ ایسی راہ حل کی تلاش میں تھے اور انھیں یہ راہ صرف آسمانی بشارتوں میں نظر آئی۔

اس کے علاوہ وہ خونی جنگیں جنھوں نے بشریت کو ناتواں اور کمزور بنادیا ہے خصوصاً وہ افراد جو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں بھوک سے موت کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں لیکن ظالم ذرا بھی باز نہیں آتے بلکہ انمیں مزید تیزی آجاتی ہے وہ اور زیادہ تباہی اور ویرانی پھیلانے والے جدید ہتھیار تیار کرتے ہیں۔ اور قوموں کو ثقافتی، معاشی اور تکنیکی مراحل میں اپنا غلام بناتے جارہے ہیں۔

اگر آرزو نہ ہوتی اور مستقبل کے بہتر ہونے کی امید نہ ہوتی کہ جسمیں اسے عدالت وامن وامان و شرف حاصل ہوگا۔ تو نہ اس دنیا اور اسکی زندگی میں کوئی

لذت ہوتی اور نہ ہی کوئی مفہوم ہوتا۔

اور اگر مسلمانوں کا خداوند عالم پر ایمان نہ ہوتا کہ اس نے اپنے دین کی مدد کا وعدہ کیا ہے تاکہ اسے دیگر ادیان پر فوقیت حاصل ہو تو ناامیدی اور مایوسی لوگوں پر چھا جاتی اور وہ گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوتے۔ لیکن یہ ایمان ہے جو نشاط، زندہ دلی، اچھے کل کی آرزو اور زندگی سے محبت کو انسان میں باقی رکھتا ہے۔ اور انکو مشکلات و پریشانی میں شدت کے بعد اسکے خاتمہ کیلئے ظہور کے انتظار پر آمادہ رکھتا ہے۔

یہی وہ حضرت مہدیؑ ہیں جو مسلمانوں اور انسانیت کی آرزو ہیں۔

ان کے اوپر ایمان رکھنے پر دوسروں کو ہرگز نداق نہیں اڑانا چاہیے خداوند عالم فرماتا ہے:

اے پیغمبرؐ! میرے ایماندار بندوں سے کہہ دیجیے جنھوں نے (گناہ کر کے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں) تم لوگ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے اور اپنے اسی پرودگار کی طرف رجوع کرو اور اسی کے فرمانبردار بن جاؤ اس وقت سے قبل کہ تم پر عذاب آنازل ہو اور پھر تمہاری مدد نہ کی جاسکے اور جو اچھی باتیں تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہیں ان پر چلو اس کے قبل کہ تم پر یکبارگی عذاب نازل ہو اور تمکو اسکی کوئی خبر بھی نہ ہو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ (تم میں سے) کوئی شخص کہنے لگے کہ: ہائے! افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا (کی بارگاہ) کا تقرب حاصل کرنے میں کی اور میں تو بس ان باتوں پر ہنستا ہی رہتا تھا (زمر/ ۵۳،۵۶)۔

پھر میں ہدایت پا گیا

اہل بیتؑ کی کتاب

اہل بیتؑ، صاحب کرامت ہیں اور اس وقت بھی انکی کرامات جاری و ساری ہیں اور مختلف جگھوں پر ہم شیعوں کو اہل بیتؑ کی کرامات بیان کرتے ہوئے سنتے ہیں ایسی کرامات جن کے وہ خود شاہد و ناظر رہے ہیں۔ اور پھر ایسا کیوں نہ ہو یہ ہدایت کنے والے ائمہؑ، خدا کی علامتیں اور تاریکی کے چراغ ہیں۔ اگرچہ عمر بن خطاب نے اپنے زمانہ میں انکی قدر و منزلت کو نہ پہچانا لیکن ہمیں یہ بتایا کہ یہ خدا کے نزدیک عظیم شان و مرتبہ کے حامل ہیں۔ اس لئے کہ خود انھوں نے رسولؐ کے چچا جناب عباس سے توسل کیا۔ جبکہ عباس ان سے نہیں ہیں جن سے اللہ نے ہر نجاست و پلیدی کو دور کیا ہو۔ اور پاک و طاہر قرار دیا ہو اور نہ ان لوگوں میں سے ہیں جن پر درود بھیجنا خدا نے اسی طرح واجب کیا ہے جیسے اپنے رسولؐ پر واجب کیا ہے۔ نہ ہی ان میں سے ہیں جنکی محبت و مودت کو خدا نے مسلمانوں پر واجب اور فرض قرار دیا ہے۔ وہ انہیں سے بھی نہیں ہیں کہ خدا نے انھیں علم کتاب عطا کیا ہے۔ اور قرآن میں ان پر سلام کیا ہے۔ اور فرمایا ہو ﴿سلام علی آل یاسین﴾ وہ ان ائمہ میں سے بھی نہیں ہیں جنکی پیروی رسولؐ نے اپنی امت

کرونگا۔(۱۲)

آپ مزید فرماتے ہیں :

﴿سلونی قبل ان تفقدونی﴾

مجھ سے پوچھو قبل اسکے کہ میں تمہارے درمیان سے اٹھ جاؤں۔(۱۳)

تاریخ، تمام مسلمان اور اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ دین و دنیا کے سب سے بڑے عالم علیؑ ہیں۔ آپ دنیا کے پارساترین اور زاہدترین فرد تھے آپ نے ہر طرح کی مصیبت اور سختیوں میں صبر کے اعلیٰ ترین مدارج کا مظاہرہ کیا اور جنگوں میں آپ کی شجاعت کی برابری کون کر سکتا ہے ؟

اسی طرح خطاکاروں کو معاف کرنے اور عفوو بخشش کا مظاہرہ کرنے میں بھی آپکا ثانی نہیں ہے۔

ان مطالب کو کامل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ رسول اکرمؐ اور اہل بیتؑ کے درمیان رشتہ اور ربط کے بارے میں آپ کے ارشادات پر توجہ کی جائے۔

☆اسرار پیغمبرؐ ان (اہل بیتؑ) کے حوالہ کیا گیا ہے جو بھی ان کی پناہ میں آئے اس نے راہ حق اختیار کی ہے (وہ علم رسولؐ کے مخزن ہیں اور انکی شریعت کے احکام کو بیان کرتے ہیں قرآن و سنت ان کے یہاں محفوظ ہیں، وہ پھیلے ہوئے پہاڑ کی طرح دین کے پاسبان ہیں انہیں کے ذریعہ اسکی پشت مضبوط ہے اور اس کے پہلو کی کپکپی دور ہوئی ہے۔(نہج البلاغہ / خطبہ ۲)

☆خدا کی قسم ہمیں پیغاموں کے پہنچانے وعدوں کو پورا کرنے، امر و نہی کو بیان کرنے کا پورا علم ہے اور ہم اہل بیتؑ پر ہی علم و حکمت الٰہی کے دروازے کھلے ہیں۔(نہج البلاغہ / خطبہ ۱۲۰)۔

پر واجب قرار دی ہے۔ اور نہ ہی علم رسولؐ کے وارث ہیں۔

لیکن اس کے باوجود خدا نے عمر بن خطاب کی دعا کو مستجاب کیا کیوں کہ انھوں نے رسول کے چچا کو وسیلہ بنایا تھا۔ اور اگر انھوں نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ علیھم السلام سے توسل کیا ہوتا تو خدا آسمان و زمین سے اپنی نعمت ان پر نازل کرتا۔ اور وہ اپنے قدموں کے نیچے اور سر کے اوپر کثرت سے خدا کی نعمتیں دیکھتے اور استفادہ کرتے۔

اہم یہ ہے کہ عمر بن خطاب نے ہمارے لئے ایک اہم چیز کشف کی اور وہ یہ کہ رسولؐ کے اقرباء، کرامات کے مالک ہیں جو صاحبان عقل سے پوشیدہ نہیں ہے اور اگر یہ خدا سے کوئی چیز طلب کریں تو یقیناً خدا ان کی دعا مستجاب کریگا، اسکی دلیل یہ ہے کہ جب عمر بن خطاب نے دیکھا کہ مسلمانوں کو قحط اور بھوک جیسے خطرات لاحق ہیں تو انھوں نے رسول خداؐ کے اقرباء کی پناہ لی۔ اور اس وقت پروردگار عالم کی اجازت سے رسولؐ کے اقرباء کے احترام میں بارش ہوگئی۔

ان روشن حقائق کے بعد، وہابیت بھلا کیسے انکار کرسکتی ہے اور وہ مسلمان جو خود کو حق کی شناخت سے دور کرلیتے ہیں کہاں ہیں؟

ان باتوں کے اوپر مجھے ایک قصہ یاد آتا ہے کہ مرحوم شیخ جلول جزائری جو، تیونس میں زیتونہ کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے، خداوند عالم نے ان پر احسان کیا اور میرے ذریعہ راہ ہدایت دکھائی۔ انھوں نے اپنی آخری کتاب تحریر فرمائی اور اسمیں غدیر کا واقعہ، امیر المؤمنینؑ کی بیعت اور اہل بیتؑ کے فضائل تحریر میں لائے ہیں۔

انھوں نے مجھے ایک واقعہ بتایا:

گذشتہ زمانہ میں، تیونس کا (دار الخلافہ) سخت قحط میں گرفتار ہوا اور

نزدیک تھا کہ لوگ ہلاک ہو جائیں، گرچہ کئی مرتبہ نماز استقاء پڑھی گئی لیکن زمین ویسے ہی خشک پڑی رہی اور آسمان سے کوئی قطرہ نہ ٹپکا۔ لوگ اپنی فریاد لیکر ایک خداپرست شخص بنام شیخ ابراہیم ریاحی کے پاس آئے اور ان سے دعا کرنے کو کہا، کہ شاید انکی دعا مستجاب ہو جائے۔

انھوں نے ان سے کہا : اشراف (۹۰) میں سے ۱۰۰ افراد کو اکٹھا کرو اور میرے پاس لاؤ تا کہ ان کے ساتھ نماز استقاء پڑھیں۔ اشراف میں سے ۱۰۰ آدمی آئے اور انھوں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ ابھی انکی نماز تمام بھی نہ ہوئی تھی اور شدید گرمی پڑ رہی تھی لیکن ایسی تیز بارش آئی کہ گویا بادل پھٹ پڑا ہو۔ اور تین روز تک مسلسل بارش ہوتی رہی اور تمام درّے پانی سے بھر گئے۔ یہ بھی اہل بیتؑ کی کرامت ہے جو زمان و مکان کی پابند نہیں ہے۔

بحمد للہ میں نے اہل بیتؑ کے مذہب کی ہدایت پانے کے بعد جو سب سے پہلی کتاب تحریر کی وہ ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾ ہے مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ اس درجہ مشہور ہو گی اور لوگوں میں مقبول ہو گی۔

لہذا اس مناسبت سے بہتر ہو گا ایک بہترین نکتہ کا تذکرہ کروں جسے میرے گرانقدر دانشور عزیز بھائی جناب ڈاکٹر اسعد علی صاحب نے بیان کیا اور ہمیں متوجہ فرمایا:

جب میں ان سے ملاقات کی غرض سے ﴿مزّہ﴾ (شام) گیا تو ان سے مختلف باتیں ہوئیں۔ ان کے کچھ دوست اور مرید بھی اس جگہ بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے ایک ایسی بات کہی جس سے میرا دل شاد ہو گیا۔ کہنے لگے ہم نے تمہاری کتاب ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾ کو پڑھا اور اس کتاب کے راز کو سمجھ گیا۔

میں نے تعجب سے کہا: کیسا راز ؟ انھوں نے کہا:

جس وقت پہلی مرتبہ تم امام موسیٰ کاظمؑ کی زیارت کو گئے اور ان کے یہاں وارد ہوئے اور کہا: خدایا اگر یہ صالح لوگوں میں سے ہیں تو ان پر رحم کر۔ انھوں نے بھی خدا کے حکم پر عمل کیا کہ وہ فرماتا ہے: پس اگر کسی نے تم پر درود بھیجا اور تمہیں سلام کیا تو تم بھی اس کے سلام کا جواب دو یا پھر اس کے سلام سے بہتر جواب دو (نساء/۸۶)۔

جب تم نے کہا خدایا ان پر رحم کر تو انھوں نے تمہیں اس سے بہتر جواب دیا اور خدا سے تمہاری ہدایت چاہی۔ اور کہا: ﴿اللھم اھدہ﴾ خداوند عالم نے بھی انکی دعا کو مستجاب کیا اور تمہاری ہدایت فرمائی اور پھر تم نے یہ کتاب لکھی تمہاری کتاب کی کامیابی کا یہی راز ہے۔

یہ وہ حقیقت ہے جس پر مجھے یقین ہے اور میرے دل میں راسخ ہو چکی ہے مجھے اس بات پر یقین ہے کہ اہل بیت علیہم السلام میری کتاب کی کامیابی کا راز ہیں جسمیں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ جسکو بھی دیکھا وہ اس کتاب کے متعلق خوشی اور تعجب کا اظہار کرتا نظر آیا۔ یہ کتاب بیس بار سے بھی زیادہ چھپ چکی ہے (۹۱)۔

اور سترہ زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہے اور اس روئے زمین پر ہزاروں مسلمان، خصوصاً افریقا جہاں پہلے کوئی شیعہ نہ تھا اور وہ مسلمان جو کوئی مذہب نہیں رکھتے اور اپنی فطرت کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں انھوں نے بھی اس کتاب کے ذریعہ ہدایت پائی ہے۔ اور اہل بیتؑ سے متمسک ہوئے ہیں۔

﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾

عدالت میں

اس ایمان کے ساتھ کہ لوگ اپنے بادشاہ اور حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں اور رسول اسلامؐ کی پیروی کرتے ہوئے کہ جنھوں نے اپنے زمانہ کے بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام مختلف خط لکھے اور انکو اسلام کی طرف دعوت دی، میں نے بھی سوچا کہ ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾ کو تمام عرب صدر جمہوریہ اور بادشاہوں کو ارسال کروں اور اس کتاب کے ساتھ ایک مفید خط بھی ان کیلئے تحریر کروں شاید وہ نصیحت پائیں۔ کہ بے شک مؤمنین کیلئے نصیحت فائدہ مند ہے۔ اس بات پر توجہ رکھتے ہوئے کہ وہ بڑی قوت کے مالک ہیں اور اہل حل و عقد ہیں لہٰذا انکی ذمہ داری بھی سخت ہے اس لئے بھی کہ قوم کی سرنوشت ان کے ہاتھ میں ہے۔ ﴿کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیتہ﴾ لہٰذا انھیں اس انجام کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔

اور چونکہ میرا اس بات پر ایمان ہے کہ دنیا و آخرت میں فائدہ اٹھانے والے صرف مؤمنین ہیں جو ایمان کے ساتھ نیک اور شائستہ عمل بھی بجا لاتے ہیں اور ہمیشہ حق اور صبر کی تاکید کرتے ہیں۔ اسی طرح رسول خداؐ کے اس کلام پر

بھی ایمان رکھتا ہوں کہ آپ نے فرمایا:

تم میں سے کوئی بھی ایمان نہیں رکھتا مگر یہ کہ جو کچھ اپنے لئے چاہے وہی اپنے بھائی کیلیئے چاہے (صحیح بخاری ج ا ص ۱۰)۔

اور فرمایا:

اگر خدلوند عالم تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کی ہدایت کرے تو یہ تمہارے لئے دنیااور اسکی تمام چیزوں سے کہیں بہتر ہے۔

اسی کے پیش نظر میں نے اپنی کتاب، ملک حسن دوم، صدر شاذلی بن جدید، صدر زین العابدین بن علی، صدر معمر قذافی، ملک حسین بن طلال اور ان کے بھائی حسن، اور ملک فہد بن عبد العزیز کے نام ارسال کی۔

ہر کتاب کو میں نے رجسٹرڈ پوسٹ سے بطور ہدیہ ارسال کیا اور یقیناً انکو ہماری کتاب ملی ہے اس لئے کہ پوسٹ نے ان کے دفاتر کے ہیڈ کی دستخط کے ساتھ رسید ہمیں دی ہے۔ ایک لمبی مدت گذر گئی اور انمیں سے کسی کا جواب نہ آیا البتہ صرف زین العابدین بن علی (صدر تیونس) نے نہایت ہی خلوص کے ساتھ شکریہ ادا کیا۔

ہندوستان میں میری ایک پریس کانفرنس تھی جس وقت میں نے اس واقعہ کو نقل کیا (تونس کے صدر نے شکریہ کا خط لکھا) تو مجھ سے پوچھا گیا کیا صدر نے تمہاری کتاب کا مطالعہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا: صدر کے پاس اور بہت سی ذمہ داریاں ہیں ممکن ہے انھیں کتاب پڑھنے کا موقع نہ ملا ہو۔ لذا اگر انھوں نے پڑھا تو میں ان کا شکر گزار ہوں۔ اور اگر نہیں پڑھا تو ان کے پاس معقول عذر ہے اہم یہ ہے کہ اتنے صدر اور بادشاہوں میں جس شخص نے مجھے جواب دیا یہی ہیں۔

قبل اس کے کہ صدر جمہوریہ کا خط مجھے ملے، میں نے ایک کار سے تونس کا سفر کیا میرے ساتھ اس کتاب کی ۲۰۰ جلدیں تھیں کسٹم پر اس کے کارندے اس لیت و لعل میں تھے کہ یہ کتابیں لے لیں یا چھوڑ دیں۔ انھوں نے اپنے افسر کو بلایا کہ وہ کتابوں کو دیکھ لے۔ اس نے پوچھا کیا یہ (قذافی) کی ﴿سبز کتاب﴾ ہے؟

میں نے کہا اس کا رنگ ہرا ہے لیکن قذافی کی سبز کتاب سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے اس نے کہا کیا تم کو علم نہیں کہ پہلے سے اجازت لئے بغیر اتنی کتابیں لانا منع ہے؟

میں نے کہا: میرے بھائی یہ میری کتاب ہے میں ہی اس کا لکھنے والا ہوں اور اس کا ایک نسخہ اسکو ہدیۃً پیش کیا۔

اس نے ایک جلد کتاب اٹھائی اور مصنف کے نام کو میرے پاسپورٹ سے ملایا اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد کہا: میں بھی ایک جلد بطور ہدیہ چاہتا ہوں!

میں نے کہا نہایت شوق کے ساتھ۔ بسم اللہ۔ اپنا نام بیان فرمائیں تاکہ آپ کو ہدیہ کروں؟ اس نے اپنا نام بتانے کے ساتھ کتابوں کے لے جانے کیلئے اجازت نامہ پر دستخط بھی کر دیئے۔

میں پایۂ تخت آیا اور اپنی کتاب بعض دوستوں کو ہدیۃً پیش کی پھر اپنے وطن ﴿قفصہ﴾ آگیا۔ وہاں میں نے اپنے قدیمی شاگردوں سے ملاقات کی۔ ابھی کچھ دن نہ گذرے تھے کہ آدھی کتابیں ختم ہو گئیں۔

ہمیں اپنے عقیدہ کے دشمنوں کی بھی فکر ہوئی اور کتاب کے کچھ نسخے انھیں بھی بطور ہدیہ پیش کیے اور میں ایمان رکھتا تھا کہ ان کے ساتھ نہایت خدا پسند طرز سے مقابلہ کروں تاکہ اس آیت کی رو سے دشمنی ختم ہو جائے۔

نیکی وبدی ہر گز یکساں نہیں ہے لوگوں کی برای کا ہمیشہ بہترین عمل سے جواب دو تا کہ جو شخص تم سے دشمنی رکھتا ہے وہ تمہارا دوست اور اپنا بن جائے (فصلت ر ۳۴)۔

میں نے اپنے آپ سے کہا شاید خدا نے چاہا اور یہ لوگ تعصب کو چھوڑ کر ہدایت پا جائیں یا کم از کم مجھے ستانے سے باز آجائیں۔

پھر اس کے بعد اپنے ہمجوار شہروں اور دیہاتوں کی طرف چل پڑا اور ساری کتابیں لوگوں کو ہدیہ کر دیں صرف دو یا تین نسخے میرے پاس بچے رہے۔

جو بات یہاں قابل تذکرہ ہے یہ ہے کہ صدر جمہوریہ (زین العابدین بن علی) نے ۳۰ سال زیتونہ یونیورسٹی کے بند رہنے کے بعد اسے پھر کھولا اور مختلف شعبوں میں خود اپنی جانب سے ذمہ دار معین کئے میری بد قسمتی کہ ﴿قفصہ﴾ میں ان کا جو نمائندہ بنا اتفاقاً وہ میرا اور کا سب سے بڑا دشمن نکلا۔

اس بیچارے نے موقع کو غنیمت سمجھا اور وہی نسخہ جو میں نے اسے بھیجا تھا حکم کے سامنے پیش کیا اور نہایت ہی خطرناک تہمت لگا کر اس نے حاکم سے درخواست کی کہ وہ گورنر سے کہیں کہ مجھے حراست میں لے لیا جائے اور جتنی کتابیں میں نے ہدیہ کی ہیں ان سب کو جمع کیا جائے اور جن لوگوں کو میں نے کتابیں دی ہیں انھیں اکٹھا کیا جائے اور ان سے تحقیق کی جائے اور فائیل بنائی جائے۔

پلیس کے افراد ہمیں تلاش کرنے میں لگ گئے۔ ان دنوں میں اپنے ایک دوست کے پاس تھا جو ایک ادارہ کا منیجر ہے۔ اچانک! میرا داماد تیزی سے میرے پاس آیا۔ اور حالات سے مجھے آگاہ کرتے ہوئے مجھ سے کہنے لگا۔ فوراً بارڈر کی طرف چلا جاؤں اور وہاں سے ملک کے باہر نکل جاؤں۔ میں نے اس کے جذبات کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو ان پر ثابت ہو جائیگا کہ میں گنہگار

ہوں لذا پوری شجاعت و بہادری کے ساتھ ان کا منتظر رہوں گا۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں کہ میں ان سے ڈروں اور خوفزدہ ہوں اور نہ ہی کوئی ایسا کام کیا ہے کہ جس سے پشیمانی ہو۔

انٹیلی جنس کے افراد میرے پاس پہنچ گئے مجھے اپنے مرکز لے گئے اور، پوچھ تاچھ شروع کردی۔ وہ شخص بڑے ادب و احترام کے ساتھ مجھ سے بات کر رہا تھا کہ اتنے میں جناب گورنر صاحب بھی پہنچ گئے اور جیسے ہی مجھے پہچانا غصہ کے ساتھ چلانا شروع کردیا۔

تم اس پرامن ملک میں فساد برپا کرنا چاہتے ہو۔ اسے بھی ایران سمجھ رکھا ہے، پھر انٹیلی جنس کے افسر سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا: یہ شخص اپنے ساتھ ۳ ہزار کتاب لایا ہے جو کفر سے بھری ہے اور دس کروڑ کی رقم لایا ہے تا کہ لوگوں کے درمیان تقسیم کرے اور انکو انقلاب اور سرکشی کیلئے بھڑکائے!

میں نے سخت لہجہ میں جواب دیا:

ا۔ میری کتاب کفر نہیں ہے اور انقلاب کی دعوت نہیں دیتی اگر ایسا ہوتا تو اس کا ایک نسخہ صدر جمہوریہ کو بطور ہدیہ نہ بھیجتا اور اصلاً تیونس نہ آتا۔

۲۔ اگر تین ہزار نسخہ اپنے ساتھ لانا چاہتا تو مجھے ایک ٹرک کی ضرورت ہوتی جس پر اسے لاد سکتا تھا۔ اور آپ نے اس گاڑی کو دیکھا ہے اور اس وقت آپ کے قبضہ میں ہے آپ خود اسمیں بھریئے اور دیکھئے اسمیں کتنی جگہ ہے!

۳۔ آپ کہتے ہیں کہ میں نے دس کروڑ کی خطیر رقم لوگوں میں تقسیم کی ہے اگر سچ کہتے ہیں تو ایک آدمی کو لایئے جو کہے میں نے اسے ایک پیسہ بھی دیا ہے۔

اور پھر میں چوری سے نہیں آیا ہوں بلکہ قانونی ڈھنگ سے آیا ہوں اور

دیگر لوگوں کی طرح میری دقیق تلاشی لی گئی ہے۔ اگر دس کروڑ میرے پاس ہوتا تو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑتے اور مجھ سے جواز مانگتے آپ خود ان مسائل کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔

اسے لگا کہ میری باتیں صحیح ہیں، تو اس نے سوال کیا: تم کتنی جلد کتابیں لائے ہو۔

میں نے کہا: ۲۰۰ جلد۔

اس نے کہا: تم نے جن ۲۰۰ لوگوں کو کتابیں ہدیہ کی ہیں ان کے نام بتاؤ۔

میں نے کہا: یہ ممکن نہیں ہے! ایسا نہیں کہ میں بتانا نہیں چاہتا بلکہ ان کے نام سے واقف نہیں ہوں۔ انمیں بہت سے میرے پرانے شاگرد ہیں کہ ۱۰ سال سے زائد عرصہ سے انھیں دیکھا نہیں ہے اور صرف قیافہ اور چہرہ سے انھیں پہچانتا ہوں نہ کہ نام سے۔

خلاصہ رائے و مشورہ کے بعد انہوں نے یہ طے کیا کہ آج شب مجھے رہا کردیں پھر کل صبح میں ان کے پاس آجاؤں، میں ان کے پاس دوسرے روز صبح اول وقت پہنچ گیا۔ مجھے ایک گاڑی پر سوار کیا گیا اور میرے ساتھ دو نگہبان بھی کر دیئے گئے کہ میں اطراف کے دیہاتوں میں جاؤں اور جہاں تک جانتا ہوں کتابیں لوگوں سے واپس لے لوں۔

راستے میں مجھے پتہ چلا کہ دونوں نگہبان بھی ہدایت پانے والوں میں سے ہیں۔ انمیں سے ایک نے کہا: استاد! آپ نے مجھے فراموش کردیا اور بھول گئے؟ میں اپ کا شاگرد ہوں۔ ۱۹۷۰ء کے بعد سے میں مدرسہ ﴿ترشیح المعلمین﴾ میں تھا۔ خدا کی قسم کل رات مجھے نیند نہ آئی کیونکہ میں نے آپ کی کتاب مرکز سے حاصل کی تھی اور پوری پڑھ ڈالی اور اس وقت میں آپکی طرح

ہوں (یعنی شیعہ ہوں)۔

دوسرے نے کہا: میں نے بھی دو روز قبل آپ کی کتاب کا مطالعہ کیا اسے میرے ایک دوست نے مجھے دیا تھا۔ یقین جانیے میرے لئے اس کتاب نے بہت سی باتوں کو واضح کر دیا وہ مشکلات جو میرے ذہن میں تھیں انکو قائل کرنے والا جواب میرے پاس نہ تھا وہ آپکی کتاب میں مل گیا پس میں بھی شیعہ ہوں۔

اس عجیب اتفاق پر میں بہت ہنسا اور پورے راستہ میں ذرا بھی تھکاوٹ محسوس نہ ہوئی۔

لیکن جہاں تک ممکن تھا تین روز میں مختلف علاقوں سے کتابیں اکٹھا کر لیں اور حکم کے مطابق جس کے پاس بھی کتاب ملی اسے پلیس اسٹیشن بلایا گیا۔

گورنر صاحب سے میں نے ملاقات کی ایک مختصر گفتگو کے بعد انھوں نے مجھ سے کہا مجھے تم سے بہت ڈرا دیا گیا تھا اور تمہارے متعلق کہہ رہے تھے کہ یہ ایک کٹر شیعہ ہے جسے خمینی (قدس سرہ) کی طرف سے مدد حاصل ہے اور وہ بہنوں سے شادی کو جائز سمجھتا ہے!

میں مسکرایا اور بولا: اب مجھے یاد آیا شیر خوارگی کی وہ داستان جو اسی کتاب میں تحریر ہے۔ وہ بھی مسکرائے اور میز کی دراز سے کتاب کو باہر نکالا اور کہا: تم نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے لیکن میں تمہیں اس بات پر سرزنش کرتا ہوں کہ تم نے ایک نسخہ ہمیں کیوں نہ ہدیہ کیا؟

اگر تم اور پہلے جب ﴿قفصہ﴾ میں وارد ہوئے تھے کتاب مجھے دیتے تو ان مشکلات کا سامنا نہ ہوتا۔ لیکن افسوس کہ اب ہماری قدرت سے بات نکل چکی ہے اور عدالت کے ہاتھوں میں ہے اور اب آخری فیصلہ انھیں کا ہوگا۔

اس کے بعد تم ہمارے پاس آؤ تاکہ تمہارا پاسپورٹ تمہارے حوالہ

☆کہاں ہیں وہ لوگ جو جھوٹ بولتے ہوئے اور ہم پر ستم روا رکھتے ہوئے یہ ادعا کرتے ہیں کہ وہ ﴿راسخون فی العلم﴾ ہیں نہ ہم۔ خدا نے اس کے عوض ہمیں بلندی دی اور انھیں پستی میں ڈال دیا۔ ہمیں عطا کیا اور انھیں محروم کیا۔ ہمیں اپنی عنایت کے دائرہ میں رکھا اور انھیں باہر کر دیا۔ ہم ہی سے ہدایت طلب کی اور گمراہی کی تاریکیوں کو چھانٹنے کی خواہش کی جاسکتی ہے۔ بلا شبہ ائمہؑ قریش میں سے ہوں گے جو اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی ہاشم کے کشت زار سے ابھرے ہیں نہ امامت کسی اور کو زیب دیتی ہے اور نہ بنی ہاشم کے علاوہ کوئی اس کا اہل ہو سکتا۔ (نہج البلاغہ / خطبہ ۱۴۴)۔

☆بلاشبہ، آل محمدؐ کی مثال آسمان کے ستاروں کے مانند ہے۔ اس لئے اگر ایک ستارہ غروب ہوتا ہے تو دوسرا ستارہ ظاہر ہو جاتا ہے گویا تمہارے حق میں خدا نے خیر و برکت کو کمال کی حد تک پہنچایا ہے اور جو کچھ تم آرزو کرتے ہو (خدا نے) تمہیں بخشا ہے (نہج البلاغہ / خطبہ ۱۰۰)۔

☆اس امت میں کسی کو بھی آل محمدؐ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جن لوگوں پر ان کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے وہ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں آگے بڑھ جانے والے کو انکی طرف پلٹ کر آنا ہے اور پیچھے رہ جانے والے کو ان سے آکر ملنا ہے حق ولایت کی خصوصیات انہی کیلئے ہیں انہی کے بارے میں پیغمبر کی وصیت اور انہی کیلئے نبی کی وراثت ہے اب حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آیا اور اپنی صحیح جگہ پر منتقل ہو گیا۔ (نہج البلاغہ / خطبہ ۲)

☆اور (میں اپنے نبیؐ کے طریقے اور) شاہراہ حق پر گامزن ہوں اور اسے باطل کے راستوں سے جدا کرتا رہتا ہوں۔ اپنے نبیؐ کے اہل بیتؑ کو دیکھو! ان کی سیرت پر چلو ان کے نقش قدم کی پیروی کرو وہ تمہیں ہدایت و فلاح سے باہر

کردیں تاکہ سلامتی کے ساتھ سفر کرسکو۔

انکی باتوں سے ہمیں اندازہ ہوا کہ جب ان کے نزدیک ہماری بے گناہی ثابت ہوگئی اور وہ ان پروپگنڈوں کو سمجھ گئے اور اسی طرح یہ بھی معلوم ہوگیا کہ میری کتاب پیرس سے رئیس جمہور کے پاس آئی ہے تو اس قضیہ کو عدالت کے حوالہ کردیا تاکہ صرف کتاب کے متعلق بحث کریں کہ آیا یہ کتاب دین اور نظام کے لئے خطرہ ہے یا نہیں؟

میں عدالت روانہ ہوا جبکہ ہدایت پانے والے ساتھیوں نے کہا کہ جن لوگوں سے بھی پوچھ تاچھ کی گئی انھوں آپ کے متعلق سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں کہا۔

جو سوالات ان سے کئے گئے یہ ہیں:

ا۔ تیجانی سے تمہارا کیا رابطہ ہے؟

۔وہ میرے دوست یا استاد ہیں۔

۲۔ کیا تمہیں پیسہ بھی دیا ہے؟

۔ ہمیں انھوں نے ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔

۳۔ کیا تم سے پیسہ مانگا؟

۔ نہیں، مجھ سے کوئی پیسہ نہیں مانگا۔

میں نے عدالت میں قاضی صاحب سے ملاقات کرنا چاہی اجازت کے بعد ان کے پاس پہنچا، دیکھا میری کتاب انکی میز پر ہے۔

میں نے کہا: جناب عالی! میں اس کتاب کا مصنف ہوں اور صرف ایک ہفتہ کے لئے تیونس آیا تھا لیکن اس وقت ایک ماہ سے زیادہ ہے کہ میں کسی گناہ کے بغیر معطل ہوں میرے اعصاب پریشان ہیں اس لئے کہ میرے بیوی بچے اکیلے

پیرس میں پڑے ہوئے ہیں!

وہ میری بات کو کاٹ کا کہنے لگے : میں پوری کتاب پڑھونگا پھر حکم دوں گا ،ابھی صرف تیسرا حصہ پڑھا ہے اور انشاء اللہ آج رات مکمل کردونگا پھر کل حکم دونگا۔

۔میں نے کہا جناب عالی میں جلدی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا۔

انھوں نے کہا : کل بعد از ظہر آؤ۔

میں واپس آگیا۔ اور مقررہ وقت پر وہاں پہنچا اور دیکھا جج صاحب دروازہ پر کھڑے ہیں انھوں نے مجھے گلے سے لگالیا اور خاص احترام کے ساتھ کہا جناب ڈاکٹر صاحب !اس کتاب میں جو کچھ ہے اسکی میں تصدیق کرتا ہوں اور ان سب پر میرا ایمان ہے۔

اشک شوق میری آنکھوں سے جاری ہو گئے اور جو میں سن رہا تھا اس پر مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔

پھر انھوں نے کہا : تشریف رکھیئے میں ابھی آپ کا حکم لکھ دیتا ہوں اور اگر آپ کروڑوں خرچ کرتے تو آپ کی کتاب اس درجہ مشہور نہ ہوتی۔ اس لئے کہ پایۂ تخت سے میرے بعض دوستوں نے آپ کی کتاب طلب کی ہے وہ آپ کو قصہ کا سلمان رشدی کہتے ہیں۔

خدا کا بے شمار شکر کہ اس نے پھر میری مدد کی اور جس عدالت میں شیر خوارگی کی داستان پیش آئی تھی اسی میں مجھے دوسری مرتبہ اللہ کی نصرت حاصل ہوئی اور وہ کتاب جس کے متعلق لوگ برا چاہتے تھے وہ بحمد للہ بھلائی میں تبدیل ہو گیا۔

سرکاری وکیل نے حکم لکھ کر محرر کے حوالہ کیا تاکہ وہ ٹائپ کردے پھر

میری طرف رخ کر کے کہنے لگا میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ اس کتاب کے دس نسخہ مجھے دے دیں تاکہ میں اسے اپنے دوستوں کو ہدیہ کروں۔ اور اگر آپ چاہتے ہوں تو جن لوگوں سے یہ کتابیں لی گئی ہیں انھیں واپس کر دی جائیں۔

میں نے کہا: حکم حاصل کرنے کے بعد میں خود یہ کام کرلوں گا، خیر جو کتابیں سرکاری وکیل کو چاہئے تھیں میں نے ان کے حوالہ کر دیں نیز عدالت کے محرروں نے بھی دس سے زیادہ نسخے طلب کئے انھیں بھی دیدیں، سرکاری وکیل نے عدالت کے حکم پر خود دستخط کرنے کے بعد میرے حوالہ کر دیا، اور اپنے محرر کو حکم دیا کہ تمام ضبط کی ہوئی کتابیں میری گاڑی میں رکھ دے۔ اس کے بعد میرا پاسپورٹ میرے حوالہ کیا اور خدا حافظ کہا۔

میں وہاں سے باہر آیا عالم یہ تھا کہ میں خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ جن لوگوں سے کتابیں لے لی گئی تھیں انھیں واپس کر دیں اور اسمیں عدالت کے حکم کی ایک ایک کاپی بھی رکھ دی اس کے بعد وہ کتاب قہوہ خانوں میں بھی بغیر کسی خوف کے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ منتقل ہوتی رہی۔

چوں کہ ہر ممنوع چیز مرغوب ہو جاتی ہے لہذا اس وقتی ممنوعیت نے وہ کام کیا کہ میری کتاب کافی مشہور ہو گئی اور اس نے انقلابی سوچ پیدا کر دی اسی طرح اس کے ذریعہ دیگر بہت سے مسلمانوں نے ہدایت پائی۔

خداوند عالم نے کافروں کو ان کے اسی غصہ و جھنجھلاہٹ کے ساتھ انھیں کوئی فائدہ پہنچائے بغیر نا امید واپس کر دیا اور (اپنی مہربانی سے) مؤمنین کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی اور خدا تو (بڑا) زبردست اور غالب ہے (احزاب ر ۲۵)۔

میں پیرس واپس آگیا اسی دوران مجھے صدر جمہوریہ زین العابدین بن علی کا خط بھی ملا۔

بہر حال یہ ساری کرامتیں جو ابھی تک دیکھی ہیں، اہل بیتؑ کے فضل سے ہیں اور آئندہ بھی دیکھیں گے۔ میں بہت ہی خوشحال ہوں اور ان حضرات پر فخر و مباہات کرتا ہوں۔

﴿و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین و الصلوۃ علیٰ اشرف الانبیاء والمرسلین سیدنا و مولانا محمدؐ و آله الطیبین الطاھرین﴾

محمد تیجانی سماوی تونسی

حوالہ جات

۱- رجوع کریں کتاب ﴿اعرف الحق﴾ ص ۹۶-۹۸ کتاب ﴿اتقوا اللہ﴾ ص ۶۷ لی ۷۲ مؤلف۔

۲- مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۲۶۔

۳- احقاق الحق، ج ۵ ص ۶۲۳، تاریخ بغداد، ج ۱۴، ص ۳۲۱۔

۴- سنن ترمذی، ج ۵، ص ۶۳۳، ح ۳۷۱۳۔

۵- کنز العمال، ج ۱۱، ص ۶۰۳، ح ۳۲۹۱۵۔

۶- مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۲۴، ر معجم الاوسط طبرانی، ج ۵، ص ۳۵۵، حدیث نمبر ۴۸۷۔

۷- صحیح بخاری، ج ۹، ص ۷۸، ج ۴، ص ۲۱۸، ر کتاب الاحکام باب الامراء من قریش، ر صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۴۵۱، ح ۱۸۱۸، و ۱۸۲۲۔ کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش والخلافہ فی قریش۔

۸- سابقہ حوالہ۔

۹- صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۷۸۲، ح ۲۲۷۶۔

۱۰- صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۸۷۳، ح ۲۴۰۸۔

۱۱- صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۸۷۳، ح ۲۴۰۴، بخاری نے بھی اپنی صحیح میں کتاب المغازی ج ۶ ص ۳ کے باب غزوۂ تبوک میں اسے نقل کیا ہے۔

۱۲- مناقب خوارزمی، ص ۴۷۔

۱۳- سابقہ حوالہ

۱۴- صحیح بخاری، ج ۱، ص ۷۲/ ج ۸، ص ۳۶۔

۱۵- کنز العمال، ج ۳، ص ۳۵، ح ۵۳۴۶۔

۱۶- صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۱۰۵/ سنن ابو داؤد، ج ۴، ص ۲۷۶، ح ۴۹۰۴۔

۱۷- سنی و شیعہ دونوں ہی طریقوں سے معتبر روایات میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے خدا کے اذن سے بعض احکام کو تشریع فرمایا ہے۔ مثلاً نماز مغرب میں ایک رکعت کا اضافہ اور چار رکعتی نمازوں کیلئے دو رکعت کا اضافہ اسی طرح زکات کو ۹ چیزوں سے مخصوص کرنا۔ لہٰذا ان چیزوں سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ شارع تھے (بنیاد معارف اسلامی)۔

۱۸- کنز العمال، ج ۳، ص ۳۵۔

۱۹- یہاں پر یہ تاکید ضروری ہے کہ یہ آیت آسمان و زمین کی حدود سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتی بلکہ انسان کو اسکی ناتوانی سمجھاتی ہے اور آیت کی غرض یہ ہے کہ تم جس جگہ بھی چاہو جاؤ لیکن خدا کی قدرت سے باہر نہیں ہو۔ پس جتنی بھی کوشش کرو اسکی حکومت سے باہر نہیں بھاگ سکتے۔ اور بھی دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی آیت میں آگے ملتا ہے کہ خدا تم پر تانبے سے ملی ہوئی آگ کے شرارے گرائیگا۔ اور تمہارا کوئی ناصر و مددگار نہ ہوگا۔ البتہ خداوند عالم نے انسانیت کی خدمت کیلئے علم و دانش کے استفادہ کو مردود قرار نہیں دیا ہے لیکن اس آیت کو اس مورد میں دلیل بنانا ظاہراً صحیح

نہیں ہے۔(مترجم)۔

۲۰-یہاں پر ظاہراً کتاب سے مراد کتاب آفرینش ہے نہ کہ قرآن مجید (مترجم)۔

۲۱-ہالینڈی مستشرق (دوزی) کہتا ہے کہ پورے اندلس میں ایک بھی ان پڑھ نہ تھا لیکن یورپ میں صرف اشراف کا طبقہ اور قسیسان (عیسائی علماء) ایک حد تک علم رکھتے تھے۔بہر حال مسلمانوں نے تمام علوم میں ترقی کرلی تھی۔

الف) جغرافیہ اور سیاحت میں : رازی، ابو عبیدہ بکری، غروی، ادریسی، ابن جبیر اور ابن بطوطہ تھے۔

ب) علم ہیئت اور نجوم : طلیطلہ، قرطبہ۔بغداد، دمشق، سمرقند اور فارس میں بڑے علمی رصد خانے تھے۔

ج) ہندسہ میں : گوستالوبون کہتا ہے :یورپ نے فن معماری عربوں سے حاصل کیا لہٰذا بعض فرانسیسی گرجاگھروں میں سنگ کاری کے اندر عربی خطوط کا عکس دیکھا جاسکتا ہے۔

د) ریاضی میں :سدیریورپی مستشرق کہتا ہے : علم ریاضی پر عربوں کی خاص عنایت تھی اس میدان میں وہ واقعاً ہمارے استاد ہیں۔لوناردالبیزی نے ﴿الجبرا﴾ سے متعلق ۲۰۰ رسالے لکھے اور یہ سب کچھ اس نے عربوں سے حاصل کیا تھا حتیٰ وہ اپنی کتاب (تاریخ عرب) میں لکھتا ہے :صفر جس نے ریاضی کی سب سے بڑی مشکل کو حل کیا وہ اندلس سے یورپ لایا گیا۔

ھ) فیزیکس میں :ابن ھیثم اس علم کے استاد شمار ہوتے ہیں۔

و) کیمسٹری، صنعت، زراعت اور علم طب وغیرہ میں مسلمان ہی پیش قدم تھے اس کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں انکی طرف رجوع کریں۔یہی کافی ہے کہ آج بھی مغربی یونیورسٹیوں میں بو علی سینا کی کتاب ﴿شفا﴾ پڑھائی جارہی ہے۔

۲۲- نہج البلاغہ، کلمات قصار، نمبر ۴۳۸۔

۲۳- صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۹۸۷۔

۲۴- مسند احمد، ج ۱، ص ۲۲۷۔

۲۵- سورۂ حج، آیت ۷۸۔

۲۶- صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۷/ ج ۸، ص ۳۶۔

۲۷- مسند احمد، ج ۵، ص ۳۳۳۔

۲۸- اگر صہیونیوں نے فلسطین پر قبضہ کر رکھا ہے تو بہت سے اسلامی ممالک پر اقوام متحدہ کے فرمانبرداروں اور کارندوں کا قبضہ ہے۔ من جملہ ان میں حجاز ہے۔ میں عراق سے اردن اور اردن سے حج کیلئے روانہ ہوا اور سات گھنٹے تک جدہ ایرپورٹ پر معطل رہا، وہیں پر اندازہ ہوا کہ حاجیوں کے ساتھ کس قسم کا معاملہ ہو رہا ہے۔ حجاج فریاد بلند کر رہے تھے لیکن اس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو تا تھا۔ ایرپورٹ کے کارندے بدترین اور سخت ترین رویہ حجاج کے ساتھ برت رہے تھے گویا کہنا چاہ رہے تھے کہ ہم بے نیاز ہیں اور ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے، جاؤ اور خیموں میں پڑے رہو، وہی خیمے جنھیں دراصل پورے امکانات کے ساتھ بلڈنگ کی صورت میں ہونا چاہیے تھا۔ اور حجاج کے آرام و آسائش کے اسباب مہیا ہونے چاہیے تھے جو کہ خود حاجیوں کے پیسے سے آمادہ کئے گئے ہیں۔ لیکن کیا کیا جائے کہ یہ پیسہ اور پیٹرول کا ایک بڑا حصہ امریکا روانہ ہو جاتا ہے تاکہ امریکی قوم اور صہیونی اس سے فائدہ اٹھائیں اور ان کے آرام و آسائش میں فرق نہ پڑنے پائے۔ اور فرانس کے سکہ ﴿فرینک﴾ کو قوت ملتی رہے۔

۲۹- مسند احمد، ج ۵، ص ۳۹۱/ السنن الکبریٰ، ج ۱۰، ص ۹۳۔

۳۰- صحیح مسلم، ج ۱، ص ۶۹، ح ۷۸۔

۳۱- صحیح مسلم، ج ا، ص ۷۰، ح ۸۰۔

۳۲- کتنا دردناک ہے کہ مغرب میں تو سننے والے کان موجود ہیں لیکن اسلامی ملکوں میں دور دور تک ان کا پتا نہیں ہے۔

۳۳- نہج البلاغہ کے خط نمبر ۵۶ کی طرف رجوع کریں۔

۳۴- نووی کی ﴿ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین﴾، انور رفاعی کی ﴿الانسان العربی و الحضارة﴾، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی ﴿روائع حضارتنا﴾ اور محمد کرد علی کی ﴿الاسلام و الحضارة العربیه﴾ اور بھی دیگر کتب موجود ہیں۔

۳۵- کتاب ﴿امام الصادق (ع) کما عرفه علماء الغرب﴾ ترجمہ ڈاکٹر نورالدین آل علی۔

۳۶- ڈاکٹر ہاشمی کی ﴿الامام الصادق ملهم الکیمیاء﴾ ص ۱۵۶۔

۳۷- سورۂ بینہ، آیت ۷۔

۳۸- مناقب خوارزمی ۶۲۔

۳۹- الدر المنثور، ج ۸، ص ۵۸۹/ تذکرہ الخواص، ص ۱۸۔

۴۰- گذشتہ حوالہ۔

۴۱- الدر المنثور، ج ۸، ص ۵۸۹/ تذکرۃ الخواص، ص ۱۸۔

۴۲- ابن حجر کی الصواعق المحرقہ، ص ۱۶۱۔

۴۳- مناقب خوارزمی حنفی، ص ۶۲۔

۴۴- اور ہم شیعہ بھی ایسے ہی ہیں۔ لذا جب ان سے کہتے ہیں کہ علیؑ شہر علم کے باب ہیں تو فوراً چیچ کر کہتے ہیں شہر علم کے کئی دروازے ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم حضرت کی شجاعت کا تذکرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ نے اسلام کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا

نہیں ہونے دیں گے اور نہ گمراہی وہلاکت کی طرف پلٹائیں گے۔ اگر وہ کہیں ٹھہریں تو تم بھی ٹھہر جاؤ اور اگر وہ اٹھیں تو تم بھی اٹھ کھڑے ہو ان سے آگے نہ بڑھ جاؤ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور نہ (انھیں چھوڑ کر) پیچھے رہ جاؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ (نہج البلاغہ / خطبہ ۹۷)۔

☆ وہ علم کے لئے باعث حیات اور جہالت کیلئے سبب مرگ ہیں ان کا حلم ان کے علم کا ان کا ظاہر ان کے باطن کا، اور ان کی خاموشی ان کے کلام کی حکمتوں کا پتہ دیتی ہے وہ نہ حق کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور نہ اسمیں اختلاف پیدا کرتے ہیں وہ اسلام کے ستون اور بچاؤ کا ٹھکانہ ہیں۔ انکی وجہ سے حق اپنے اصلی مقام پر پلٹ آیا اور باطل اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور اسکی زبان جڑ سے کٹ گئی۔ انھوں نے دین کو سمجھ کر اور حاصل کر کے اس پر عمل کیا ہے نہ یہ کہ صرف سنا اور لوگوں سے بیان کر دیا ہو۔ یوں تو علم کے راوی بہت ہیں مگر اس پر عمل پیرا ہو کر اسکی نگہبانی کرنے والے کم ہیں۔ (نہج البلاغہ / خطبہ ۲۳۹)۔

ہاں ! یہ نہج البلاغہ کے کچھ گوشے ہیں جنھیں میں نے امام علیؑ کی زبان سے نقل کیا ہے یہ کلام پیغمبرؐ اور آل پیغمبرؑ کے درمیان حقیقی رابطہ کی شکل کو بیان کرتا ہے نیز اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ صرف اہل بیتؑ ہی مختلف زمانوں اور صدیوں میں پوری بشریت کو اختلافِ فکر و ذوق کے باوجود، آنحضرتؐ کی راہ پر چلانے والے اور ان کے دین کی تبلیغ کرنے والے ہیں۔

امام، مسلمانوں کے نزدیک عترت طاہرہؑ کی منزلت کی وضاحت پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ وہ خود عترت طاہرہؑ کے محور و سردار ہیں اور پھر اپنی اس اہم ذمہ داری کی طرف اشارہ کرتے ہیں جسے خدا اور رسولؐ نے آپ کے سپرد کیا ہے کہ آپ اسے لوگوں کے درمیان نبھائیں اور انھیں ترک نہ

کیا تو واویلا کرتے ہوئے شور مچائیں گے کہ تم تاریخ کو بالائے طاق رکھنا چاہتے ہو۔
اور ان تمام اسلامی فتوحات کو فراموش کرنا چاہتے ہو!

اور یہ باتیں اس صورت میں ہیں جب گفتگو ٹھنڈے انداز میں ہو رہی ہو۔ لیکن شیعوں کے حق میں ظلم وستم کے یہ پوری طرح موافق ہیں۔ جناب فاطمہ زہراءؑ کا گھر جلانا، امام حسینؑ کے قتل کا فتوا علویوں (اولاد رسولؐ) کا قتل، حلب و جامعۃ الازہر کو سنی بنا دینا، سادات اور اولاد رسول کا قتل عام، اور حج کے موسم میں سیکڑوں ایرانی زائران خانہ خدا کا قتل، اسلامی جمہوری ایران کے ساتھ جنگ، عراق کے مشہور علماء مثلاً آیۃ اللہ سید محسن حکیم کے فرزندوں کا قتل، عظیم مفکر آیۃ اللہ سید باقر الصدر قدس سرہ کا قتل۔

ہم تو انکو ایک مثبت گفتگو کی طرف دعوت دیتے ہیں تا کہ حق اور اہل حق پہچانے جائیں لیکن وہ ہمکو چپ رہنے اور سکوت کا حکم دیتے ہیں ان سے ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ ہمارا قتل، ظالموں اور ستمگروں کے ساتھ تعاون ظالم وجابر حکام وامراء کے دفاع کے سوا اور کیا تھا؟

۴۵- یہ بد نظمی صرف شیعوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہم بہت سی جگہوں پر دیکھتے ہیں کہ اہل سنت کے مختلف فرقے مساجد (بالخصوص مسجد النبیؐ اور مسجد الحرام میں) اس مسئلہ پر اہمیت نہیں دیتے۔

۴۶- جب حضرت امام خمینیؒ پیرس میں تھے ایک روز نماز جماعت کی اہمیت اور صف کے متعلق لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے ان کے من جملہ فرمودات میں جو مجھے بھول نہیں سکتا یہ ہے: جب ہم بورسا (ترکیہ) شہر بدر کئے گئے تھے تو کبھی کبھی نماز جمعہ میں شرکت کرتے تھے اور میں اس نظم وصف بندی میں لذت محسوس کرتا تھا۔ اور کتنا دلچسپ تھا کہ امام کے تکبیر کہنے کے ساتھ ہی ایک لحظہ میں سب لوگ منظم صف

کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور پوری نماز کے دوران اور اس کے بعد سوائے سانس لینے کی آواز کے کوئی اور آواز نہ آتی تھی۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کیوں ہم شیعوں کے درمیان ایسی کیفیت نہیں پائی جاتی۔

۴۷- لیکن توجہ رکھنی چاہیے کہ جو گناہکار علی الاعلان گناہ نہیں کرتا اسکی بھی اقتدا نہیں کی جاسکتی۔

۴۸- گذشتہ اور عصر حاضر کے بعض علماء بھی نماز جمعہ کو واجب جانتے ہیں اور اسے قائم کرتے ہیں مثلاً آیۃ اللہ العظمٰی اراکیؒ نے پچاس سال سے پہلے شہر قم میں نماز جمعہ قائم کی جبکہ اسی زمانہ میں بعض علماء نماز جمعہ قائم نہیں کرتے تھے (مترجم)

۴۹- سگریٹ نوشی کی مذمت بہتر اور پسندیدہ ہے لیکن مراجع کے لئے فریضہ معین کرنا ایک طرح کی افراط ہے جس سے خود جناب مصنف کو گریز کرنا چاہئے علماء اپنے فرائض کو بہتر سمجھتے ہیں، البتہ جناب مصنف کی یاد ہانی بجا ہے اور اگر علماء اسے صریحاً حرام نہیں کرتے تو بہتر ہے کہ اس سے اپنی نفرت کا قطعی اظہار فرمائیں اس لئے کہ اس کا نقصان کسی سے چھپا نہیں ہے،

دوسرے یہ کہ حکماء اور ڈاکٹر سبھی کے لئے اس کے نقصان پر متفق نہیں ہیں ورنہ اگر کوئی چیز انسان کے لئے قطعاً مضر ہو تو بہت سے علماء کے فتوے کے مطابق حرام ہے ،بہر حال اس مسئلہ میں زیادہ غور کرنا چاہئے اس لئے کہ مراجع کے نظریات لوگوں کے اظہار نظر سے کہیں بالا ہیں گرچہ ممکن ہے کہ علماء ایک کلی نظریہ دیں اور اس کے جزئیات یا موضوع کی تطبیق میں خاموش رہیں (مترجم)

۵۰- صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵۴ (باب الشفاعۃ) مرحوم سید محسن امین اس روایت پر حاشیہ لگاتے ہو فرماتے ہیں (حتماً یہ چالیس آدمی نجدی (وہابی) عربوں میں سے ہونے چاہئیں تا کہ ان کی شفاعت قبول ہو۔

۵۱- صحیح مسلم ر ج ۲ ص ۲۵۴۔

۵۲- طبرانی نے معجم الصغیر ر ج ۲ ص ۸۲ پر اس کو روایت کیا ہے بیہقی نے اسناد صحیح اور معتبر دلائل کے ساتھ اپنی کتاب دلائل النبوۃ کی جلد ۵ ر ص ۴۸۹ پر تذکرہ کیا ہے اور دیگر احادیث میں آیا ہے کہ آدمؑ و نوحؑ نے خدا کو آل عبا (پنجتن پاکؑ) کی قسم دی اور انھیں وسیلہ بنایا۔

۵۳- صحیح بخاری ج ر ۸ ص ۱۱۲؛ کتاب المرقاق ر باب الحوض۔

۵۴- سورۂ مائدہ ر آیۃ ۴۷۔

۵۵- سورۂ مائدہ ر آیۃ ۴۳۔

۵۶- سورۂ مائدہ ر آیۃ ۴۷۔

۵۷- پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت رسول اکرمؐ خدا کے اذن سے تشریع کا حق رکھتے ہیں۔

۵۸- صحیح بخاری، ج ۴، ص ۱۰۰ باب دعا النبیؐ الی الاسلام والنبوہ۔

۵۹- صحیح بخاری، ج ۵، ص ۱۰۴، کتاب المغازی باب الشھود الملائکہ۔

۶۰- سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷ اور ۳۷ کی طرف اشارہ ہے۔

۶۱- صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۹، کتاب الوضوء باب استعمال فضل وضو۔

۶۲- صحیح بخاری، ج ۳، ص ۲۵۴، کتاب ﴿الشروط باب الشروط فی الجھاد و المصالحه مع اهل الحروب﴾۔

۶۳- صحیح بخاری، ج ۱، ص ۷۰۔ کتاب الوضو باب البزاق والمخاط۔

۶۴- صحیح بخاری ج ۴، ص ۳۷ کتاب الجھاد والسیر ر صحیح مسلم ج ۴، ص ۱۸۷۲، ح ۲۴۰۶

۶۵- ظاہراً یہاں پر (مرگی) مقصود ہے۔

۶۶- صحیح بخاری، ج۱، ص ۹۶۔

۶۷- صحیح بخاری، ج ۴، ص ۲۳۳، کتاب ﴿بدء الخلق باب علامات النبوة فی الاسلام﴾

۶۸- صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۳۴، کتاب بدء الخلق باب علامات النبوۃ فی الاسلام

۶۹- صحیح بخاری، ج ۴، ص ۲۳۵، کتاب بدء الخلق

۷۰- تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۹۳/ صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۹۵۹

۷۱- صحیح بخاری، ج ۶، ص ۱۷۔

۷۲- اس گفتگو کو ابن ابی الحدید معتزلی نے (جلد ۵، ص ۱۳۰) پر نقل کیا ہے اور اسی طرح کتاب ﴿النصائح الکافیه لمن یتولیٰ معاویه﴾ ص ۱۲۳ میں ابن اثیر وطبری سے نقل ہوا ہے۔

۷۳- صحیح مسلم، ج ۲، ص ۶۶۹، حدیث نمبر ۱۰۳

۷۴- صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۹، باب زیارت القبور، کتاب الجنائز

۷۵- تاریخ الخمیس، ج ۲، ص ۱۷۳

۷۶- بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۷۷

۷۷- صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۷

۷۸- صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۱۰۵/ سنن ابو داؤد، ج ۴، ص ۲۷۶، حدیث ۴۹۰۴

۷۹- البتہ مکتب اہل بیتؑ میں بھی مکلّف بیماری کے خوف کے تحت وضو کی جگہ پر تیمّم کر سکتا ہے۔ جیسا کہ امام صادقؑ سے روایت ہوئی ہے ﴿التراب احد الطهورین﴾ مٹی پاک کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔

۸۰- صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۹۰، حدیث ۷۰۸، کتاب الصلوۃ باب الجمع بین الصلاتین

۸۱- صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۴۳، کتاب مواقیت الصلوۃ

۸۲-اس معنی میں کہ ہر ایک کیلئے اس کی ضرورت کے مطابق حق قرار دیا ہے (بنیاد معارف اسلامی)۔

۸۳-کتب تاریخ نے نقل کیا ہے کہ عورتیں آنحضرتؐ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتی تھیں اور انمیں سے بعض نے آنحضرتؐ سے یہ بھی عرض کیا ہے کہ یا رسول اللہؐ! ہمارے لئے ایک شوہر کا انتخاب فرمایئے۔

روایت ہے کہ عورتیں آنحضرتؐ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں ہم آپ کے وجود سے مستفید ہونا چاہتے ہیں لیکن مردوں کی وجہ سے محروم رہتے ہیں آنحضرتؐ نے ان کیلئے ایک وقت معین فرمایا کہ فلاں وقت فلاں شخص کے گھر حاضر ہوں اور خود آنحضرتؐ اس مقررہ وقت میں وہاں تشریف لے جاتے اور ان سے گفتگو کرتے اسی طرح بیان ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے بعض عورتوں کو کام کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ من جملہ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی جو شوہر و بچوں کی خاطر کام کرنے پر مجبور تھیں آنحضرتؐ نے فرمایا: تیرے لئے اجر و ثواب ہے۔ تو ہمیشہ ان پر انفاق کرتی ہے پس انفاق کرتی رہ۔

۸۴-اس کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿و من آیاته ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون﴾ اور ﴿و من آیاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیها و جعل بینکم مودة و رحمة ان فی ذالك لآیات لقوم یتفکرون﴾ (روم/۲۱-۲۰)۔ اور اسکی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر یکایک تم آدمی بن کر زمین پر چلنے پھرنے لگے۔ اور اسکی قدرت کی نشانیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان کے ساتھ رہ کر چین کرو اور تم لوگوں کے درمیان پیار و الفت پیدا کر دی اسمیں شک نہیں کہ اسمیں غور کرنے

والوں کیلئے (قدرت خدا کی) یقینی بہت سی نشانیاں ہیں۔

۸۵- اور یہ روایت صحیح بخاری کی جلد ۶ صفحہ ۶۶۔ کتاب تفسیر القرآن باب قولہ ﴿یا ایھا الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل الله لکم﴾ کے بیان میں ملاحظہ ہو سکتی ہے۔

۸۶- شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۶ تفسیر طبری ج ۵ ص ۹۔ اور مزید تفصیل کیلئے مؤلف محترم کی کتاب ﴿سچوں کے ساتھ ہو جاؤ﴾ کا مطالعہ کریں۔ نیز اس کے متعلق دیگر کتب بھی موجود ہیں من جملہ۔ ﴿فصول المھمہ﴾ (شرف الدین) ﴿مسائل فقھیہ﴾ (شرف الدین) ﴿البیان﴾ (الخوئیؒ) ﴿الغدیر﴾ (امینی) ﴿المتعہ فی الاسلام﴾ (سید حسن مکی) ﴿الزواج الموقت﴾ (سید محمد تقی حکیم) ﴿الزواج الموقت فی الاسلام﴾ (سید جعفر مرتضیٰ)۔

۸۷- البتہ وقتی شادی (متعہ) کی صورت میں۔

۸۸- کتاب الجمع بین الصحاح الستہ، باب علامات الساعۃ اور کتاب عقائد الاسلامیہ از سید سابق اور مسند احمد حنبل ج ۱، ص ۶۷ ۳ و ۷ ۷ ۳، ۴۳۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵، ص ۱۹۸ ح ۱۹۴۹۴۔

۸۹- اس سلسلہ میں بنیاد معارف اسلامی نے عربی زبان میں بے نظیر دائرۃ المعارف ۴۲۰ مصادر کے حوالہ سے چھاپا ہے جسمیں سنی و شیعہ دونوں ہی مصادر شامل ہیں اور پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

۹۰- اشراف تیونس میں آل رسول کو کہتے ہیں جو اولاد حضرت زہرا (س) اور حضرت علی علیہ السلام سے ہوں۔

۹۱- اس کتاب کا فارسی ترجمہ ﴿آنگاہ ہدایت شدم﴾ بنیاد معارف اسلامی کی جانب سے ابھی تک ۱۹ مرتبہ کافی تعداد میں چھپ چکا ہے اسی طرح اردو زبان میں مختلف مرتبہ چھپ چکا ہے (مترجم)۔

انصاریان پبلیکیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷
قم۔جمہوری اسلامی ایران
ٹیلی فون نمبر 7741744-251-0098 فاکس: ۷۷۴۲۶۴۷
E-mail=ansarian@noornet.net
WWW. ansariyan.org

کریں۔

آپ فرماتے ہیں :

ا۔ تو تم کہاں جارہے ہو اور تمہیں کدھر موڑا جارہا ہے حالانکہ ہدایت کے جھنڈے بلند نشانات ظاہر و روشن ہیں اور حق کے مینار نصب ہیں اور تمہیں کہاں بہکایا جارہا ہے اور کیوں ادھر ادھر بھٹک رہے ہو جبکہ تمہارے نبی کی عترت تمہارے درمیان موجود ہے جو حق کی باگیں، دین کے پرچم اور سچائی کی زبانیں ہیں۔ ذکر خیر اور صدق گفتار سے ہم آہنگ ہیں لہذا انھیں بھی قرآن کے مانند محترم جانو! اور پیاسے اونٹوں کی طرح ان کے سرچشمہ ہدایت پر اترو۔

☆اے لوگو! خاتم النبینؐ کے اس ارشاد کو سنو کہ (انھوں نے فرمایا) ہم میں سے جو مر جاتا ہے وہ مردہ نہیں ہے اور ہم میں سے (جو بظاہر مر کر) بوسیدہ ہو جاتا ہے وہ حقیقت میں بوسیدہ نہیں ہے جو باتیں تم نہیں جانتے ان کے متعلق زبان سے کچھ نہ نکالو اس لئے کہ حق کا بیشتر حصہ انھیں چیزوں میں ہوتا ہے جن سے تم بیگانہ اور ناآشنا ہو۔ (جس شخص کی تم پر حجت تمام ہو) اور تمہاری کوئی حجت اس پر تمام نہ ہو۔ وہ میں ہوں۔ کیا میں نے تمہارے سامنے ثقل اکبر (قرآن) پر عمل نہیں کیا اور ثقل اصغر (اہل بیتؑ) کو تم میں نہیں رکھا (چھوڑا)۔ میں نے تمہارے درمیان ایمان کا جھنڈا گاڑا۔ حلال و حرام کی حدیں بتائیں اور اپنے عدل سے تمہیں عافیت کے جامے پہنائے۔ اور قول و عمل سے حسن سلوک کا فرش تمہارے لئے بچھادیا اور تم سے ہمیشہ پاکیزہ اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔

جس چیز کی گہرائیوں تک نگاہ نہ پہنچ سکے اور فکر کی جولانیاں عاجز رہیں۔ اسمیں اپنی رائے کو دخل نہ دو۔ (نہج البلاغہ / ۸۷)۔

محترم قارئین ! اگر امام علیؑ کے کلام پر توجہ کریں تو اندازہ ہو گا کہ وہ خود حدیث ثقلین کی تفسیر ہیں۔ وہی حدیث جسے اہل سنت حضرات نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ! کتاب خدا اور اپنی عترت اگر ان دونوں سے متمسک رہو گے تو ہر گز گمراہ نہ ہو گے۔

اور پھر علیؑ فرماتے ہیں :

کیا میں نے تمہارے سامنے ثقل اکبر (قرآن مجید) پر عمل نہیں کیا اور ثقل اصغر (اہل بیتؑ) کو تمہارے درمیان نہیں چھوڑا؟

یہ اس بات پر دلیل ہے کہ علیؑ نے لوگوں کے درمیان احکام قرآن کی رو سے عمل کیا؟ وہی احکام کہ جن کی حقیقت سے سوائے آپ کے کوئی اور واقف نہیں ہے۔ ثقل اصغر سے آپ کی مراد معصوم ائمہؑ ہیں جو آپکے فرزند ہیں اور بے شک آپ نے انھیں لوگوں کے درمیان چھوڑا تا کہ انمیں سے ہر ایک رسول خداؐ کے مانند امت کے درمیان عمل کرے۔ پس جو آنحضرتؐ نے فرمایا ﴿ثقلین (قرآن و عترتؑ) کو تمارے درمیان چھوڑا ہے اگر اسمیں دقت کریں تو اندازہ ہو گا کہ عترت طاہرہ اور اہل بیت رسول خداؐ کی ذمہ داری کتاب خدا کی تفسیر و تشریح ہے تا کہ امت رسولؐ کے بعد اختلاف نہ کرے﴾۔

جو بات اس مطلب کی تائید کرتی ہے وہ آنحضرتؐ کا قول ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

ہماری امت کی ہر نسل کے درمیان ہمارے اہل بیتؑ کے کچھ عادل افراد ہوں گے جو گمراہیوں کی تحریف، باطل پرستوں کی کجروی اور جاہلوں کی تاویل کو دین سے دور کریں گے۔ بے شک تمہارے ائمہؑ خدا کی جانب سے تمہارے

پیغامبر ہیں لہذا اس پر اچھی طرح توجہ دو کہ کسے اپنا پیغامبر ولمام ہونا چاہیے۔
(صواعق محرقہ ر ابن حجر شافعی رص ۱۵۰)۔

ستارے اہل زمین کو غرق ہونے سے بچاتے ہیں اور ہمارے اہل بیتؑ امت کو اختلاف سے بچاتے ہیں۔ پس اگر عرب کا کوئی قبیلہ انکی مخالفت کرے تو ابلیس کے گروہ کا حصہ ہوگا۔ (مستدرک حاکم ر ج ۳ ص ۱۴۹)۔

آپ اور آپ کے خاندان پر خدا کا بہترین درود و سلام ہو۔ ایک مقام پر اور فرماتے ہیں:

بلا شبہ تمہارے درمیان ہمارے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوح کی ہے جو اسپر سوار ہوا کامیاب ہوا اور جو اس سے دور ہوا غرق و ہلاک ہو جائیگا۔ (مستدرک حاکم ر ج ۳ ر ص ۱۵۱۔ صواعق محرقہ ر ص ۱۸۴)۔

اس مختصر بحث سے حق و باطل نمایاں ہو جاتے ہیں بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ امامیہ شیعہ حق ہیں اس لئے کہ صرف یہی گروہ ہے جس نے دونوں ثقل (قرآن و عترتؑ) سے تمسک کیا اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا ہے۔ نہ اہل بیتؑ پر سبقت کی اور نہ ان سے دور ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ انکی اطاعت و پیروی میں ہیں لہذا انھوں نے اہل بیتؑ سے ہدایت پائی ہے اور انکی راہ پر گامزن ہیں۔

......یہ قرآن ہے۔ اس کتاب سے پوچھو لیکن یہ بولے گا نہیں۔ البتہ میں تمہیں اسکی طرف سے خبر دیتا ہوں کہ اسمیں آئندہ کے معلومات گذشتہ واقعات اور تمہاری بیماریوں کا علاج اور تمہارے باہمی تعلقات کی شیرازہ بندی ہے۔ (نہج البلاغہ ر خطبہ ۱۵۸)۔

تمہیں کتاب خدا پر عمل کرنا چاہیے اس لئے کہ وہ ایک مضبوط رسی، روشن و واضح نور، نفع بخش شفا، پیاس بجھانے والی سیرابی، تمسک کرنے والے کے لئے

سامان حفاظت اور وابستہ رہنے والے کیلئے نجات ہے اسمیں کجی نہیں آتی کہ اسے سیدھا کیا جائے نہ حق سے الگ ہوتا ہے کہ اس کا رخ موڑا جائے۔ کثرت سے دہرایا جانا اور (باربار) کانوں میں پڑنا اسے پرانا نہیں کرتا جو اس کے مطابق کہے وہ سچا ہے اور جو اس پر عمل کرے وہ سبقت لے جانے والا ہے۔ (نہج البلاغہ رخ ۱۵۶)۔

پیغمبرؐ نے تمہارے درمیان وہی چیزیں چھوڑی ہیں جو گذشتہ انبیاء اپنی امتوں کے درمیان چھوڑا کرتے تھے اس لئے کہ وہ لوگوں کو راہ روشن اور نشان محکم قائم کیے بغیر یوں ہی بے قید و بند انھیں نہیں چھوڑتے تھے۔ پیغمبرؐ نے تمہارے پروردگار کی کتاب تم میں چھوڑی ہے اس حالت میں کہ انھوں نے کتاب کے حلال و حرام واجبات و مستحبات، ناسخ و منسوخ، رخص و عزائم، خاص و عام، عبر و امثال، مطلق و مقید، محکم و متشابہ کو واضح طور پر بیان کر دیا۔ مجمل آیتوں کی تفسیر کر دی اسکی گتھیوں کو سلجھادیا اسمیں کچھ آیتیں وہ ہیں جن کا جاننا واجب قرار دیا گیا ہے اور کچھ وہ ہیں کہ اگر اس کے بندے ان سے واقف نہ رہیں تو مضائقہ نہیں ہے کچھ احکام ایسے ہیں جن کا واجب ہونا ثابت ہے لیکن حدیث میں اس کو منسوخ کیا گیا ہے۔ کچھ مطالب ایسے ہیں جن کا وجوب سنت میں واجب ہے اور اس پر عمل نہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اس کتاب میں بعض واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب وقت سے وابستہ ہے اور زمانہ آئندہ میں ان کا وجوب برطرف ہو جاتا ہے۔ قرآن کے محرمات میں بھی تفریق ہے کچھ کبیرہ ہیں اور کچھ صغیرہ ہیں جن کے لئے مغفرت کی توقعات پیدا کی گئی ہیں کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا تھوڑا سا حصہ بھی مقبول ہے اور زیادہ سے زیادہ اضافہ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ (نہج البلاغہ رخطبہ ۱)

دین سے لگاؤ ماضی و حال میں

ظاہر سی بات ہے کہ دین اسلام جسے پیغمبر اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لائے آخری دین و شریعت ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿ماكان محمد ابا احد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين﴾ (احزاب ر ۴۰)

محمد تم میں سے کسی شخص کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور آخری پیغمبر ہیں۔

جب حضرت محمدؐ آخری پیغمبر اور آپ کی کتاب آخری کتاب ہے تو پھر آپ کے بعد نہ کوئی پیغمبر ہے اور نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب الہی ہے۔ دین اسلام دین خالص دین ہے جس میں تمام گذشتہ دین و آئین جذب ہو گئے ہیں۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وہ ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق پر بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے اور خدا شاہد و گواہ کے عنوان سے کافی ہے۔

لہذا رسول اکرمؐ کی بعثت کے بعد سارے انسانوں پر واجب اور لازم ہے

کہ گذشتہ دینوں جیسے یہودیت، عیسائیت سے دست بردار ہو جائیں اور اسلام اختیار کرلیں۔ شریعت محمدیؐ کی رو سے خدا کی عبادت کریں کیونکہ خدا اس دین کے علاوہ کسی اور دین کو قبول نہیں کریگا۔ قرآن میں ارشاد ہے

﴿جو خدا کے دین کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کریگا اسکا دین ہر گز قبول نہیں کیا جائیگا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ (آل عمران ر ۸۵)

اس آیت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہود و نصاریٰ لاکھ دعویٰ کریں کہ ہماری شریعتیں صحیح ہیں اور ہم حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام کی پیروی کرتے ہیں لیکن انھیں دراصل رسول اکرمؐ کی پیروی کرنی ہوگی۔ کسی یہودی و عیسائی کا اپنے دین پر باقی رہنے کا دعویٰ صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت محمدؐ تمام عالم بشریت کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں اور آپؐ سارے عالم کے لئے رحمت ہیں اس بات کا یہ مطلب نہیں کہ گذشتہ آسمانی شریعتیں بالکل بے اہمیت ہیں خدا کے علم میں بات تھی کہ اسکے بندوں نے شریعتوں کو تحریف کیا اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق اسکے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر ڈالا۔ وہ گمراہ ہو گئے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ایسے میں رسول اکرمؐ کی بعثت سارے عالم کے لئے رحمت ہے تاکہ سب حق کو حاصل کریں اور جنت کے مستحق ہو جائیں۔

لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ حق سے کتراتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات و گمراہی میں گرفتار ہیں۔ خدا ایسے افراد کے بارے میں فرماتا ہے :

اہل کتاب اور مشرکوں سے جو لوگ کافر تھے جب تک ان کے پاس کھلی ہوئی دلیل نہ پہنچے وہ اپنے کفر سے باز آنے والے نہ تھے۔ خدا کی طرف سے رسول بھیجے گئے تاکہ انہیں پاک آسمانی کتابیں پڑھ کر سنائیں، اس کتاب میں پر ارج اور

درست باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ اہل کتاب پیغمبر کے بارے میں اسوقت متفرق (اختلاف سے دوچار) ہوئے جب کہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیل آچکی تھی۔ (بینہ/۴-۱)۔

کسی یہودی یا عیسائی کے لئے یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ میں محمدؐ پر ایمان رکھتا ہوں لیکن اپنے دین پر باقی ہوں جیسا کہ بہت سی عیسائی عرب ل سے میں نے سنا ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ خدا کو یہ بات ہر گز قبول نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ رسول اکرمؐ کی کامل طور سے پیروی کریں۔ اس بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

جو لوگ ہمارے پیغمبر امی کے قدم بقدم چلتے ہیں جسکی بشارت کو اپنے یہاں توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ نبی جو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور پاک چیزیں ان پر حلال اور ناپاک وگندی چیزیں ان پر حرام کر دیتا ہے اور وہ سخت احکام اور رنج ومشقت کا بوجھ جو زنجیر کی مانند ان کی گردن پر تھا ان سے ہٹا دیتا ہے پس یاد رکھو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اس کی عزت کی اور اسکی مدد کی اور اس نور (قرآن) کی پیروی کی جو اسکے ساتھ نازل ہوا ہے تو یہی لوگ اپنی دلی مرادیں پائینگے (اعراف/۱۵۷)۔

خدا کی یہ دعوت نہ صرف یہود و نصاریٰ، بلکہ ساری انسانیت کو شامل ہے اس میں کسی طرح کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

خدا ارشاد فرماتا ہے:

اے رسولؐ تم کہدو کہ لوگو! میں تم سب کے پاس اس خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں جس کے پاس سارے آسمان وزمین کی بادشاہت (حکومت) ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ کرتا ہے وہی مارڈالتا ہے پس لوگو! خدا اور اسکے رسول، نبی امی پر ایمان لاؤ جو خود بھی خدا اور اسکی باتوں پر (دل) سے ایمان رکھتا ہے اور اسی

کے قدم بقدم چلو تا کہ ہدایت پاؤ۔

قرآن صراحت کے ساتھ اعلان کر رہا ہے کہ صرف رسول اکرمؐ کی نبوت کا معتقد ہونا کافی نہیں ہے بلکہ آپکی تعلیمات پر عمل بھی ضروری ہے اور پیغمبروں کو بھیجنے کی حکمت و مصلحت بھی یہی ہے لہذا تاریخ ہمیں کہیں بھی یہ نہیں دکھاتی کہ دنیا کے کسی پیغمبر نے اپنی امت سے یہ کہا ہو کہ مجھ سے پہلے جو تمہارا دین تھا اس پر باقی رہو۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ پیغمبرانؑ خدا اپنے سے سابق پیغمبروں پر ایمان اور ان کی تصدیق کو لازم جانتے تھے تا کہ کوئی ان کی نبوت پر اعتراض اور خدشہ نہ کر سکے اور عوام جہالت کی بنا پر انہیں خدا نہ مان بیٹھیں۔ ارشاد خداوندی ہے :

پیغمبر (محمدؐ) اور مؤمنین جو کچھ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لائے، سب کے سب خدا، اسکے فرشتوں اور اسکی کتابوں اور اس کے رسولان پر ایمان لائے۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم خدا کے پیغمبروںؑ میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور کہنے لگے :اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیرا ارشاد سنا اور مان لیا پروردگار ہمیں تیری ہی مغفرت کی خواہش ہے اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (بقرہ/ ۲۸۵)۔

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام، مؤمن بندوں کے لئے خدا کا آخری تحفہ ہے۔ اور اسکے احکام و قوانین اہم اور ہر زمان و مکان سے سازگار ہیں۔ یہ قیامت تک کے لئے ہیں کیونکہ رسول اکرمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا اور نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب آنے والی ہے۔ خدا اس سلسلہ میں ارشاد فرما رہا ہے :

میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے دین کو اسلام کے عنوان سے پسند کر لیا۔ (مائدہ/ ۳)۔

آجکل مسلمانوں کا ایک طبقہ اسلام اور دینی احکام کا پابند نہیں ہے ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کو عملی طور پر لاگو نہیں کیا جا سکتا اور عوام کی کثرت اسلامی احکام کو عملی طور پر اپنانے سے قاصر ہے حتی کے بعض روشن خیالی دانشور یہ کہتے ہیں کہ زمان و مکان کے تقاضے کے مطابق اسلام میں ردوبدل ہونا چاہیے اور تمام موارد میں اجتہاد ہونا چاہیے۔

روشن خیال اور تمدن مآب حضرات ممکن ہے بہت سے جوانوں کی گمراہی کا سبب بن جائیں کیونکہ یہ حضرات اسلام دوستی کا بہت زیادہ دکھاوا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ سب سے زیادہ انہیں اسلامی احکام کو لاگو کرنے کی فکر ہے۔ وہ مسلمانوں کی پسماندگی کی وجہ یہی بتاتے ہیں کہ پندرہ صدیوں سے ان کے دین میں کوئی ترقی نہیں ہوئی آج زمانہ کتنا بدل چکا ہے جب دین آیا تھا تو آمد و رفت اور ٹرانسپورٹیشن کے ذرائع حیوانات ہوا کرتے تھے اور آج کا زمانہ راکٹوں کا زمانہ ہے جنکی رفتار آواز کی رفتار سے بھی زیادہ ہے۔ آج کا زمانہ ٹیلیفون، فیکس اور کمپیوٹر کا زمانہ ہے آج چند سکینڈ میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ لہذا ہم قرآن کو اسی سطحی انداز سے نہیں لے سکتے۔ مثلاً آج کل چور کا ہاتھ کاٹنا یا قاتل کا سر تلوار سے اڑانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور اس سلسلہ میں یہ لوگ عجیب و غریب فلسفہ پیش کرتے ہیں۔

میں بھول نہیں سکتا کہ ایک روز یونیورسٹی کے ایک استاد جو روشن خیال بھی تھے سے گفتگو ہوئی۔ گفتگو کے درمیان ہم نے ان سے کہا: آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

علیؑ کے جیسا جواں مرد اور ذوالفقار کے جیسی تلوار نہیں ہے (مناقب خوارزمی ۱۰۱)۔

وہ مجھ پر بہت ہنسے اور کہنے لگے ڈاکٹر! اس طرح کی باتیں پھر نہ کہنا! یہ کلام رسولؐ کے زمانہ میں بامعنی تھا۔ جب دشمن پر غالب آنے میں تلوار کا اہم کردار ہوا کرتا تھا اور یہ واحد ہتھیار تھا کہ جس پر بہادر رجز، شعر اور قصیدہ کہتے تھے۔

لیکن آج ہم مشین گن کے زمانہ میں ہیں جس سے ایک سیکنڈ میں ۷۰ گولیاں نکلتی ہیں۔ آج جیٹ لڑاکو جہازوں کا زمانہ ہے جو چند سیکنڈوں میں ایک بڑے شہر کو نابود کر دیتے ہیں۔ بلکہ ہم ایٹم بم اور جدید ہتھیاروں کے زمانہ میں ہیں جو چند لمحوں میں ایک براعظم کو پوری طرح نابود کر سکتے ہیں۔ اور آپ ان سب سے بے خبر ہیں اور ابھی علی بن ابیطالبؑ کی شجاعت و کی تعریف کر رہے ہیں۔

ہم نے کہا: ہاں! البتہ جو باتیں آپ نے کہی ہیں یہ انکی مخالف بھی نہیں ہے اور ہر جگہ کیلئے ایک بات موجود ہے۔ کیا آپ نے خداوند عالم کا وہ کلام نہیں دیکھا جہاں پر اس نے مقابلہ کرنے والے اسلحوں کا جدا جدا تذکرہ کرنے کے بجائے سبھی کو ایک کلمہ میں بیان فرمایا ہے:

﴿و اعدوا لهم ما استطعتم من قوة﴾ (انفال/۶۰)۔

اور ان سے (مقابلہ) کیلئے جس قدر بھی قوت اکٹھا کر سکتے ہو کرو۔

ہر شخص اپنے زمانہ کی زبان میں مصدر قوت کی تعریف کرتا ہے۔ بھلے ہی سب کیلئے ایک ہی معنی ہاتھ آئے یعنی اسلحہ۔ چنانچہ پروردگار عالم فرماتا ہے:

ہم نے لوہے کو پیدا کیا جسمیں سختی، جنگ (میں کام آنے کی صلاحیت) اور لوگوں کیلئے فوائد ہیں۔ (حدید/۲۵)۔

لذا تمام اسلحے چاہے وہ ابتدائی ہوں جیسے و نیزہ یا جدید ہوں جیسے بم،

مشین گن، ٹینک...... ان سبھی کو کلمہ ﴿باس شدید﴾ اپنے اندر شامل کر لیتا ہے اور دوسری طرف تمام راحت و آرام کے وسائل مثلاً گاڑیاں، ہوائی جہاز، کشتی، ٹیلی ویژن وغیرہ کو ﴿منافع للناس﴾ اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ کتنا پاکیزہ ہے وہ پروردگار جس نے لوہے کو خلق کیا اور اسے لوگوں کے حوالہ کیا اور جو باتیں وہ نہیں جانتے تھے تعلیم فرمائیں۔

اس طرح قرآن تک سبھی کی دسترس ہے اور ہر نسل اپنی زبان میں اسے سمجھتی اور محسوس کرتی ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ قرآن کو سطحی اور ظاہری طور نہیں دیکھا جاسکتا۔ اور چور کے ہاتھ کاٹنا یا قاتل کا سر قلم کرنا۔ ان سے اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ احکام الٰہی میں بشری تقاضوں کے تحت تبدیلی ہونی چاہیے اور آپ کے خیال میں یہ احکام بندگان خدا کیلئے مناسب نہیں ہیں اور مہربانی و نرمی سے دور ہیں تو اس کلام کو قبول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ یہ سو فی صدی کفر ہے۔

لیکن اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ترقی کرنی چاہیے اور مجرموں کو سزا دینے اور پھانسی دینے کے وسائل کو جدید بنانا چاہیے تو یہ بحث کا مقام ہے کیونکہ یہ چیزیں امور ثانوی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور اسلامی شریعت نے اس پر سختی نہیں کی ہے گرچہ قصاص میں حدود الٰہی کے اجرا کے سلسلہ میں سختی کی ہے۔ اور خداوند عالم نے فرمایا ہے:

> اے مؤمنین! تم پر قصاص واجب کیا گیا ہے۔ اے عقل رکھنے والو! قصاص میں زندگی ہے۔ تاکہ تم تقویٰ کو اپنا شعار بنالو۔ (بقرہ/۱۷۹-۱۷۸)۔

اب یہ کہ چور کا ہاتھ سے یا چاپڑ سے یا پھر کسی جدید وسیلہ سے کاٹنا چاہیے اسکی بازگشت حاکم شرع یا مرجع تقلید کی طرف ہے کہ وہ اجتہاد کرے اور

اپنا نظریہ دے۔

استاد محترم! اہم یہ ہے کہ الٰہی احکام کو یورپی حکومتوں کے ہاتھوں وضع کئے گئے احکام کے ساتھ تبدیل نہ کریں۔ اور کیا خود یورپیوں نے مجرم کیلئے پھانسی کی سزا کو ختم نہیں کر دیا ہے چاہے اس کا جرم کتنا بڑا کیوں نہ ہو؟ اس کام کے ذریعہ حکم خدا کو ترک کرتے ہوئے قصاص کو ختم کر دیا ہے۔ اور اگر ایسا ہوا تو امن و امان کا زندگی سے خاتمہ ہو جائیگا۔ مجرم فساد و تباہی پھیلائیں گے اور انسانوں کو نابود کر ڈالیں گے اور زندگی ایک ایسے جہنم میں تبدیل ہو جائیگی کہ اسمیں کوئی خیر نہ ہوگا۔

استاد کہنے لگے: شر کا علاج شر سے نہیں کیا جا سکتا اور اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے موت کی سزا پانے والے بے گناہ تھے۔

میں نے کہا: معذرت چاہتا ہوں آپ کی باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ خود کو پروردگار عالم سے زیادہ عقل و فہم رکھنے والا سمجھتے ہیں۔ اور یہ بات غلط ہے۔ اور یہ کہ اکثر موت کی سزا پانے والے بے گناہ تھے یہ ایک دوسری بات ہے۔ البتہ یہ بات سمجھنا چاہیے کہ اسلام صرف تہمت یا الزام کی بنیاد پر سزا نہیں دیتا بلکہ سزا کیلئے اقرار، اعتراف، گواہ و شاہد وغیرہ ضروری ہے۔

بہر حال ہماری یہ گفتگو کسی نتیجہ پر نہ پہنچی اس لئے کہ ہر ایک اپنی بات پر جما ہوا تھا۔

کتنا بہتر ہو گا کہ ہم اپنی گفتگو آنحضرتؐ کے متعلق حضرت امیر المؤمنینؑ کے کلام سے تمام کر دیں آپ فرماتے ہیں:

اللہ نے اپنے رسول کو چمکتے ہوئے نور روشن دلیل کھلی ہوئی راہ شریعت اور ہدایت دینے والی کتاب کے ساتھ بھیجا ان کا قوم و قبیلہ بہترین قوم و قبیلہ اور

شجرہ بہترین شجرہ ہے جسکی شاخیں سیدھی اور پھل جھکے ہوئے ہیں ان کا مولد مکہ اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے جہاں سے آپ کے نام کا بول بالا ہوا اور آپ کا آوازہ (چارسو) پھیلا۔ اللہ نے آپ کو مکمل دلیل شفا بخش نصیحت اور (پہلی جہالتوں کی) تلافی کرنے والا پیغام دیکر بھیجا اور ان کے ذریعہ سے (شریعت کی) نامعلوم راہیں آشکار کیں۔ اور غلط سلط بدعتوں کا قلع قمع کیا (قرآن وسنت میں) بیان کیئے ہوئے احکام واضح کیئے تو اب جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے تو اس کی بد بختی مسلم اس کا شیرازہ درہم برہم اور اس کا منہ کے بل گرنا سخت و (ناگزیر) اور انجام طویل حزن اور مہلک عذاب ہے۔ (نہج البلاغہ / عربی ۱۶۱۔ اردو ۱۶۰)۔

ٹھیک یہی قرآن کریم کی عبارت ہے جو فرماتا ہے :

جو بھی اپنے لئے اسلام کے علاوہ اور کوئی دین اختیار کرے تو اس سے ہر گز قبول نہ کیا جائیگا اور وہ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوگا...... (آل عمران / ۸۵)

میرے خیال میں اس بیان کے بعد اب اس بات کی جگہ نہیں رہتی کہ وہ چاپلوسی کرتے ہوئے اپنے یہودی و مسیحی دوستوں سے کہیں کہ چونکہ ہم سبھی ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے ہم بھی حق پر ہیں اس لئے کہ جس خدا نے موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو مبعوث فرمایا اسی خدا نے محمدؐ کو بھی مبعوث فرمایا اور اگر ہم پیغمبروں کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں تو کیا ہوا۔ جس خدا نے انکو مبعوث فرمایا اسمیں تو اختلاف نہیں رکھتے! جبکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے :

(اے رسول) تم ان سے پوچھو کہ کیا تم ہم سے خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ (وہی) ہمارا بھی پروردگار ہے اور (وہی) تمہارا بھی پروردگار ہے۔ ہم اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں اور تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو۔ اور ہم تو نرے کھرے

اسی کے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق اور یعقوب سب کے سب یہودی یا نصرانی تھے (اے رسول) ان سے پوچھو تو کہ تم زیادہ واقف ہو یا خدا اور اس سے بڑھکر ظالم کون ہو گا جس کے پاس خدا کی طرف سے گواہی موجود ہو (کہ وہ یہودی نہ تھے) اور پھر وہ چھپائے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے بے خبر نہیں ہے۔ (بقرہ/۱۴۰۔۱۳۹)۔

کیا اسلام پر عمل مشکل ہے؟

یہ وہ دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی بنیاد نہیں اور جو بھی اس طرح کا دعویٰ کرے وہ یا تو جاہل اور بیوقوف ہے یا اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہے یا پھر اسلام کا دشمن ہے۔ اور لوگوں کو اس سے متنفر کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کوشش میں ہے کہ لوگ اپنے دینی احکام سے دست بردار ہو جائیں۔

یا آخری صورت یہ ہے کہ وہ غلو کرنے والا دقیانوس ہے جو ضدی فقہا کے علاوہ اور کسی کے نظریہ کو قبول نہیں کرتا جنھوں نے لوگوں پر خدا کی پرستش کو حرام کر ڈالا اور خود کو لوگوں کیلئے خدا کا جانشین مقرر کر دیا ہے۔ لذا یہ اپنی عقل یا اپنی مخصوص روایتوں کے تحت حلال و حرام کرتے ہیں اور فتویٰ دیتے ہیں!

اس کے متعلق جو جملہ سب سے پہلے کہنا چاہیے آنحضرتؐ کا کلام ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

آسانی پیدا کرو اور لوگوں پر سختی نہ کرو۔ بشارت دو اور لوگوں کو متنفر نہ کرو(۱۴)۔

خود پر بھی سختی نہ کرو تاکہ خداوند عالم تم پر سختی نہ کرے۔ جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا(۱۵)۔

اور اکثر اپنے اصحاب کے درمیان فرماتے تھے :

میں نہ تمہارے لئے بد بختی اور بیچارگی چاہتا ہوں اور نہ ہی ذلت و رسوائی۔ بلکہ مجھے تو خدا نے آسانی چاہنے والے معلم کی صورت میں مبعوث فرمایا ہے(۱۶)۔

اور یہ مشہور ہے کہ آنحضرتؐ جب دو باتوں کے درمیان مخیّر ہوتے تو سب سے آسان کو اختیار فرماتے تھے۔

اور اسی طرح جیسا کہ بعض خیال کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ شارع نہیں تھے(۱۷)۔ آنحضرتؐ کی امر و نہی سوائے پروردگار عالم کی تبلیغ کے اور کچھ نہیں تھی۔ آنحضرتؐ جو کچھ پروردگار عالم کا حکم ہوتا اسے بغیر کسی کمی یا زیادتی کے لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ اور جو کچھ کہتے سوائے وحی الٰہی کے کچھ اور نہ ہوتا۔ اس لئے کہ وہ اپنی خواہش نفس کی بنیاد پر گفتگو نہ کرتے تھے بلکہ سب وحی ہوتی تھی۔

﴿و ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ﴾ (نجم ر ۴۔ ۳)

اب ہم قرآن سے استفتا کرتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ کیا اسلام مشکل و دشوار ہے ؟ قرآن کے شروع کے مطالعہ میں ہی ہم اس حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہ مشقت و تکلیف کو اپنے بندوں سے ختم کرتا ہے اور ان کیلئے ہرگز حرج و مرج نہیں چاہتا۔ وہ فرماتا ہے :

خدا نے تمکو منتخب کیا اور تمہارے لئے دین میں کسی قسم کی مشقت و تکلیف کو

قرار نہیں دیا۔(حج/۷۸)۔

اور دوسری جگہ فرماتا ہے :

خدا تو تمہارے لئے ہرگز سختی و مشکل نہیں چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں (آلودگیوں سے) پاک رکھے اور تم پر اپنی نعمت (دین اسلام) کو تمام کرے تاکہ تم شکر گذار رہو (مائدہ/۶)۔

اور ایک مقام پر فرماتا ہے :

خداوند عالم تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے نہ کہ مشکل و سختی (بقرہ/۸۵)۔

یہ آیات امت اسلامی سے مربوط ہیں جنھوں نے دین اسلام کو قبول کیا ہے اور عبادات و معاملات میں اس کے احکام و قوانین کو اختیار کیا ہے لیکن پروردگار کی رحمت سبھی کے شامل حال ہے چاہے وہ کسی بھی دین و آئین کا پیرو ہو وہ سبھی پر مہربان ہے اور اس نے کبھی بھی کسی کو مشقت میں نہیں رکھا۔

خداوند عالم انسان کی خلقت کے متعلق فرماتا ہے :

اس نے اسے نطفہ سے خلق کیا پھر راہ کو اسپر آسان کردیا (عبس/۱۹)۔

لہٰذا الٰہی راہ جسے انسان اپنی زندگی میں کوشش کے ساتھ طے کرتا ہے تا کہ اسکی طرف پلٹ سکے بہت ہی آسان راہ ہے اسمیں ذرا بھی مشقت و دشواری نہیں ہے۔

خداوند عالم نے اپنی کتاب میں پانچ مرتبہ انسان کو آسان باتوں کیلئے مکلّف کیا ہے اور فرمایا ہے :

۱۔ خدلوند عالم نے کسی کو بھی اسکی توانائی سے زیادہ حکم نہیں دیا ہے

(بقرہ/۲۸۶)۔

۲۔ کسی کو بھی اسکی قوت سے زیادہ مکلّف نہیں کیا ہے (انعام/۱۵۲)۔

۳۔ لور جو لوگ ایمان لائے لور اپنی توانائی کے مطابق نیک عمل انجام دیا۔ بے شک ہم کسی کو بھی اسکی قدرت سے زیادہ مکلّف نہیں کرتے (اعراف/۴۲)۔

۴۔ لور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھکر تکلیف دیتے ہی نہیں لور ہمارے پاس تو لوگوں کے (اعمال کی) کتاب موجود ہے جو بالکل ٹھیک (حال) بتاتی ہے لور لوگوں کی ذرہ برابر حق تلفی نہیں کی جائیگی۔

ان آیات شریفہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خداوند عالم نے کسی بھی شخص کو اسکی توانائی سے بڑھکر تکلیف نہیں دی ہے اور یہ حضرت آدمؑ کے زمانہ سے لیکر ابھی تک رہا ہے۔

اب اگر دین میں مشقت پیدا ہو گئی ہے تو یہ لوگوں کے اجتہاد کا نتیجہ ہے جنھوں نے شریعت کے اعلیٰ مقاصد کو اپنی فہم کے مطابق تاویل کیا ہے یا پھر بعض بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے تھے پھر اپنے کو مشقتوں میں مبتلا کرتے تھے اور تکلیف دیتے تھے تاکہ شاید خداوند عالم انھیں بخش دے اور انکی مغفرت فرمائے۔ لہٰذا انھوں نے کچھ باتیں ایجاد کیں اور اپنے نفس پر سختی کی۔ خداوند عالم نے بھی انکے لئے ان امور کو لازم وضروری قرار دیا گرچہ آخرکار انھوں نے اسے پورا نہ کیا۔

اس کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے:

اور رہبانیت (لذات سے کنارہ کشی) کی ان لوگوں نے خود ایک نئی بات نکالی تھی ہم نے انکو اس کا حکم نہیں دیا تھا مگر (ان لوگوں نے) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے (خود ایجاد کرلیا) تو اسکو بھی جیسا نباہنا چاہیے تھا نہ نباہ سکے (حدید/۲۷)۔

یہی وہ مقام ہے جہاں رسول خداؐ کا کلام نظر آتا ہے کہ:

اپنے آپ پر سختی نہ کرو تاکہ خدا بھی تم پر سختی نہ کرے جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا(۱۸)۔

اس منطق کو پیش نظر رکھنے کے بعد خداوند عالم کا کلام بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جسے اس نے رسول اکرمؐ کے متعلق فرمایا ہے:

(وہ نبیؐ) جو انھیں اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور جو پاک و پاکیزہ چیزیں ان پر حلال اور ناپاک و گندی چیزیں ان پر حرام کر دیتا ہے اور وہ (سخت احکام کا) بوجھ جو ان کی گردنوں پر تھا اور وہ پھندے جو ان پر (پڑے ہوئے) تھے ان سے ہٹا دیتا ہے (اعراف/۱۵۷)۔

لذا انھوں نے خود یہ قید و بند اپنے لئے تیار کر رکھی تھی۔ خدا نے ایسا نہ کیا تھا۔

اس بحث سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ دین اسلام میں کسی قسم کی مشقت، سختی، مشکل اور قید و بند نہیں ہے بلکہ یہ ایک سہل اور آسان دین ہے جو بندوں کیلئے سوائے رحمت و مہربانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا دین ہے جس نے

ہمیشہ انسانوں کی جسمی وروحی کمزوری کا پاس رکھا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے :
خدلوند عالم تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے بے شک انسان کمزور خلق ہوا ہے (نساء/۲۸)۔
لور تم پر یہ تمہارے پروردگار کی رحمت تخفیف کی وجہ سے ہے (بقرہ/۱۷۸)۔

اس طرح آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ اہل بیتؑ کی شناخت کے مطابق اور عام مجتہدوں کے اجتہاد اور مشکل پرستوں کی مشقت سے قطع نظر اسلام کیسا سہل و آسان دین ہے کہ آج کا انسان بھی دیگر زمانوں کے انسانوں کی طرح بغیر کسی سختی اور مشکل کے اسلام کو اپنی دنیاو آخرت کیلئے منتخب کر سکتا ہے۔

کیا اسلام ترقی کو قبول کرتا ہے؟

بے شک ! اسلام نہ صرف ترقی کا مخالف نہیں ہے بلکہ خود عین ترقی و تمدن ہے۔

اسلام وہ بلند معنی و مفہوم ہے جسے انسان نے بشریت کے آغاز سے ہی پا لیا ہے۔ قرآن کریم میں بہت سی آیات موجود ہیں جو علم اور حصول علم کا شوق دلاتی ہیں۔ اور انسان سے چاہتی ہیں زندگی کے اعلی مراحل تک پہنچنے کیلئے عقل و خرد سے کام لے چاہے اسے خلاء میں کیوں نہ پہنچنا ہو۔

خداوند عالم فرماتا ہے :

اے گروہ جن وانس اگر تم آسمان و زمین کی حدود سے آگے جا سکتے ہو تو جاؤ(رحمٰن ر ۳۳)(۱۹)۔

خداوند عالم نے ایک دوسری آیت میں انسان کو تمام مخلوقات پر برتر قرار دیا ہے اور اسے بتایا ہے کہ تمام کائنات اور مخلوقات اسکی خدمت میں ہیں۔

فرماتا ہے :

خدا تو وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کردیا تا کہ اس کے حکم سے

اسمیں کشتیاں چلیں اور اس کے فضل (و کرم) سے (معاش کی) تلاش کرو اور شکر کرو اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگادیا ہے جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اسمیں (قدرت خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں (جاثیہ / ۱۲۔ ۱۳)۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:

کیا تم لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (غرض سب کچھ) خدا ہی نے انھیں تمہارا تابع کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو (خواہ مخواہ) خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں (حالانکہ نہ ان کے پاس علم ہے نہ ہدایت سے اور نہ کوئی روشن کتاب ہے) (لقمان / ۲۰)۔

وہ مسلمان جو اپنے خدا کی کتاب میں یہ پڑھتا ہے کہ جو کچھ آسمان میں افلاک، چاند، سورج، برج، کہکشانیں، ستارے، ہوا، بادل، برف و باران کا وجود ہے اور زمین پر دریا، نہریں، پہاڑ، بیابان، جنگلات، درندے، حیوانات، خزانے، معادن، پتھر، جمادات و نباتات وغیرہ ہیں سبھی کچھ اس کیلئے مسخر کر دیئے گئے ہیں تو پھر وہ کیسے ہاتھ پر ہاتھ دھرے اہل مغرب کی ایجاد و پیشرفت کا منتظر رہتا ہے۔ اگر ایسا کرتا ہے تو اس نے اپنے فریضہ کو ترک کر دیا ہے اور اپنی وقعت کو گرادیا ہے اور اسے زبردست گھاٹا ہوا ہے اس لئے کہ جو قرآن خدا کی جانب سے نازل ہوا ہے اسمیں ساری چیزیں موجود ہیں اور کسی قسم کی کمی و نقص اس میں نظر نہیں آتا۔

قرآن فرماتا ہے:

ہم نے کتاب میں کوئی بات فروگذاشت نہیں کی ہے (انعام / ۳۸) (۲۰)۔

رسول خدا نے بھی (انسان) کو علم و دانش کے حاصل کرنے کیلئے تشویق دلائی ہے اور فرمایا ہے :

گھوارہ سے قبر تک علم حاصل کرو۔

صرف یہی نہیں بلکہ اسے سب سے بلند مقام کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں :

اگر انسان عرش سے آگے کا حوصلہ بھی رکھے تو وہاں بھی پہنچ سکتا ہے۔

لہٰذا اسلام علم و دانش اور ترقی کے میدان میں بہت آگے گیا ہے اور اسمیں کسی قسم کی رکاوٹ کا قائل نہیں ہے۔ البتہ اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ کہیں بات طولانی نہ ہو جائے اور کتاب کے اصل مقصد سے خارج نہ ہو جائیں تو اس موضوع پر ایک مفصل بحث کرتا۔ محققوں کی ذمہ داری ہے کہ اس موضوع پر دوسری تحقیقی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

یہ مطالب اس سوال کا جواب تھے جسے شروع میں ہی عرض کیا تھا۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب ترقی سے مراد فقط علمی، فقہی، تکنیکی اور صنعتی ترقی ہو جس نے یورپیوں، امریکیوں اور خصوصاً جاپانیوں کی عقلوں اور انکے گھروں کو چکا چوند کر رکھا ہے اور مسلمان اس سے بے خبر ہیں ان کے خیال میں یہ ساری قابل توجہ ایجادات اور علمی ترقی غیر مسلموں کے ہاتھوں ہوئی ہے اور اسلام انکی پسماندگی کا باعث ہے !!! خصوصاً بعض کمونیزم پرست جو دین کو قوم کیلئے افیون سمجھتے ہیں اگر ان کے پاس انصاف ہوتا تو یہ سمجھ لیتے کہ دین اسلام نے ہی قوموں کو زندہ کیا ہے اور انسانی ترقی کو دائمی رفتار بخشی ہے۔ کیا یہی اسلام نہ تھا جس نے ایک ناچیز قوم کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ تھا اسے جزیرۃ العرب میں ہر

چیز کا مالک بنا دیا۔ اور اس درجہ کہ یہی پسماندہ سرزمین ساری دنیا کیلئے علم، ترقی، پیشرفت اور مدنیت کا مقصد و مرکز بن گئی۔ اور بعض یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ (اسلام و عرب کا سورج یورپ پر چمکنے لگا) اور یہ اقرار کیا کہ ان بادیہ نشین عربوں نے اسلام سے متمسک ہونے کے بعد بھلائی کے ہر میدان میں ترقی کر لی اور ہر طرح کے ایجاد و اکتشاف میں پیش قدم ہو گئے (۲۱)۔

اگر ترقی سے مراد وہ ترقی ہے جسے اہل مغرب و امریکہ نے اپنے یہاں کھلی آزادی کا لباس پہنا رکھا ہے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہم جنس بازی اور برہنہ رہنے والوں کیلئے کلب کھول دیئے گئے ہیں اور جانوروں اور کتوں کیلئے میراث معین کر دی گئی ہے۔ ہر روز مائیکرو ثوب اور مینی روپ میں نئی چیز وجود میں آرہی ہے۔ اور وہ تمام اخلاقی برائیاں جسکی مغربی ٹیلی وژن سے تبلیغ ہوتی ہے تو بلاشبہ اسلام نے ایسی باتوں کو اپنے یہاں کوئی جگہ نہیں دی ہے اور نہ صرف یہی بلکہ پوری طاقت کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا ہے اور فساد و تباہی کے تمام مراکز کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

یہاں ضروری ہے کہ کچھ مسلمانوں کی بعض عجیب و غریب روش کی طرف بھی اشارہ کریں۔ جو رسول خدا کی سنت سے تمسک کے مدعی ہیں اور خود کو (سلفی) کہتے ہیں مثلاً ہم ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ایک لمبا کرتا یا اٹنگا عربی پیرہن پہنے ہوئے ہیں۔ داڑھی سینے تک لہرا رہی ہے۔ ہاتھ میں ایک عصا ہے، مسجد کے کنارہ کھڑے ہیں۔ اور (اراک) لکڑی سے مسواک کر رہے ہیں اور کبھی دائیں طرف کے دانت اور کبھی بائیں سمت کے دانت رگڑے جا رہے ہیں۔ کبھی

اس سے نکلتی رطوبت کو تھوک دیتے ہیں تو کبھی نگل جاتے ہیں! اپنے سر کو باندھ رکھا ہے اور اگر کبھی انھیں اپنے گھر کھانے کی میز پر دعوت دیں تو مخالفت کریں گے۔ حتی چمچہ اور کانٹے سے کھانا کھانے کو تیار نہیں ہوں گے بلکہ ہاتھ سے نوش فرمائیں گے۔ انگلیوں کو برابر چاٹتے رہیں گے اور فرمائیں گے: میں رسول خداؐ کی سیرت پر عمل کرنا چاہتا ہوں!!!

اور بعض تو دو چار قدم اور آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے لاؤڈا سپیکر سے اذان ممنوع کردی ہے۔ اس لئے کہ یہ رسولؐ کے زمانہ میں نہ تھا اور یہ بدعت ہے!!

اور بعض نے تو پسماندگی کو اس کے اوج پر پہنچادیا ہے اور سو ہیں کہ لوگوں کو ان باتوں کی جانب واپس لائیں لذا جو بھی تیز آواز میں ہنستا ہے منع کرتے ہیں، فوراً اس پر بگڑ پڑتے ہیں اور ڈانٹ شروع کردیتے ہیں اور ہنسنے سے منع کرتے ہیں اس لئے کہ آنحضرتؐ فقط مسکرتے تھے۔ اور اگر انھوں نے کسی کو پیٹ کے بل لیٹا ہوا دیکھ لیا تو زور سے لات ماتے ہیں اور نیند سے اٹھادیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے شیطان سوتا ہے۔

میں نے انمیں سے ایک کو دیکھا کہ اپنی چھوٹی بچی کی پٹائی کررہا ہے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ اس کم سن بچی نے میہمانوں کو داہنے ہاتھ کے بجائے بائیں ہاتھ سے شربت پیش کردیا تھا۔ اتنے مہمانوں کے سامنے اس بچی کی اہانت اور پٹائی کر کے انکو یہ سمجھارہے ہیں سنت کی حفاظت کرنی چاہیے!!!

آخر یہ کیسی سنت ہے جس سے لوگ متنفر اور بددل ہوجائیں خصوصاً اس

وقت جب اسلام اس شکل میں دشمنوں اور غریبوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

بلا شبہ یہ لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے اور اسلام کا منور چہرہ پیش کرنے اور اپنی طرف جذب کرنے کے بجائے ایسی ہی بری و نازیبا حرکتوں سے متنفر کردیتے ہیں کہ جن پر پھر کسی تبلیغ کا اثر نہیں ہو سکتا۔

انکو یہ نہیں معلوم کہ رسول خداؐ نے اگر ان دنوں (اراک) کی شاخ کو مسواک کے بطور استعمال کیا اور اسے دانتوں کی صفائی و پاکیزگی کیلئے کام میں لائے تو یہ اس لئے تھا کہ اس زمانہ میں آج کی طرح مختلف قسم کے برش اور ٹوتھ پیسٹ نہیں تھے اور یہ آنحضرتؐ کی ترقی پسندی کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ نے اس زمانہ میں دانتوں کی صفائی اور پاکیزگی پر اس درجہ توجہ دی۔ اور لوگوں کو اسکی ترغیب دلائی۔ لیکن یہ ان باتوں سے قانع نہیں ہوتے اور استدلال پیش کرتے ہیں کہ (اراک) کی شاخ سارے برش اور ٹوتھ پیسٹ سے بہتر ہے اسمیں مخصوص نمک ہے وغیرہ وغیرہ...... اگر آپ ان سے اس ترقی کے متعلق بتائیں کہ یہ ٹوتھ پیسٹ دانت اور منہ کو اسٹرلائیز کردیتا ہے، صاف کرنے والا اور بہت ہی مفید ہے تو بھی وہ اس لکڑی کو بہتر سمجھیں گے۔ اور اسکو غیر طبیعی ڈھنگ سے جیب میں رکھیں گے بلکہ کبھی کبھی تو آپ دیکھیں گے منہ کے خون کی وجہ سے اس کا رنگ لال ہو گیا ہے! مگر پھر بھی وہ رسول خداؐ کا قول دہراتے ملیں گے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

اگر مجھے اپنی امت کیلئے سختی کا خیال نہ ہوتا تو میں اپنی امت پر ہر واجب

نماز سے پہلے مسواک کرنا واجب قرار دیدیتا۔

افسوس کہ یہ لوگ سنت پیغمبرؐ کے متعلق سوائے سطحی اور ظاہری مسائل کے اور کچھ نہیں جانتے اور آنحضرتؐ کے قول کے روحی اور علمی گوشوں سے بالکل بے خبر ہیں۔

بہر حال یہ اندھی تقلید کی طرح ان باتوں اور حرکتوں کو اپنائے ہوئے ہیں یہ نہ ہی فہم وادراک کی بنیاد پر ہے اور نہ ہی غور و تحقیق سے اس کا کوئی ربط ہے فقط جو باتیں اپنے پیشواؤں اور اماموں سے سن لی ہیں اسی کی تکرار کرتے رہتے ہیں اسمیں بہت سے تو سطحی معلومات رکھتے ہیں اور شاید صد فی صد جاہل ہوں۔ لیکن اگر ان پر اعتراض کیجئے تو کہیں گے کہ رسولؐ نے بھی علم حاصل نہ کیا تھا!!!

پس ایسے افراد پر تو اس زمانہ میں فخر و مباہات کرنی چاہیے قول میں بھی اور شکل و انداز میں بھی آنحضرتؐ کے پیرو ہیں!!!

ایک مرتبہ مسجد عمر بن خطاب (پیرس میں) میں نے ان سے بحث کی اور کہا: کیا آپ واقعاً سنت پیغمبرؐ سے متمسک ہیں اور جو بھی نیا ہے اسے بدعت سمجھتے ہیں اور معتقد ہیں کہ جو چیز نئی ہیں وہی سب سے بدتر ہیں۔ اس لئے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت و گمراہی کا انجام دوزخ ہے؟

انھوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ تو میں نے کہا پھر آپ کارپٹ پر کیوں نماز پڑھتے ہیں؟

جبکہ یہ مصنوعی اور جدید طرز پر بنا ہوا فرش ہے یہ مغربی ممالک میں بنا ہے معلوم نہیں اسے کس مواد سے بنایا گیا ہے؟ جو چیز قطعی ہے وہ یہ کہ آنحضرت نے ہرگز کارپٹ کے اوپر نماز ادا نہیں فرمائی۔ اور اصلاً اسے انھوں نے دیکھا تک نہیں!!

انہیں سے بعض کہنے لگے ہم مغربی ملکوں میں رہتے ہیں ہمارا حکم (مضطر) مجبور کا ہے لذا فقہ میں یہ بات آئی ہے کہ ضرورت حرام چیزوں کو جائز کر دیتی ہے۔

میں نے کہا یہ کون سی ضرورت ہے آپ اس فرش کو اٹھا دیں اور زمین پر نماز پڑھیں کیوں کہ آنحضرتؐ نے زمین پر نماز ادا کی ہے یا پھر کم از کم سجدہ کی جگہ پر پتھر رکھ لیں؟

امام جماعت نے مذاق اڑانے کے انداز میں ہماری طرف رخ کیا اور کہا: تم جیسے ہی مسجد میں داخل ہوئے میں سمجھ گیا کہ تم شیعہ ہو۔ کیونکہ تم نے مسجد کی جگہ پر کاغذ رکھا تھا ہم نے کہا: اسمیں کوئی حرج ہے؟ کیا آپ جس صحیح سنت کا نعرہ لگاتے ہیں اس سے ہمیں مطمئن کر سکتے ہیں؟

اس نے کہا: مجھے بحث کرنے کو وہ بھی خاص کر شیعوں سے منع کیا گیا ہے۔ اور نہ ہم تمہاری ایک بھی بات سننے کو تیار ہیں۔ ہمارے لئے ہمارا دین اور تمہارے لئے تمہارا دین کافی ہے۔

یہ وہ سرگذشت تھی جس کا تذکرہ مناسب معلوم ہوا اور اس سے مسلمان وروشن فکر حضرات کو اندازہ ہوگا کہ سنت پیغمبر کبھی بھی علمی ترقی اور ٹیکنالوجی کی مخالف نہیں رہی ہے اور اسے ہرگز حرام قرار نہیں دیا ہے۔

مرد ہو یا عورت اس پر ہرگز مناسب لباس پہننا حرام قرار نہیں دیا گیا بس یہ ضروری ہے کہ بدن ڈھکنا چاہیے اور توہین کا باعث نہ ہونا چاہیے۔ اور عورتوں کو پردہ کی رعایت کرنی چاہیے۔ چونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

پروردگار عالم تمہارے لباس، حالت، شکل وصورت لور تمہارے اموال کو

نہیں دیکھتابلکہ وہ صرف تمہارادلوں اوراعمال کو دیکھتا ہے(صحیح مسلم ج۴/ص ۱۹۸۷/ح ۲۵۶۴)

چنانچہ سنت پیغمبرؐ ہرگز ڈائننگ ٹیبل اور چمچہ، کانٹے کی مخالف نہیں ہے بلکہ اہم یہ ہے کہ انسان کھانے پینے میں ادب کا پاس رکھے اس طرح کہ ساتھ بیٹھنے والے یہ خیال نہ کریں کہ حیوانوں کی طرح شکار پر ٹوٹا پڑرہا ہے اور کھانے پینے میں اس کے داڑھی اوربال شریک نہ ہوں۔

سنت پیغمبرؐ ٹوتھ پیسٹ اور برش سے دانت منہ کی صفائی کی مخالف نہیں ہے اور نہ ہی اس بات کی مخالف ہے کہ انسان اپنے بدن کو پاک صاف رکھے بدن کے زائد بالوں کو دور کرے خوشبو لگائے اور خود کو معطر کرے تاکہ لوگ اس سے متنفر نہ ہوں۔ جیب میں ایک صاف رومال رکھے۔ لیکن وہ لوگ جو سنت کی پیروی کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے بدن کی بدبو خصوصاً گرمی میں حمام نہ جانے کی حکایت کرتی ہے۔راہ چلتے ہوئے ہاتھ کو آب دہان سے آلودہ کرتے ہیں ۔ناک کی کثافت لوگوں کا خیال کئے بغیر جہاں چاہتے ہیں چھنک دیتے ہیں ہاتھ کو دامن سے صاف کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ......خدا کی قسم سنت پیغمبرؐ سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

سنت پیغمبرؐ ہرگز ممانعت نہیں کرتی کہ مسلمانوں تک اذان کی آواز پہنچانے کیلئے لاؤڈ اسپیکر مائیکروفون، ٹیپ ریکارڈر کا استعمال نہ کیا جائے حتی اس بات کی بھی ممانعت نہیں کرتی کہ مسجد میں ویڈیو کا استعمال کیا جائے۔اوراوقات

نماز کے علاوہ اس پر اسلامی فلم یا دینی سبق دیکھا اور سنا جائے۔

سنت پیغمبرؐ مسلمان عورتوں کے سینٹری نیپکن کے استعمال کی ممانعت نہیں کرتی اور اگر وہ مباح کاموں کیلئے ڈرائیونگ کرتی ہیں اور بازار جا کر دکانوں سے اپنی ضرورت کا سامان خریدتی ہیں تو سنت پیغمبرؐ اسے حرام نہیں سمجھتی۔ صرف شرعی پردہ کا خیال رکھیں۔ اپنے دامن کو حرام سے بچائیں، نامحرم کو نہ دیکھیں جیسا کہ خود پروردگار عالم کا حکم ہے۔ مختصر یہ کہ سنت نبویؐ ترقی کی مخالف نہیں ہے لیکن اس وقت تک جب کہ یہ انسانیت کی فلاح و بہبودی کیلئے ہو اسے، بیماریوں سے محفوظ رکھے اور سعادت بخشے۔

اے رسول ان سے پوچھو تو کہ جو زینت کے ساز و سامان اور کھانے پینے کی صاف ستھری چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہیں کس نے حرام کر دیں؟ (اعراف ر ۳۲)۔

ہاں! اسلام نے ان تمام چیزوں کو حرام کیا ہے جو گندگی، کثافت و نجاست میں شمار ہوتی ہیں اور ان تمام چیزوں کا مخالف ہے جن سے آدمی فطرتاً نفرت کرتا ہو جیسے بدبو، گندے ناخن و بال، نجاست و کثافت کے عالم میں رہنا۔ چونکہ خداوند عالم جمیل ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے۔ لہذا آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہر بندہ مؤمن حتی کافر بھی جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو صورت و لباس کو مرتب کرتا ہے خوشبو لگاتا ہے حتی آپ کو کوئی گھر ایسا نہ ملے گا کہ اسمیں آئینہ نہ ہو۔ تو جب مرد حضرات زینت و آرائش کی فکر میں ہیں تو پھر عورتوں کو کیوں

اس سے منع کیا جائے۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ اسلام کے معین حدود سے خارج نہ ہو جائیں اور نا محرم مردوں کے سامنے بن سنور کر نکلنے نہ لگیں۔

﴿الناس اعداء ماجھلوا﴾ (۲۲)

جس چیز کو لوگ نہیں جانتے اس کے دشمن ہوتے ہیں۔

مجھے یاد ہے ایام جوانی میں مجھے روز چہار شنبہ سرمہ لگانا بہت پسند تھا اور بہت سی احادیث کی کتابیں موجود ہیں جو روایت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے اور اسکی تشویق فرماتے تھے لیکن اس کے بر خلاف جب بھی میں سرمہ لگاتا تو عورت و مرد مجھے عجیب نظر سے دیکھتے اور ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرتے، گویا میں کسی برے کام یا گناہ کا مرتکب ہوا ہوں۔ بالآخر مجبور ہو کر اس سنت حسنہ سے باز آ گیا۔

کچھ صحرا نشین عرب اپنے لڑکوں کے کان میں سوراخ کر کے گوشوارہ پہنا دیتے ہیں یہ بعض عربی قبیلوں کی رسم ہے۔ لیکن اس وقت مثلاً اگر کسی فرانسوی مرد کو دیکھیں کہ اس نے کان میں رنگ پہن رکھا ہو تو تعجب کریں گے اور کہیں گے

ضرور یہ شخص نامرد یا بد چلن ہے اور یہی بات اس شخص کے بارے میں کہیں گے جس کے بال لمبے ہوں۔ جبکہ تاریخ میں موجود ہے مرد، عورتوں کی طرح بال بڑھاتے تھے حتی بعض صحابہ نے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ گیسو رکھتے تھے۔

بہر حال آنحضرتؐ کا قول پھر دہراتا ہوں

پروردگار ہرگز تمہارے لباس اور تمہارے ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے

قلوب اور کردار کو دیکھتا ہے۔(۲۳)۔

اور آنحضرتؐ کا یہ قول کہ :

خدا ان مردوں پر لعنت کرے جو زن صفت (مخنث بن جاتے ہیں) اور ان عورتوں پر لعنت کرے، جو مردوں کے مشابہ بن جاتی ہیں۔(۲۴)۔

لیکن یہ درست نہ ہو گا کہ ہم چودہ صدی پہلے کی حالت و صورت پر تکیہ کریں اور کہیں کہ لباس و شکل، صورت اور میلان میں جو ترقی ہوئی ہے اسے ترک کر دینا چاہیے۔

پروردگار عالم اس قسم کی سختی و شدت سے مبرا ہے اس لئے کہ خود اس نے فرمایا ہے :

خداوند عالم نے تمہارے لئے دین میں ہر گز کسی قسم کی شدت و سختی قرار نہیں دی ہے۔(۲۵)۔

اور خود پیغمبرؐ بھی اس طرح کی باتوں سے مبرا ہیں آنحضرت فرماتے ہیں :

لوگوں کے ساتھ آسانی برتو اور سختی اور دباؤ سے کام نہ لو۔ لوگوں کو بشارت دو اور انکو متنفر نہ کرو۔(۲۶)۔

آخر میں تمام سلفی حضرات چاہے شیعہ ہوں یا سنی ان سے عرض ہے کہ نہ خود پر سختی و شدت برتیں اور نہ ہی مسلمانوں پر اس قسم کی باتوں کی تحمیل کریں انکو دین سے برگشتہ نہ کریں اور آنحضرتؐ کا یہ قول ہمیشہ یاد رکھیں :

بے شک اگر خدا نے تمہارے ہاتھوں کسی ایک کی ہدایت کی تو یہ تمہارے لئے

دنیاو ما فیھا سے بہتر ہے۔(۲۷)۔

لذا اگر آپ بے منطق اصولی بننا چاہتے ہیں تو آپ بس، کار یا جہاز جیسے وسائل کا استعمال نہ کریں بلکہ خچر، گدھے جیسی سواری کا استعمال کریں اس لئے کہ آنحضرتؐ اسی قسم کی سواریاں استعمال کرتے تھے۔ اور کبھی بھی گاڑی اور پلین پر سوار نہ ہوئے۔ لیکن چونکہ آپ ایسا نہیں کرتے اور کر بھی نہیں سکتے اس لئے خدا سے ڈریے اور اس سے زیادہ لوگوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار نہ کریئے۔ اچھے اخلاق سے پیش آیئے اور اگر ترقی نہیں کرنا چاہتے تو کم از کم پسماندہ بھی نہ بنئے۔

سیاسی مشکلات، تمدن کا نتیجہ

جس وقت رسول خداؐ نے اپنے اصحاب کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا اور ان سے فرمایا: حبشہ کی سمت روانہ ہو جاؤ اس لئے کہ وہاں کا بادشاہ ایسا ہے کہ اس کے یہاں کسی پر بھی ظلم و ستم نہیں ہوتا۔(الکامل فی التاریخ ر ج ۲ ر ص ۴۷)۔

کیا آنحضرتؐ نے ان اصحاب کو پاسپورٹ دیا؟ یا حبشہ سے ان لوگوں کیلئے ویزے کی درخواست کی؟ یا پیسہ تبدیل کروایا؟ نہیں!

نہ یہ مسائل اس زمانہ میں تھے اور نہ ہی اس طرح کی بات سامنے آئی۔ اللہ کی زمین وسیع تھی جب بھی انسان پر اس کا وطن دشوار ہو جاتا، مرکب پر سوار ہوتا اور خدا کی طویل و عریض زمین پر کہیں کیلئے بھی نکل پڑتا۔ اور مناسب جگہ ٹھہر جاتا۔ نہ کسی قسم کا محاسبہ ہوتا نہ سیکورٹی چیکنگ ہوتی نہ کسٹم کا مسئلہ پیش آتا نہ ٹیکس اور میڈیکل سرٹیفکٹ کی ضرورت پڑتی اور نہ گدھے اور خچر کیلئے شہنشاہی گواہی کی ضرورت پیش آتی تھی کہ کہیں چرایا ہوا نہ ہو یا اور ٹیکس ادا کئے بغیر چل دیا ہو۔

ہاں! یہ تمدن ہے یا کثرت جمعیت بہتر ہوگا، جس نے زمین کو مختلف ملکوں

اور حکومتوں میں تقسیم کررکھا ہے اور ہر حکومت اپنے ملک کی زبان میں بولتی ہے اور ہر ملک کا الگ پرچم ہے زمینی اور دریائی حدیں ہیں جس پر چوکس نگہبان تعینات ہیں تاکہ ہر کس وناکس گھس نہ آئے اور جب ملتوں کی تعداد بڑھی طمع میں شدت آئی اس طرح کہ ہر ایک دوسرے کو استثمار کرنے اور دبانے کی فکر میں پڑ گیا۔ انقلاب، بغاوتیں، جرائم بکثرت ہوگئے۔ تو ترقی یافتہ سماج قومیتوں کو الگ کرنے لگے، ولادت ووفات کی گواہی اور شناختی کارڈ بنائے گئے، پاسپورٹ بھی بن گیا سرحدیں بن گئیں اب ہر شخص میں طاقت نہ تھی کہ بغیر اجازت وویزا دوسرے کی سرحد میں داخل ہوسکے خلاصہ یہ کہ ہر جگہ اور ہر حکومت کا ایک مشخص قانون بن گیا۔

میں بھی بہت سے جوان مسلمانوں کی طرح اپنے ملک کی اذیت و آزار اور سیاسی مشکلات کے بعد دوسرے ملکوں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوگیا لیکن میرے لئے سارے دروازے بند نظر آئے خصوصاً عربی اور اسلامی ممالک۔

سچ میں کتاب خدا کی اس آیت کو پڑھنے کے بعد کس درجہ حیران ہوجاتا ہوں، وہ فرماتا ہے:

بے شک جن لوگوں کی قبض روح فرشتوں نے اس وقت کی ہے کہ (دارالحرب میں پڑے) اپنی جانوں پر ظلم کررہے تھے تو فرشتے قبض روح کے بعد حیرت سے کہتے ہیں تم کس (حالت غفلت میں تھے) تو وہ (معذرت کے لہجے میں) کہتے ہیں ہم توروئے زمین پر بے کس تھے تو فرشتے کہتے ہیں کہ خدا کی لمبی، چوڑی زمین میں اتنی بھی گنجائش نہ تھی کہ تم (کہیں) ہجرت کر کے چلے جاتے !! پس ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بڑا برا ٹھکانا ہے۔

(نساء/۹۷)۔

میں اپنے آپ سے کہتا ہوں سچ ہے پوری دنیا کی زمین سب کی سب خدا کی ملکیت ہے اسمیں کسی قسم کا شک نہیں لیکن بعض خدا کے بندوں نے اسپر قبضہ کیا اور آپس میں تقسیم کر لیا اور دوسروں کو فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ اگر غیر مسلم مثلاً فرانسیسی، جرمن، انگریز، امریکن عذر کریں تو ٹھیک لیکن مسلمان ملکوں کے پاس کیا بہانہ اور عذر ہے اور اگر عرب و اسلامی ممالک کے پاس کوئی بہانہ ہے بھی تو حاکم مکہ و مدینہ کے پاس کیا بہانہ رہ جاتا ہے جو مسلمانوں کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ آسانی سے آسکیں۔ ان سے حج و عمرہ کیلئے ٹیکس لیتے ہیں او کس مشکل سے ویزا دیتے ہیں۔

سچ مچ حیرت ہوتی ہے جب ہم قرآن میں پڑھتے ہیں

بے شک جو لوگ کافر ہو بیٹھے اور خدا کی راہ سے اور مسجد الحرام (خانہ کعبہ) سے جسے ہم نے سب لوگوں کیلئے عبادتگاہ بنایا ہے (اور) اسمیں شہری اور دہاتی سب کا حق برابر ہے لوگوں کو روکتے ہیں۔ (حج ر ۲۵)۔

پس اگر خدا نے مسجد الحرام کو سبھی کیلئے مرکز امن قرار دیا ہے چاہے وہ وہاں ساکن ہوں یا باہر سے آئیں پھر اس ملک کی حکومت کسی طرح بعض کو آنے کی اجازت دیتی ہے اور بعض کو نہیں دیتی۔ اب تو ہمیں اپنے اسلام و قرآن کی طرف پلٹنا چاہیے اور اپنے امور میں تبدیلی لانا چاہیے۔

ایک طویل مدت گذر گئی اور میں اس فکر و خیال میں سرگرداں تھا حتی اپنے آپ سے مناجات کرتے ہوئے عرض کیا کرتا تھا کہ پروردگار تو کہتا ہے اور تیرا قول حق ہے:

کیا خدا کی زمین وسیع نہیں کہ تم اسمیں ہجرت کرو۔ (نساء ر ۹۷)

اور تیرا ہی قول ہے کہ :لوگوں کو مناسک حج ادا کرنے کیلئے بلاؤ تا کہ لوگ سوار

اور پیادہ ہر طرف سے اکٹھا ہو جائیں۔(حج ر ۲۷)۔

بے شک تیری زمین جو وسیع و عریض ہے لیکن اس پر دوسروں کا قبضہ ہے اور یہ گھر تو تیرا ہے لیکن دوسرے اس کے مالک بن بیٹھے ہیں اور وہاں آنے سے روکتے ہیں خدلیا کیا کیا جائے؟

ایک روز قرآن کے متعلق نہج البلاغہ میں امیر المؤمنینؑ کے کلام کا مطالعہ کر رہا تھا کہ مجھے ایک ایسا جملہ نظر آیا جسے میں نے کئی مرتبہ پڑھا اور جس چیز کی تلاش تھی وہ مل گئی اس نے یہ معما حل کر دیا اور میری حیران فکر کو سکون بخشا۔

حضرت امیر المؤمنینؑ قرآن مجید کے متعلق نہج البلاغہ کے سب سے پہلے خطبہ میں فرماتے ہیں :

کچھ آیات و احکام ہیں جو اپنے وقت پر واجب ہیں لیکن مستقبل میں ان کا (وجوب) نہیں رہتا۔

حضرتؑ کے اس کلام سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ وہ آیات ہیں جن پر عمل آنحضرتؐ کے زمانہ میں ممکن تھا لیکن مستقبل میں ستمگروں اور کافروں کے قبضہ کی وجہ سے غیر ممکن ہو جائیگا۔

لہٰذا اگر کوئی روز قیامت اپنے خدا سے کہے : پرودگارا! میں تیری زمین پر کمزور و لاچار تھا تو وہ خداوند عالم جس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے اسے پتہ ہے کہ وہ ایسے ہی زمانہ میں تھا تو وہ اس سے یہ نہ فرمائیگا کہ تیری جگہ دوزخ ہے اور یہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

اور اگر کوئی اس وقت اپنے رب سے کہے کہ پروردگارا! مجھے تیرے گھر آنے سے روک دیا گیا میں تیرا حج نہ کر سکا تو اسے یہ جواب ملیگا : میں نے تجھ سے کہا تھا اگر تم میں حج کرنے کی استطاعت و قدرت ہوئی تو کرنا پس تمہارا

عذر معقول ہے اور جس شخص نے تمکو آنے سے روکا وہ ذمہ دار ہے اور اسی کو جوابدہ ہونا پڑیگا۔

اے امیر المؤمنین! آپ پر سلام ہو۔ جس روز آپ نے اس دنیا میں آنکھیں کھولیں اور جس روز آپ نے اس دنیا سے وفات پائی اور جس روز بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گے (۲۸)۔

نیکی کی طرف دعوت اور برائی سے روکنا

اس نئے تمدن نے سماج کے درمیان جن سیاسی مشکلات کو جنم دیا انہیں سے ایک خود بینی بھی ہے یعنی ہر آدمی صرف اپنی فکر میں ہو اور دوسروں کا ذرا بھی خیال نہ کرے خود سلامت ہے دوسرے جہنم میں جائیں ! یہ بدترین صورت حال ہے جسمیں آج کا انسانی سماج گرفتار ہے وہ بھی اس طرح کہ امت کے مفادات تو خطرہ میں ہوں اور انجام نامعلوم ہو لیکن نہ کوئی آواز اٹھائے اور نہ آگے قدم بڑھائے۔ ایسی صورت میں بہادری، مردانگی، ایثار، جہاد، ظالموں کے مقابلہ استقامت جیسے عظیم اقدار نابود ہو جائینگے۔ دین کا رنگ پھیکا اور ضمیر کی موت ہو جائیگی۔

جیسا کہ ہم نے پہلے قرآن سے استدلال، پیش کیا بعض احادیث کے ذریعہ بھی اسی طرح استدلال پیش کریں گے۔ رسول خدا کا قول جس پر سبھی کا اتفاق ہے اسے ساتھ ملکر پڑھتے ہیں۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں :

تمکو چاہیے کہ لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دو اور برائی سے روکو نہیں تو خدا تم میں سب سے برے کو تم پر مسلط کر دیگا پھر تمہارے اچھے لوگ دعا کریں گے

لیکن انکی دعا مستجاب نہ ہو گی (۲۹)۔

نیکی کی دعوت اور برائی سے روکنا امت کی زندگی کیلئے ایک لازمی امر ہے اسی لئے ائمہ نے اسے دین کے ارکان میں شمار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاصر اسلامی گروہ جو نعرہ سب سے پہلے بلند کرتے ہیں وہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کا نعرہ ہے لیکن ترقی یافتہ سماج شدت سے اس نعرہ کے مخالف ہیں اور اس سے مقابلہ کیلئے انھوں نے مختلف بنا رکھی رہیں جیسے انسانی حقوق کی تنظیم، خواتین کے حقوق کی تنظیم اور جمعیت تحفظ حیوانات و...... لذا اگر خود حکومت اس مہم امر (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کو اپنے ذمہ نہ لے تو یہ محال ہے کہ لوگوں کی جماعت اسے انجام دے سکے متفرق افراد کا تو شمار ہی نہیں۔

آج آپ خود بہت سی برائیوں کے شاہد ہیں لیکن انکی مخالفت کرنے کی قوت نہیں ہے یہاں تک کہ اگر نہی از منکر کریں تو ممکن ہے مد مقابل چاہے لڑکی ہو یا لڑکا آپ کے خلاف کورٹ میں مقدمہ درج کر سکتا ہے پھر بڑے اچھے انداز میں آپ سے کہا جائیگا اس سے تمہیں کیا سروکار! بے جا مداخلت نہ کرو! اور اگر آپ نے کہا میں امر بہ معروف اور نہی از منکر کر رہا ہوں تو آپ کو جواب ملیگا یہ حق تم کو کس نے دیا اور کس طرح تمہیں حاصل ہے؟

خود مجھے اس کا تلخ تجربہ ہے جیسا کہ بعض دیگر مسلمانوں کے ساتھ یہ صورت حال پیش آئی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں تلخی، ناچاری اور افسردگی کا مزا مجھے اب بھی محسوس ہوتا ہے اور دو باتوں کے درمیان اب بھی سرگرداں ہوں:

اولاً۔ میرا عقیدہ مجھے اپنے شرعی فرائض کی ادائیگی کیلئے آگے بڑھاتا ہے اور اگر خاموشی اختیار کروں تو جوابدہ ہونا پڑیگا۔

ثانیاً۔ جس فضا میں زندگی گذار رہا ہوں اس نے مجھ سے اس حق کو

زبردستی چھین رکھا ہے اور مجھے خائف کر رہی ہے کہ میں پھر اس فریضہ کو انجام نہ دوں میں گورنر کی گفتگو نہیں بھول سکتا ایک روز اس نے کہا تھا کیا تم خدا کے رسول ہو؟ اور خدا نے تمہیں نئے دین کے ساتھ مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کی اصلاح کرو؟ میں نے اسے جواب دیا ہر گز نہیں!

اس نے کہا: اچھا پھر جاؤ خود کو اور اپنے گھر والوں کو دیکھو اور ہمیں اپنے شر سے نجات دو! ہم لوگوں کی سلامتی اور ان کے امن وامان کے ذمہ دار ہیں اور اگر ہر ایرے غیرے کو امر و نہی کی اجازت دے دیں تو ملک ہرج و مرج کا شکار ہو جائیگا۔

میں بھی اپنی جگہ چپ بیٹھ رہا گرچہ اندر سے اپنے فریضہ کا احساس کرتا تھا اور کرنے نہ کرنے کے درمیان سالوں گذر گئے یہاں تک کہ رسول گرامیؐ کی حدیث نظروں سے گذری جسمیں آپؐ فرماتے ہیں:

تم میں سے جو بھی کسی برائی کو دیکھے تو اسے خود اپنے ہاتھ سے ختم کرے اور اگر قادر نہ ہو تو زبان سے اور اگر اس کا بھی امکان نہ ہو تو اپنے قلب سے اور یہ ایمان کا نہایت ہی ضعیف مرحلہ ہے(۳۰)۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

خدا نے ہم سے پہلے کسی ایسے نبی کو مبعوث نہیں فرمایا جس کے حواری و اصحاب نہ رہے ہوں وہ اسکی سنت پر عمل کرتے تھے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے تھے۔ ان کے بعد دوسرا گروہ ان کا جانشین بنتا گیا لیکن یہ جو کہتے اسپر عمل نہ کرتے تھے اور جو کرتے اس کا انھیں حکم نہ ہوتا تھا لہذا جو بھی ایسوں سے اپنے ہاتھ اور اپنی قوت سے ان سے مقابلہ اور جہاد کرے مؤمن ہے اور جو اپنی زبان سے ان کا مقابلہ کرے مؤمن ہے۔ اسی طرح جو اپنے قلب سے ان کا

مقابلہ کرے وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے بعد تو پھر رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی ایمان باقی نہیں بچتا (۳۱)۔

میں نے پروردگار عالم کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہماری قوت سے زیادہ ہمیں تکلیف نہیں دی ہے بے شک آنحضرتؐ کی یہ حدیث کتاب خدا کی تفسیر کرتی ہے۔ چون کہ ماضی، حال اور مستقبل کا علم خدا کے پاس ہے لذا اسے معلوم تھا کہ ایک زمانہ مسلمانوں پر ایسا آیگا کہ وہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کی قوت نہ رکھتے ہوں گے۔ اسی کے پیش نظر اس نے حکم کو آسان رکھا۔ اور انکی قوت سے زیادہ ان سے طلب نہ کیا آنحضرتؐ نے نہی از منکر کے مراحل کو تدریجاً بیان فرمایا ہے اور یہ اسلامی سماج میں تبدیلی اور قوت کے ضعف میں بدل جانے کے اوپر دلیل ہے اسی طرح حالات کے بدلنے کی صورت میں حکم شرعی میں تبدیلی کے اوپر بھی دلیل ہے۔

تو جس کے پاس قوت ہے اسے طاقت سے برائیوں کا مقابلہ کرنا چاہیے لیکن جس کے پاس قوت نہیں ہے لیکن زبان سے منکرات کو روکنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ زبان سے ان کا مقابلہ کرے لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ اسکے کہنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا یا اس کی وجہ دردسر اور مشکلات پیدا ہو جائینگی تو اس صورت میں منہ سے کوئی بات کہے بغیر صرف قلبی مخالفت کافی ہے۔ پس کس درجہ بے نیاز ہے وہ رب جس نے لوگوں کو انکی قوت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ اور بے شمار درود ہو اس نبیؐ رحمت پر جو مؤمنین پر خود ان سے زیادہ مہربان تھا اسی طرح انکی پاک وطاہر آلؑ پر بھی درود و سلام ہو (۳۲)

مہذب انسان، آسان شریعت

بلا شبہ جو آسمانی ادیان خداوند عالم کی جانب سے نازل ہوئے ہیں ان کا مقصد سب سے پہلے انسان میں پروردگار عالم کی معرفت پیدا کرنا تھااور اسکو بت پرستی، شرک و مختلف طرح کی گمراہی سے نجات دینا تھا۔

دوسرے : اسکی سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرنا تھااور یہ مقاصد دو بنیادی چیزوں سے عبارت ہیں :

ا۔ ایمان

۲۔ عمل

اور جب کبھی ایمان و عمل کہا جائے تو اس سے مراد صحیح ایمان اور عمل صالح ہے لذا ہر ایمان و عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہے اس لئے کہ ممکن ہے انسان مختلف عقائد پر ایمان رکھے لیکن اسلام سے اس کا ذرہ برابر بھی ربطہ نہ ہو اور ممکن ہے کہ عقائد اسے آباء واجداد سے ورثہ میں ہاتھ لگے ہوں اور بالفرض صحیح ہوں تو بھی ممکن ہے اس میں تغیر و تبدیلی پیدا ہو گئی ہو۔

خداوند عالم فرماتا ہے :

لور جب ان سے کہا گیا کہ جو قرآن خدا نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہنے لگے ہم تو اس کتاب توریت پر ایمان لائے ہوئے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی تھی لور اس کتاب قرآن کو جو اس کے بعد آئی ہے نہیں مانتے حالانکہ وہ (قرآن) حق ہے لور اس کتاب (توریت) کی جو ان کے پاس ہے تصدیق بھی کرتا ہے۔(بقرہ/۹۱)۔

بعض اوقات انسان کسی کام کو یہ سمجھ کر انجام دیتا ہے کہ اسمیں بشریت کیلیئے فائدہ ہے جبکہ اس کے کاموں سے سوائے نقصان و ضرر کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد نہ کرتے پھرو تو کہتے ہیں ہم تو صرف اصلاح کرتے ہیں خبردار ہو جاؤ بیشک یہی لوگ فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں (بقرہ/۱۱/۱۲)۔

یا ممکن ہے انسان نیک کام کرے جو بشریت کیلیئے بہت ہی مفید اور فائدہ مند ہو لیکن اس نے اسے خدا کیلیئے انجام نہ دیا ہو بلکہ اس کا مقصد صرف دکھاوا اور ریاکاری ہو تو اس طرح کا عمل سراب اور دھوکا ہے کہ دور سے پیاسے اسکی طرف پانی سمجھ کر آئیں لیکن جب نزدیک پہنچیں تو کچھ نہ پائیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

لور ان لوگوں نے دنیا میں جو کچھ نیک کام کیے ہیں ہم انکی طرف توجہ کریں گے (کہ وہ فاسد لور غیر خالص اعمال ہیں) گویا اڑتی ہوئی خاک بنا (کر برباد کر) دیں گے (فرقان/۲۳)۔

اگر دین انسان کیلیئے راہنمائی ہے جس کے ذریعہ وہ ہدایت پائے اور ترقی

کرے اس لئے کہ ابتدائے خلقت سے انسان جہاں بھی تھاوہاں دین موجود تھااور یہ بات موجودہ تحقیقات اور آثار قدیم کی شناخت کرنے والوں کے ذریعہ بھی مسلم ہوچکی ہے کہ ابتدامیں رہنے والے انسان بہت سی چیزوں سے ناواقف تھے اور بہت عرصے کے بعد انھیں اس کا علم ہوالیکن ان کے یہاں پہلے سے ہی عبادت گاہ نظر آتی ہے اور اسی مطلب کی طرف پروردگار عالم کا قول اشارہ کرتا ہے۔

لوگوں کی عبادت کے واسطے جو گھر سب سے پہلے بنایا گیاوہ یقیناً یہی (کعبہ) ہے جو مکہ میں بڑی خیر وبرکت والاہے اور سارے جہاں کے لوگوں کیلئے راہنما ہے (آل عمران/۹۶)۔

پس یقین کے ساتھ کہا جاسکتاہے کہ تمدن آسمانی ادیان کا نچوڑ ہے اور اس اصل کی رو سے جو اسلام محمد بن عبداللہؐ پر نازل ہوا نہایت ہی ترقی یافتہ تمدن ہے جس پر انسانیت سبقت حاصل نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس سے آگے بڑھ سکتی ہے بلکہ ہمیشہ اس سے ایک زینہ نیچے ہی رہے گی۔ اور اس سے وابستہ رہے گی۔

بیشک یہ قرآن متمدن انسان میں حیرت انگیز تبدیلی کا باعث ہوا ہے جو مدتوں بے دینی اور اعلیٰ معنوی قدروں کے نہ ہونے کی وجہ سے کفر والحاد کی مصیبت کو تحمل کرتا رہاہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان اپنی شخصیت ڈھونڈتا رہا اور یہ چیز اسے عقیدہ کی آغوش میں تدریجاً نظر آگئی۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

تو (اے رسولؐ!) تم باطل سے کترا کر اپنا رخ دین کی طرف کئے رہو وہی دین جو فطرت الٰہی ہے اور لوگ اسی پر خلق کئے گئے ہیں اور خلقت خدامیں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی مضبوط اور سب سے استوار دین ہے لیکن بہت سے

لوگ اسے نہیں جانتے (آل عمران ر ۳۰)۔

ہاں! آج ہم چاہے روشنفکروں کے درمیان ہوں یا ان کے علاوہ کسی بھی گروہ میں ہر میدان میں عظیم اسلامی بیداری کے شاہد ہیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ رنگ و نسل میں اختلاف کے باوجود قوموں میں مکمل تغیر اور تبدیلی آرہی ہے۔

ملحد و بے دین اقوام جو انسانی حقوق کی تھیوری کے قائل ہیں انہیں ہم مطلق آزادی کا اعلان سن رہے ہیں۔ اور انہیں عجیب تضاد دیکھتے ہیں۔ مثلاً وہ ڈرائیونگ کے وقت شراب نوشی کو ممنوع قرار دیتے ہیں جبکہ ان کے دین میں شراب حرام نہیں ہے خود ان کے بقول حضرت مسیح (نعوذ باللہ من ذالک) نے ان کے لئے شراب بنائی ہے۔ اور اس ممنوعیت کی وجہ وہ ایکسیڈنٹ ہیں جو شراب نوشی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ صرف فرانس میں ڈرائیونگ ایکسیڈنٹ کی وجہ سے بیس ہزار لوگ اپنی جان گنوا دیتے ہیں۔

اگر ہم ان ترقی یافتہ ممالک کے ترقی یافتہ تمدنوں کا مطالعہ کریں اور ان کا اسلامی تمدن کے ساتھ موازنہ کریں تو ایک بہت بڑے فاصلہ اور اختلاف کا مشاہدہ کریں گے۔ ایسا فاصلہ جو زمین و آسمان کے برابر ہے۔ تو کافی ہے کہ امیر المؤمنینؑ کے اس خط پر ایک نگاہ ڈالیں جسے آپ نے مالک اشتر نخعی کو بصرہ کا گورنر بنانے کے بعد انھیں تحریر فرمایا تھا تاکہ مسلمانوں کی ہر میدان میں ترقی کا اندازہ کر سکیں (۳۳)۔

ایک محقق جب اس عہد نامہ کو دیکھتا ہے تو ان تحریروں کے درمیان بشری تمدن کے اس اعلیٰ مفہوم کو پالیتا ہے جہاں تک ابھی بیسویں صدی کا تمدن نہیں پہنچ سکا ہے۔

اس عہدنامہ میں تمام طرح کے اجتماعی، معاشی، سیاسی اور ثقافی مسائل کے ساتھ معنوی، عبادی، اخلاقی مسائل اور بشری روح وطبائع کی ترتیب کو بھی فروگذاشت نہیں کیا گیا ہے۔

مجھے افسوس ہوتا ہے کہ بیشتر مسلمانوں نے نہج البلاغہ کو فراموش کردیا ہے جبکہ یہ کتاب بہت ہی گرانقدر اور عرفانی خزانوں اور علمی حقائق سے پر ہے لیکن مسلمان مغربی کتابوں اور تھیوری کی طرف تیزی سے بھاگتے ہیں اس امید پر کہ اس جھوٹے مغربی تمدن پر گامزن ہو سکیں۔ وہی تمدن جس نے سوائے نکبت، بد بختی اور مصیبت کے کچھ اور غریب سماجوں اور قوموں کے حوالہ نہ کیا۔

اگر انہیں سے کسی ایک سے کہیں کہ : اسلام اور اسلامی شخصیات میں انسان وانسانیت کیلئے ہر طرح کے بہتر نمونے موجود ہیں تو آپ کو جواب دیں گے۔ اگر اسمیں کوئی حقیقت ہوتی تو مسلمان پسماندہ نہ ہوتے ؟ وہ پیچھے رہ گئے اور دوسرے آگے بڑھ گئے اور متمدن ہو گئے ! ؟

یہ اور انکی طرح کے لوگ یہ بھول گئے ہیں کہ افسوس ! اسلام صرف ایک تھیوری کی صورت میں باقی بچا ہے جس پر عمل نہیں کیا جاتا اور بیشتر شخصیات جو اس پر عمل کرانا چاہتی تھیں ان پر حملہ کیا گیا، شہربدر کیا گیا، قتل کر دیا گیا یا پھر منبروں سے ان پر لعنت وسب وشتم کیا گیا، انکی کتابیں، ان کے آثار بوسیدہ وناشناختہ رہ گئے ان پر تہمتیں لگائی گئیں انکے خلاف پروپگنڈہ کیا گیا (۳۴)۔

حالانکہ امریکہ، جرمنی اور انگلینڈ میں مغربی دانشوروں نے سب سے زیادہ اسلام سے فائدہ اٹھایا ہے اور مسلمان اس بات سے بے خبر ہیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے :

ان کے بعد کچھ ناخلف ان کے جانشین بن بیٹھے جنھوں نے نمازیں کھوئیں اور نفسانی خواہش کے اسیر بن گئے عنقریب یہ لوگ (اپنی) گمراہی (کے خمیازے) بھگتیں گے (مریم/۵۹)۔

ایک روز انہیں سے ایک مجھ سے کہنے لگا۔ اگر اسلامی شخصیات سے تمہاری مراد اہل بیتؑ کے بارہ امامؑ ہیں جیسا کہ کتب میں آیا ہے اور شیعوں نے انکی امامت کو قبول کیا ہے انکی پیروی کرتے ہیں اور امور دنیا میں بھی ان ہی تقلید کرتے ہیں تو پھر کیوں شیعوں نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ترقی نہ کی اور کسی ایجاد، اختراع میں آگے نہ رہے۔

میں نے اسے جواب دیا: شیعہ اثنا عشری جو ان بارہ اماموں پر ایمان لائے وہ اس درجہ کم تھے کہ جیسے پورے سیاہ لباس میں ایک نقطہ کے برابر سفیدی ہو اور انھیں ہمیشہ قتل کا خوف لاحق رہتا اس لئے کہ صدیوں تک ان کا خون مباح رہا ہے اور انکی ناموس کی بے حرمتی کی جاتی رہی ہے اور وہ بدترین روحی و جسمی شکنجوں اور سخت تکالیف میں مبتلا رہے ہیں۔

بلاشبہ اگر کوئی اس طرح کی زندگی جئے تو ہرگز ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ تو ہمہ وقت پریشانی اور تکالیف سے دوچار رہے اور ہر آن قتل کر دیے جانے کے منتظر رہے۔

اور یہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اگر انسان بھوکا اور فقیر ہو تو ہر چیز سے پہلے اسکی فکر روزی روٹی حاصل کرنے میں مشغول ہو گی جس سے وہ اپنی حیات کو برقرار رکھ سکے لہذا اس صورت میں کیا ہو گا جب اسکی روزی منقطع ہو جائے خود وہ اور اس کا کنبہ ایک لقمہ روٹی کیلئے محتاج ہو جائیں؟

لیکن اگر انسان کیلئے سہولتیں فراہم ہوں اور مناسب آسائش زندگی مہیا

ہو تو اسکی فکر پرواز کرے گی لذا آپ دیکھیں گے کہ حکومتیں علماء و دانشوروں کیلئے ایک خاص اہمیت کی قائل ہوتی ہیں اور ان کیلئے مکمل آسائش کے وسائل مہیا کرتی ہیں۔

اس راہ میں کافی پیسہ خرچ کرتی ہیں اور اس کیلئے ایک بجٹ مخصوص کر دیتی ہیں ان کیلئے آزمایشگاہیں، لیبارٹریاں اور مشینری فراہم کرتی ہیں تاکہ وہ با آسانی تجربہ و تحقیق کر سکیں اس کے علاوہ ان کیلئے مختلف کتب خانے فراہم کیے جاتے ہیں اور انکشافات اور جدید مقالوں کا ترجمہ کر کے ان کے حوالہ کیا جاتا ہے پھر یہ کیونکر ایجاد نہ کریں؟

لیکن شیعہ اس فقر تنگ دستی اور قتل واذیت کے باوجود علم ودانش کے ہر میدان میں پیش قدم رہے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ یہ مکتب اہل بیتؑ کے پروردہ ہیں اسی مکتب کے جسمیں مختلف علوم کے ماہرین فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فقہ و تفسیر کی تدریس کے ساتھ ساتھ میتھ میٹکس۔ فیزکس، کیمسٹری، علم ہیئت کے علاوہ اور بہت سے دیگر علوم اپنے شاگردوں کو تعلیم فرمائے۔ جنکی اہمیت کا اندازہ جدید دور اور صنعتی انقلاب کے بعد ہوا۔

اس جگہ میں ان مغربی دانشوروں اور مستشرقین کے اس سمینار کا ذکر کرونگا جو ۱۹۶۸ء میں فرانس کی (اسٹراسبرگ) یونیورسٹی میں امام جعفر صادقؑ اور ان کے علمی دور کی تحقیق میں شیعہ اثنا عشری کی علمی اور تمدنی تاریخ کے موضوع سے منایا گیا۔ جسمیں امریکا، انگلینڈ، جرمنی، فرانس، بیلجیم، سوئیزرلینڈ اور اٹلی کے بیس سے زیادہ اہم دانشوروں اور سائنسدانوں نے شرکت کی تھی (۳۵)۔

انھوں نے امام جعفر صادقؑ اور ان کے شاگرد جابر بن حیان کے متعلق سے گفتگو کی اور بتایا کہ جابر بن حیان نے اپنے استاد کے درس علم فلسفہ، طب اور کیمسٹری پر ایک ہزار پانچ سو سے زائد رسالہ تحریر کئے۔ اور ابن الندیم نے اپنی فہرست میں اور ابن خلکان نے اپنی کتاب ﴿احوال الامام الصادقؑ﴾ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ان دانشوروں نے اس پر اجماع کیا کہ جابر بن حیان نے مختلف علمی نظریات پیش کئے ہیں۔ اور کیمیکل مواد کے علاوہ دیگر ترکیبات جو بم بنانے اور دوسرے امور میں کام آتی ہیں ایجاد کئے اسی طرح اس پر بھی اجماع کیا کہ کیمسٹری کے اسرار و رموز کو جابر بن حیان نے کشف کیا ہے اور وہ اس بات پر بھی قادر تھے کہ معمولی دھاتوں کی کانوں کو سونے، چاندی کی کانوں میں بدل دیں اور اس کے متعلق خود کہتے تھے: میرے استاد جعفر بن محمدؑ نے مجھے علم و دانش کا ایسا باب تعلیم فرمایا ہے کہ میں چاہوں تو پوری زمین کو خالص سونے میں تبدیل کر دوں۔

ڈاکٹر محمد یحیی ہاشمی جو ہمارے زمانے کے دانشور ہیں انہوں نے بھی ایک کتاب بنام ﴿الامام الصادقؑ ملهم الکیمیاء﴾(۳۶) تحریر کی وہ اسمیں کہتے ہیں: جس چیز سے ہمیں سب سے زیادہ تعجب ہوتا ہے وہ جابر بن حیان کا وہ دعویٰ ہے یعنی یہ راز کہ دھاتوں کو تبدیل کرنا اور اجسام کو بدلنا یہ ہر کام میں دخیل ہے اور اگر آج ہم غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ریڈیکٹیو کے مادہ کی کھوج جس سے ایٹم کا تجزیہ ہوتا ہے اور جو مادہ کی ماہیت میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے، ور اس کا نتیجہ فقط ایٹمی بم کی ایجاد نہیں ہے بلکہ وہ ایسی جدید توانائیوں کے ایجاد کا منبع بھی ہے جس نے ابھی تک انسانی فکر میں خطور نہیں کیا ہے۔

ان سب سے قطع نظر شیعہ تمام علوم میں پیش قدم ہیں جبکہ دیگر تمام

مسلمانوں نے صرف فقہ، تفسیر اور اخلاق پر تکیہ کر رکھا تھا۔ اگرچہ ان موضوعات میں بھی شیعوں نے اہم مقام حاصل کیا ہے اور ان کا اولین موجد شیعوں میں سے ہی تھا اور تاریخ نے بھی اسکی گواہی دی ہے۔ اور جو اس موضوع پر مزید تحقیق کرنا چاہتے ہیں وہ ﴿شیعہ و فنون الاسلام﴾ اور مقدمہ کتاب ﴿اصل الشیعہ و اصولھا﴾ کا مطالعہ کریں۔ انھیں یقین ہو جائے گا کہ شیعہ ان ائمہؑ کے زیر قیادت تمام علوم و معارف میں دیگر جماعتوں کی بہ نسبت پیش قدم رہے ہیں ان ہی اماموں نے اسرار و علوم کو شگافتہ کیا ہے اور صحیح معنیٰ میں علم و دانش کی طرف دعوت دینے والے یہی تھے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں :

بلکہ میں اس علم میں ڈوب گیا جو تم پر پوشیدہ و پنہاں ہے اور اگر چاہوں تو اسے ظاہر و آشکار کر دوں (لیکن) تم اس سے اس درجہ مضطرب اور لرزہ (بر اندام) ہو جاؤ گے جیسے کسی گہرے کنویں میں رسی (نہج البلاغہ ر خ ۵)۔

شیعہ، چند سطروں میں

اواخر کے چند برسوں میں خصوصاً ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد شیعوں کے متعلق کافی بحث چھڑ گئی ہے اور اس وقت مغربی پروپگنڈہ اور عالمی ذرائع ابلاغ نے خصوصاً ایرانی شیعوں کو اپنا نشانہ بنا رکھا ہے، انکو کبھی خدا کے دیوانے اور کبھی قاتل و دہشت گرد کہتے ہیں اور یہی صفات لبنانی شیعوں کیلئے بھی بیان کرتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے بیروت میں امریکی اور مغربی منافع پر حملہ کرکے اسے ختم کرڈالا تھا۔ اسی طرح ان صفات سے دنیا کے تمام شیعوں کو نواز دیا گیا اور اس سے بھی بالاتر دنیا میں جتنی اسلامی تحریکیں تھیں انھیں بھی یہ القاب دیدئے گئے، گرچہ انمیں اکثریت سنیوں کی ہے اور شیعوں سے ان کا کوئی ربط نہیں ہے۔

مغربی ذرائع ابلاغ اور اسلام دشمنوں کے ان جھوٹے خیالی پروپگنڈوں کو ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے اس لئے کہ ممکن ہے ہر دشمن، دوست بن جائے لیکن زیادہ افسوس اس وقت ہوتا ہے جب بعض مسلمان شیعوں کے متعلق اس طرح کی بات کرتے ہیں اور بلا دلیل و برہان بغیر کسی تحقیق و جستجو کے دوسروں کی کہی

ہوئی باتیں دہراتے ہیں۔

اگرچہ ہم نے اپنی کتاب ﴿الشیعه هم اهل السنه﴾ (شیعہ ہی اہل سنت ہیں) میں شیعوں کی حقیقی تعریف پیش کی ہے لیکن یہاں بھی شیعوں کے متعلق خدا اور رسولؐ کے ارشادات کا ایک گوشہ پیش کر رہے ہیں۔ پھر ہم موافق و مخالف علماء اور دانشوروں کی باتوں کو سننے کیلئے ہمہ تن گوش ہوں گے۔

شیعہ قرآن کریم کی روشنی میں:

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئك هم خير البريه﴾(۳۷)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے وہی سب سے بہتر ہیں۔

جلال الدین سیوطی (عظیم اہل سنت عالم) اپنی معروف تفسیر ﴿الدر المنثور فی تفسیر الماثور﴾ میں اس آیت کی تفسیر یوں تحریر کرتے ہیں:

ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ کیا خدا کے نزدیک فرشتوں کے مقام و منزلت پر تعجب کرتے ہو؟ اسکی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، بتحقیق روز قیامت خدا کے نزدیک بندۂ مؤمن کا مقام فرشتوں سے کہیں بالاتر ہوگا اور اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو: ﴿ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئك هم خير البريه﴾۔

عائشہ کہتی ہیں:

میں نے رسول خداؐ سے سوال کیا: خدا کے نزدیک سب سے بامنزلت کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ کیا تم اس آیت کو نہیں پڑھتی: ﴿ان

الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئك هم خير البريه﴾۔

جابر ابن عبد اللہ کہتے ہیں :

ہم رسول خداؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں علیؑ وارد ہوئے تو رسول خداؐ نے فرمایا : جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اسکی قسم یہ اور ان کے شیعہ روز قیامت کامیاب ہیں۔ اور اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿ان الذين آمنوا و عملوا الصالحات اولئك هم خير البريه﴾ اس کے بعد جب بھی اصحاب رسولؐ، علیؑ کو آتے دیکھتے تو کہتے ﴿خير البريه﴾ آئے (۳۸)

ابو سعید کہتے ہیں :

علیؑ ﴿خير البريه﴾ اور لوگوں میں سب سے بہتر ہیں (۳۹)

ابن عباس کہتے ہیں :

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی رسول خداؐ نے علیؑ سے فرمایا : بے شک روز قیامت تم اور تمہارے شیعہ خدا سے راضی اور خدا تم سے خوشنود ہے (۴۰)۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں :

رسول خداؐ نے مجھ سے فرمایا : کیا تم نے خدا کے اس کلام کو نہیں سنا کہ وہ فرماتا ہے : ﴿ان الذين آمنوا و عملوا الصالحات اولئك هم خير البريه﴾ (اس سے مراد) تم اور تمہارے شیعہ ہیں ہمارا وعدہ حوض کوثر ہے اس جگہ ساری امتیں حساب و کتاب کیلئے آئیں گی اور تم اور تمہارے شیعہ خوبصورت اور عزت کے ساتھ وارد ہوں گے (۴۱)۔

جن اہل سنت علماء نے اس تفسیر کو بیان کیا ہے وہ بکثرت ہیں بطور مثال جلال الدین سیوطی کے علاوہ طبری نے اپنی تفسیر میں حاکم جسکانی نے اپنی شواهد التنزیل میں، شوکانی نے اپنی فتح القدیر میں، آلوسی نے اپنی روح المعانی میں،

مناوی نے اپنی کنوز الحقائق میں اسے بیان کیا ہے اسی طرح خوارزمی نے مناقب میں، ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں، شبلنجی نے نور الابصار میں، ابن الجوزی نے تذکرۃ الخواص میں، قندوزی حنفی نے ینابیع المودۃ میں، ھیثمی نے مجمع الزوائد میں، متقی ہندی نے کنزل العمال میں اور ابن حجر مکی نے صواعق المحرقہ میں بھی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

اس محکم اور معقول دلیل کے بعد کوئی مورد نہیں کہ تحقیق کرنے والے ان بعض تاریخ نگاروں کی بات پر قانع اور مطمئن ہو جائیں جو معتقد ہیں کہ تشیع کی پیدائش امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ہوئی ہے۔

شیعہ آنحضرتؐ کے اقوال میں

رسول خداؐ نے شیعوں کے متعلق بارہا گفتگو کی ہے اور ہر مرتبہ ثابت کیا ہے کہ حضرت علیؑ اور انکی پیروی کرنے والے ہی کامیاب ہیں چونکہ انھوں نے حق کی پیروی کی ہے اور حق کی مدد کی ہے، باطل سے دور رہے ہیں اور اسے ذلیل کیا ہے۔

اسی طرح آنحضرتؐ نے تصدیق کی ہے کہ علیؑ کے شیعہ ہمارے شیعہ ہیں ہم اس جگہ اس حدیث پر تکیہ کرتے ہیں جسے ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے۔ اور دیگر علماء نے بھی نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے علیؑ سے فرمایا:

کیا تم خوش نہیں ہو کہ حسنؑ و حسینؑ کے ہمراہ جنت میں ہمارے ساتھ ہوگے۔ اور ہماری ذریت ہمارے پیچھے اور ہماری عورتیں ہماری ذریت کے پیچھے اور ہمارے شیعہ ہمارے داہنے اور بائیں ہوں گے (۴۲)۔

آنحضرتؐ نے کئی مرتبہ علیؑ اور انکے شیعوں کو یاد کیا اور فرمایا :

اس رب کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ (علیؑ) اور ان کے شیعہ روز قیامت کامیاب ہیں (۴۳)۔

اور یہ فطری بات ہے کہ آنحضرتؐ حق کی پیروی کرنے والوں کو یاد کریں اور ان کے صفات بیان کریں کہ وہ ہر زمانہ میں پہچانے جا سکیں تا کہ مسلمان پوشیدہ حقیقت سے پردہ اٹھا سکیں اور سب سے نزدیک راستے سے ہدایت پا سکیں۔

آنحضرتؐ کے ہی پیہم تذکر کے پیش نظر بزرگ اصحاب کے ایک گروہ نے وفات رسولؐ کے بعد علیؑ کی پیروی کی اور بنام شیعہ مشہور ہو گئے ۔ انمیں حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار یاسر، حذیفہ بن یمان، مقداد بن اسود سر فہرست ہیں حتی فقط شیعہ انکا لقب بن گیا۔ جیسا کہ ڈاکٹر مصطفیٰ شیبی اپنی کتاب ﴿الصلة بين التصوف و التشيع﴾ اور ابو حاتم اپنی کتاب ﴿الزينه﴾ میں رقمطراز ہیں۔

ابو حاتم کہتے ہیں :

اسلام میں جس مذہب کا سب سے کم نام ہوا وہ شیعہ ہے اور یہ اصحاب کے ایک گروہ کا لقب بھی تھا جیسے حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار یاسر، مقداد بن اسود وغیرہ......

اس طرح مستشرقین کا یہ شبہ غلط ثابت ہو جاتا ہے جسکی پیروی بعض مسلمان محققین نے بھی کی کہ تشیع کا وجود میں آنا ایک سیاسی مسئلہ تھا جسے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کے سیاسی حالات نے پیدا کیا تھا۔

اسی طرح ان دشمنوں کی نادانی بھی کھل جاتی ہے جو تشیع کو ایرانیوں سے وابستہ کرتے ہیں۔

اس لئے کہ اس سے ان کا جہل و تعصب ظاہر ہو جاتا ہے۔

پھر یہ محققین امام علیؑ کی زندگی میں ان کے اصحاب کے تشیع کی کس طرح تفسیر کرتے ہیں؟ اور یہ کس طرح بیان کرتے ہیں کہ آغاز اسلام اور جنگ جمل و صفین میں کوفہ شیعوں کا مرکز تھا؟

یہ خود غرض دشمن کس طرح بیان کرتے ہیں کہ عربی اور افریقی ممالک میں شیعہ حکومتیں موجود تھیں جیسے شمال افریقا میں مراکش، تیونس، مشرق میں مصر و حلب جب کہ اس وقت ایران تشیع سے آشنا بھی نہ تھا۔ اسلئے مراکش میں ادریسیوں کی حکومت دوسری ہجری میں تھی اور تیونس میں فاطمیوں کی حکومت تیسری ہجری کے خاتمہ پر تھی اسی طرح تیسری ہجری کے اواسط میں فاطمیوں کی مصر پر حکومت تھی۔ اور حلب (شام) اور عراق میں شیعہ حمدانیوں کی حکومت چوتھی ہجری میں تھی جبکہ ایران صفویوں کی حکومت دسویں ہجری میں تھی لہذا یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ تشیع کے آغاز کو ایرانیوں سے وابستہ سمجھیں۔

ہم نے اپنی کتاب ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾ میں ذکر کیا ہے کہ اکثر اہل سنت علماء اور ائمہ ایرانی تھے۔ اور نہ یہ کہ شیعہ تھے بلکہ شیعوں اور تشیع کی نسبت شدید تعصب کا اظہار کرتے تھے بس یہی جان لینا کافی ہے کہ اہل سنت کے سب سے بڑے مفسر زمخشری ہیں اور وہ ایرانی ہیں اور ان کے سب سے بڑے محدث بخاری، مسلم بھی ایرانی ہیں اور ابو حنیفہ جنہیں اہل سنت امام اعظم کہتے ہیں یہ بھی ایرانی ہیں ان کا نحوی امام سیبویہ ایرانی ہے۔ امام المتکلمین واصل بن عطا ایرانی ہے۔ امام لغت، فیروز آبادی (صاحب قاموس المحیط) ایرانی ہے۔ غزالی، رازی، ابن سینا، ابن رشد سبھی تو ایرانی ہیں اور یہ سب کے سب اہل سنت کے علماء اور پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔

اے کاش! اس روز، تمام مسلمان شیعہ ہو جاتے!

عید غدیر نہایت ہی باعظمت اور عظیم عیدوں میں شمار ہوتی ہے۔
دنیا کے مشرق و مغرب میں مسلمان دو عیدوں میں خوشیاں مناتے ہیں۔
پہلی عید، عید فطر ہے جو ماہ مبارک رمضان کے بعد آتی ہے اور دوسری عید، عید الاضحیٰ (قربان) ہے جو اعمال حج کے بعد آتی ہے۔
مسلمانوں نے شروع سے لیکر اب تک ان دونوں عیدوں کو محفوظ رکھا ہے اور اس موقع پر تمام عالم میں جشن مناتے ہیں تیسری بڑی عید، جسے ﴿غدیر﴾ کہتے ہیں یہ وہی دن ہے جب دین کامل ہوا اور خدا کی نعمت مسلمانوں پر تمام ہوئی لیکن افسوس کہ اسمیں انھوں نے اختلاف کیا۔
محققین تاریخ کو اس کا اندازہ ہوگا کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی علت وفات رسولؐ کے بعد سقیفہ بنانے والوں کی سیاسی سرگرمیاں تھیں، انھوں نے خدا اور رسول کی جانب سے واضح نصوص کے مقابل اجتہاد کیا اور اپنی ذاتی رائے پر مسلمانوں سے زبردستی عمل کرایا۔
یہی وہ مقام ہے جہاں امیر المؤمنینؑ علیؑ کو کنارہ کر دیا گیا گرچہ نصوص کے

مطابق وہ واقعی خلیفہ تھے اور انکی جگہ پر وہ خلیفہ بنا جسے قریش نے اپنی نفسانی خواہشات کی بنیاد پر چنا تھا۔ وفات حضرت رسولؐ کے بعد یہ سب سے تلخ واقعہ ہے جو مسلمانوں کے درمیان پیش آیا اور جس نے انھیں مصیبت سے دوچار کیا اور حق وباطل، جاہلیت واسلام کے درمیان پیکار کی ابتدا کا باعث بنا۔

بے شک یہ آیت کریمہ جس میں خدا فرماتا ہے :

محمدؐ سوائے رسول کے کچھ نہیں ہیں ان سے پہلے بھی رسول بھیجے گئے پس اگر (محمدؐ) اپنی موت سے مرجائیں یا مار ڈالے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں (اپنے کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے (آل عمران ر ۱۴۴)

اس کا عید غدیر سے براہ راست رابطہ ہے۔

رسول خداؐ نے عید غدیر کا جشن منایا جس وقت پروردگار عالم نے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ اپنے بعد علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنادیں اور امت پر اچھی طرح واضح کردیں۔ چنانچہ حاضرین غدیر کی جب علیؑ کے ہاتھوں پر بیعت ہو چکی اور آنحضرتؐ نے بھی مبارکباد دے دی اور جبرئیل امین یہ آیت لیکر نازل ہوئے :

﴿الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا﴾ (مائدہ ر ۳)

آج ہم نے تمہارے دین کو کمال کی منزل پر پہنچادیا تم پر اپنی نعمتیں تمام کردیں اور دین اسلام کو تمہارے لئے بہترین دین و آئین قرار دیا تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا :

﴿اللہ اکبر﴾ اس خدا کا شکر جس نے میرے دین کو کامل کیا اور مجھ پر نعمتیں تمام کیں اور میرے بھائی اور چچا کے بیٹے کی ولایت سے راضی ہوا۔ چنانچہ مبارکباد کیلئے اسی روز ایک خیمہ نصب کیا گیا اور حاضرین میں عورتوں اور

مردوں کوئی نہ بچا جس نے علیؑ کو ان کی ولایت پر مبارکباد نہ دی ہو۔

لیکن ابھی زیادہ دن نہ گذرے تھے اس الٰہی عید کے عظیم جشن کے ٹھیک دو ماہ بعد امت اپنی بیعت سے پلٹ گئی۔ اور اس عید و صاحب عید کو بھلا بیٹھی اور ایسے کو اپنے لئے منتخب کر لیا جو خدا کا منظور نہ تھا۔ اور بہانہ کیلئے کبھی بزرگی اور کم سنی کو پیش کرتے تو کبھی کہتے بنی ہاشم کو نبوت جیسا عظیم شرف حاصل ہے لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ خلافت بھی انہیں کے درمیان رہے۔ اور کبھی یہ بہانہ کرتے کہ قریش ہرگز اس شخص کو اپنا امیر نہیں بنا سکتے جس نے ان کے بہادروں کو قتل کیا ہے اور ان کے باحیثیت افراد کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اور ان کی ناک مٹی میں رگڑ دی ہے۔

ہاں! فرزند ابو طالب کا کوئی گناہ نہیں، اگر ہے تو بس یہی کہ اس نے خدا کی رضایت و خوشنودی کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دی، اور نصرت دین کی خاطر ہر چیز کو قربان کر دیا وہ دین جو اس کے بھائی اور چچا کے بیٹے کا لایا ہوا تھا لہٰذا اسے کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں وہ اپنے ارادہ و عزم کا مال دنیا سے معاملہ نہیں کر سکتا۔

میں ہرگز امام علیؑ کے فضائل و مناقب کو شمار نہیں کر سکتا اور نہ ہی انکی خصوصیات اور امتیازات کی وضاحت کر سکتا ہوں کیونکہ مجھے اس بات کا پہلے ہی سے علم ہے کہ اگر سمندر میرے پروردگار کے کلمات کیلئے روشنائی ہوں اور اشجار قلم ہوں تو سمندر سوکھ جائیگا لیکن میرے پروردگار کے کلمات تمام نہ ہوں گے۔

اس عظیم شخصیت کی شرافت اور فخر و مباہات کیلئے یہی کافی ہے کہ خدا نے اپنے دین کو انکی ولایت و امامت سے کامل کیا ہے اور اپنی نعمت کو انکی خلافت پر تمام کیا اور جن مسلمانوں نے انکی خلافت کو دل و جان سے قبول کیا ان سے خدا

خوشنود ہوا۔

آپ کی عزت و فضیلت کیلئے یہ کافی ہے کہ رسول خداؐ نے آپ کو امام المتقین، مسلمانوں کا سید و سردار، مؤمنین کیلئے امیر اور دین و ایمان کا محور و مرکز قرار دیا ہے۔

میں ہرگز اس بات کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ عید غدیر کی صحت اور اسکی سچائی پر برہان و دلیل پیش کروں۔ اس لئے کہ پوری امت اسلامیہ اس واقعہ کی صحت و سچائی پر ایمان رکھتی ہے اور اسے نقل کرتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ صرف شیعہ اس روز جشن مناتے ہیں اور اہل سنت اپنی خواہش کے مطابق اسکی تاویل کرتے ہیں۔

ہم جشن منانے والوں کی گفتگو سے آگاہ ہوئے، اسی طرح تاویل کرنے والوں کی باتوں سے بھی۔ ولایت قبول کرنے والوں کے عقیدہ کا بھی مطالعہ کیا۔ انھوں نے واضح نص کے ذریعہ یہ سمجھا کہ امامت اصول دین کی ایک اصل ہے۔ اور ان کے مخالف گروہ کے عقیدہ پر بھی ہم نے بحث کی اور معلوم ہوا انھوں نے نصوص کی تاویل یوں کی ہے: یہ محمدؐ کی اپنے داماد اور چچازاد بھائی کے متعلق سوائے ایک رائے اور نظر کے کچھ اور نہ تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ اس طرح علیؑ کی نسبت ان کے دشمنوں کے دل نرم ہو جائیں!

ہم ان کے پیروں کے مطمح نظر سے واقف ہوئے کہ جو کچھ فقیر اور نادار افراد تھے چنانچہ مخالفین اور دشمنوں کی حالت کا بھی اندازہ ہوا جو کہ ثروت مندوں اور متکبروں کا ایک بڑا گروہ تھا اور انکی مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ انھوں نے اہل بیتؑ رسولؐ کی حرمت کی ساتھ بھی ہتک کی اور صرف سیدالاوصیاء حضرت علیؑ پر حملہ کرنے پر اکتفانہ کی بلکہ سیدۃ نساء العالمین

حضرت فاطمہ زہراءؑ کی بھی اہانت کی اور خاندان نبوت کے خلاف شدید جنگ کا آغاز کر دیا جو ناکثین، قاسطین اور مارقین کی جنگ کی صورت میں تمام ہوئی۔

آخر کار امام کو محراب نماز میں شہید کیا اور شکر کا سجدہ بجا لائے۔ ان مخالفین نے اسی پر اکتفانہ کی بلکہ آپ کے دونوں فرزند جو جوانان جنت کے سردار ہیں انکو بھی شہید کر دیا۔ امام حسنؑ کو زہر کے ذریعہ اور امام حسینؑ کو انکے روشن ستاروں کے ساتھ کربلا میں قتل کر ڈالا۔

اس مقام پر سمجھ میں آجاتا ہے کہ عید غدیر اس امت کے لئے امتحان تھی لیکن افسوس یہ متفرق ہو گئی اور اختلاف سے دوچار ہوئی اور اس طرح ٹکڑوں میں بٹ گئی جیسے یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا تھا، رسول اسلام نے بھی اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ بھی ہم پر واضح ہو گیا کہ امامت جو اصول دین کی ایک اصل ہے کنارے چھوڑ دی گئی اور اس سے نفرت کی جانے لگی۔ اور اسکے اہل افراد سوائے صبر و شکیبائی کے کچھ نہیں کر سکتے تھے اور اسکی جگہ بغیر سوچے سمجھے ایسی جھوٹی امارت کھڑی کر دی کہ جس کے شر کو مسلمانوں کے سر سے سوائے خدا کے کوئی اور ختم نہیں کر سکتا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آزاد کئے جانے والے (طلقاء) اور مفسدوں نے بھی اسکی ہوس کر لی۔ اور جس کشتی نجات کو آنحضرتؐ نے درست کیا تھا اور چلنے کیلئے آمادہ کر دیا تھا اس پر کچھ مخلص بندوں کے سوا کوئی سوار نہ ہوا اور تمام مسلمان دنیا کی محبت کی ریاست کی خواہش میں ڈوب گئے اور جو ائمہ ہدایت اور راہنما تھے انکو ایسے ہی چھوڑ دیا۔ اس طرح وہ اپنے خود ساختہ راہ و مذہب کے پیرو بن گئے جس پر کتاب خدا اور سنت رسولؐ سے قیامت تک کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔

یہ تھا عید غدیر اور صاحب غدیر کی سرگذشت کا خلاصہ اور غدیر کے بعد جو سازش کی گئی اسے بھی سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو لوگ مزید تحقیق کرنا چاہتے ہیں وہ میری دوسری کتاب ﴿سچوں کے ساتھ ہو جاؤ﴾ کا مطالعہ فرمائیں۔

فی الحال چاہے ہم سنی ہوں یا شیعہ یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم بھی تاریخ کی قربانی ہیں بلکہ ایک ایسی سازش کی قربانی جس کا نقشہ دوسروں نے تیار کیا اور اسکی داغ بیل ڈالی بلاشبہ ہم بھی طبیعت کے مطابق پیدا ہوئے، ہمارے شیعہ یا سنی ہونے کا سبب اور ہدایت و گمراہی کا باعث ہمارے والدین ہیں، ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جس گمراہی و انحراف کو چودہ صدیاں بیت چکی ہوں اس کا کچھ برسوں میں ختم ہونا ممکن نہیں ہے اور جو بھی یہ خیال کرتا ہے اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ معصوم ائمہؑ نے امام علیؑ سے لیکر امام حسن عسکریؑ تک اپنی پوری توانائی کے ذریعہ امت میں اتحاد پیدا کرنے اور سیدھے راستہ کی ہدایت کی کوشش کی۔ اور اس راہ میں اپنی جان بھی قربان کی اور اپنے نونہالوں کو بھی فدا کر دیا تا کہ دین محمدؐ قائم رہے لیکن زیادہ تر لوگوں نے کفران نعمت کیا اور ان سے منہ موڑ کر حق کو پائمال کر دیا۔

اسی طرح ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اصلاح کرنے والوں اور سچے مؤمنین سبھی کی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور مسلمانوں کے اتحاد کی تمنا، جہل و نادانی اور اندھے تعصب کے پتھر سے ٹکرا کر رہ گئی۔ قومیتوں کے پہاڑ، گوناگوں نسلیں، اور مختلف حکومتیں، ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں اور ان کے پس پشت ہمارے دشمن بھی ہیں جن کی محبت و دوستی کو ہرگز جذب نہیں کیا جاسکتا۔ وہ

رسولؐ کی رسالت کے زمانہ سے لیکر آج تک پوری قوت کے ساتھ ہمیشہ اس کوشش میں رہے ہیں کہ نور خدا کو خاموش کر دیں۔

اور ان کے پیچھے بھی کچھ اور موقع پرست لوگ ہیں جو سوائے اپنے فائدہ کے اور کچھ نہیں سو بلا شبہ مسلمانوں کا اتحاد ان کے منافع کیلئے بڑا خطرہ ہے لذا انکی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ لوگوں میں تفرقہ ڈال کرانھیں بانٹ دیں۔

ان کے علاوہ ابلیس ملعون بھی تو بیکار نہیں بیٹھا ہے وہی تو ہے جس نے خداوند عالم سے کہا تھا:

میں یقیناً تیرے بندوں کو راہ راست اور صراط مستقیم سے گمراہ اور منحرف کر دونگا (اعراف/۱۶)۔

یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ وقت کافی گذر چکا ہے چودہ صدیاں بیت گئیں اور ہم سوئے ہوئے ہیں۔ حیران و پریشان ہیں۔ ہماری عقلوں پر دنیا کی زینت و ہوس نے غلبہ کر رکھا ہے اور ہماری فکروں کو لاعلاج بیماریوں نے گھیر رکھا ہے۔ لیکن دوسری طرف ہمارے دشمن علمی اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے مسلسل ترقی کر رہے ہیں اور ہم سے ناجائز فائدہ اٹھارہے ہیں، ہمارا خون بہا رہے ہیں۔ ہماری دولت لوٹ رہے ہیں اور ہمیں ذلت و رسوائی کی طرف کھینچ رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم (مسلمان) پسماندہ ہیں۔ ہمیں متمدن بنانا چاہیے۔ ہم وحشی جانور ہیں جسے رام کرنے کی ضرورت ہے، ہمارے لئے سارے راستے بند کر ڈالے گئے اور ہماری سانسوں کو بھی مقید کر دیا گیا، حتیٰ اگر ہم میں سے کسی کو چھینک بھی آجائے تو اس کا بھی ہزار طرح سے حساب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا مصدر جو کہ زکام یا نزلہ ہے اسے مشخص کروا لیں نہ ہو کہ انھیں بھی لگ جائے اور وہ بیمار ہو جائیں اور علاج مشکل ہو جائے۔